شرح
کتاب الجامع
مِنْ بلوغ المرام مِنْ أدلّةِ الأحكام
مصنف
حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ
مترجم و شارح
فضیلۃ الاستاذ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ
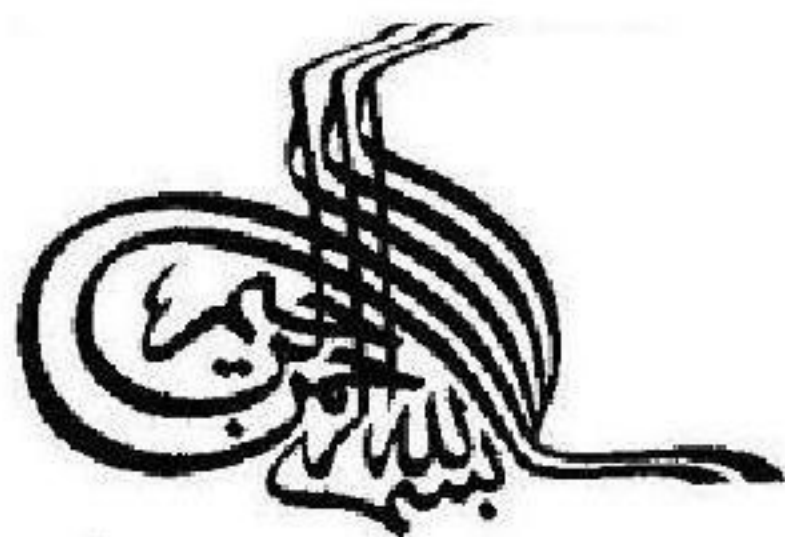
نام کتاب

شرح کتاب الجامع

من بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام

مصنف

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ

مترجم و شارح

فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ

اشاعت دوم .... جولائی 2006ء

ناشر .... دارالاندلس

قیمت ....
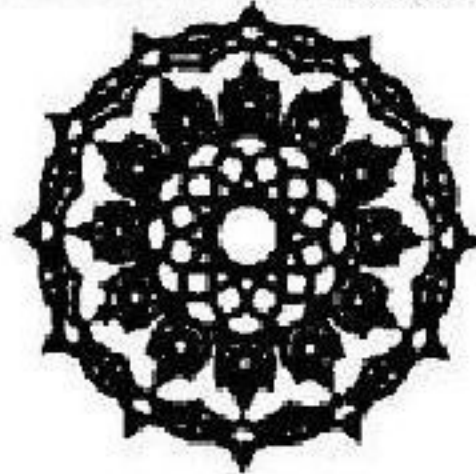
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

دارالاندلس ® اسلام کی نشرواشاعت کا عالمی مرکز

۴۔ لیک روڈ، چوبرجی لاہور، پاکستان

Ph: 92-42-7230549 Fax: 92-42-7242639 www.dar-ul-andlus.com

كتاب الجامع

1. بَابُ الْأَدَبِ

2. بَابُ الْبِرِّ وَ الصِّلَةِ

3. بَابُ الزُّهْدِ وَالْوَرَعِ

6. بَابُ الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ

عرض ناشر

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ !))

''کتاب الجامع'' حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کی مایۂ ناز تالیف ''بلوغ المرام من أدلۃ الأحکام'' کا آخری حصہ ہے۔ کتاب الجامع آداب و اخلاق سے متعلق احادیث پر مشتمل کتاب ہے، اس کا ترجمہ اور تشریح محترم حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ نے اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب کو خاص توفیق سے نوازا ہے کہ وہ احادیث کی وضاحت بھی کتاب اللہ اور احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے انھوں نے اس کتاب میں احادیث کا قابل ذکر ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

احادیث کی تخریج کے ساتھ ساتھ احادیث پر حکم بھی لگایا گیا ہے۔ یہ کتاب طلباء، علماء، خطباء و مقررین کے لیے یکساں مفید ہے، جماعۃ الدعوۃ کے تمام معاہد میں یہ کتاب بطور نصاب شامل ہے۔

یہ کتاب اسلام کی جامع تفہیم کے لیے دریا بہ کوزہ ثابت ہوگی، عرصۂ دراز سے مساجد و مکاتب کی زینت رہنے والی اس تاریخی تالیف کا حق ہے کہ اسے بار بار شائع کیا جائے۔ دارالاندلس اسے چھاپنے کی ایک بار پھر سعادت حاصل کر رہا ہے۔

اللہ رب العزت اس کتاب کو اس کے مؤلف اور دارالاندلس کے جملہ احباب کے لیے توشۂ دنیا و آخرت بنائے۔ آمین!

سیف اللہ خالد

مدیر دار الاندلس

۱۵ جولائی ۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴾ [آل عمران: ۱۰۲] ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴾ [النساء: ۱] ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴾ [الاحزاب: ۷۰ـ۷۱]

تقریباً سات سال پہلے مرید کے میں جامعۃ الدعوۃ الاسلامیۃ کی ابتدا ہوئی تو معہد کے پہلے سال کے نصاب میں حدیث کے لیے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق کتاب "بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام" میں سے کتاب الجامع اور دوسرے سال کے لیے باقی مکمل کتاب تجویز کی گئی۔

مجھے شروع ہی سے بلوغ المرام سے خاص محبت ہے جو والد مرحوم حافظ محمد ابو القاسم کے پڑھانے سے پیدا ہوئی۔ والد صاحب کے علاوہ میں نے ان کے اور مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ، حافظ عبداللہ

بڈھیمالوی رحمہ اللہ، حافظ محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ اور دوسرے بے شمار علمائے کرام کے استاذ مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمہ اللہ سے بھی بلوغ المرام کے کچھ حصے کی ترکیب نحوی پڑھی۔ وہ دارالحدیث اوکاڑہ میں شیخ الحدیث تھے اور عمر کے آخری حصے میں تھے، میرا بچپن تھا اور میں ان کے شاگرد کا بیٹا تھا، صحیح بخاری پڑھانے کے بعد مجھے بلا لیتے اور نہایت شفقت سے بلوغ المرام کی ترکیب کرواتے، اللہ تعالیٰ میرے تمام اساتذہ کو بہترین جزا عطا فرمائے اور ان کی مغفرت فرمائے۔

تعلیم حاصل کرنے سے فارغ ہوا تو جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں پڑھانے لگا۔ تقریباً ستائیس سال وہاں پڑھانے کے دوران کئی دفعہ بلوغ المرام پڑھائی اور ہر دفعہ نئے ذوق وشوق سے پڑھائی۔

بلوغ المرام کی عربی میں تو کئی شروحات موجود ہیں، مثلاً سبل السلام، توضیح الاحکام، فقہ الاسلام وغیرہ، فارسی میں نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کی مسک الختام موجود ہے، اردو میں مولانا عبدالتواب ملتانی اور مولانا سلیمان کیلانی رحمہما اللہ وغیرہ کے تراجم ملتے ہیں جن کے ساتھ نہایت مختصر سا حاشیہ ہے، مولانا صدیق صاحب سرگودھا والوں نے ایک مبسوط شرح لکھنا شروع کی مگر وہ بالکل ابتدا میں رہ گئی۔ ایسے حالات میں بلوغ المرام کی اردو شرح باقی تھی، مجھے خیال ہوا کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو یہ کام کیا جائے۔ چنانچہ ابتدائی طور پر بلوغ المرام کے آخری حصے کتاب الجامع کی احادیث کی شرح لکھنا شروع کی جو کہ آداب واخلاق اور ذکر ودعا پر مشتمل ہے، احادیث کی یہ تشریح لکھنے کے ساتھ ساتھ مرکز الدعوۃ کے مجلہ ''الدعوۃ'' میں بھی شائع ہوتی رہی، اب اسے جماعت کے اشاعتی ادارہ دارالاندلس کی طرف سے شائع کیا جا رہا ہے۔

میں نے کتاب کے متن کے لیے مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز الریاض کی شائع کردہ سبل السلام میں سے بلوغ المرام کو اصل رکھا ہے۔ اس کی تخریج وتحقیق حازم علی بہجۃ القاضی نے حاشیہ پر کی ہے، میں نے تخریج

متن دیں سے کتب و احادیث کے صفحات اور احادیث کے نمبر نقل کیے ہیں۔ محشی نے ہر حدیث پر صحیح یا ضعیف کا حکم لگایا ہے، میں نے اکثر ان کے حکم کے مطابق لکھا ہے، جہاں مجھے اتفاق نہیں تھا وہاں میں نے اپنی تحقیق کے مطابق لکھا ہے، ان کی موافقت نہیں کی۔ صحیح بخاری اور مسلم کی احادیث کے ساتھ "صحیح" لکھنے کا تکلف نہیں کیا کیونکہ وہ بالاتفاق صحیح ہیں۔

اس کے علاوہ میں نے اس میں جن چیزوں کا خیال رکھا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے شروع سے لے کر پوری کتاب کی شرح کی توفیق دی تو کتاب کی ابتدا میں عرض کروں گا، ویسے امید ہے کہ قارئین کو کتاب کے بغور مطالعہ سے خود بخود بھی وہ چیزیں معلوم ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے اور سب بھائیوں کے لیے دنیا اور آخرت میں نافع بنائے اور اسے مکمل کرنے کی توفیق بخشے۔ (آمین!)

عبدالسلام بن محمد بھٹوی

جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ

مرکز طیبہ مرید کے ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الجامع

اس کتاب میں انسان کی اصلاح سے تعلق رکھنے والے چھ ابواب جمع کیے گئے ہیں جن سے نفس کی صحیح تربیت ہوتی ہے۔

١۔ بَابُ الْاَدَبِ — ادب کا بیان

٢۔ بَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ — نیکی کرنے اور رشتہ داری ملانے کا بیان

٣۔ بَابُ الزُّهْدِ وَالْوَرَعِ — دنیا سے بے رغبتی اور پرہیزگاری کا بیان

٤۔ بَابُ التَّرْهِيبِ مِنْ مَسَاوِى الْاَخْلَاقِ — برے اخلاق سے ڈرانے کا بیان

٥۔ بَابُ التَّرْغِيبِ فِى مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ — اچھے اخلاق کی ترغیب کا بیان

٦۔ بَابُ الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ — ذکر اور دعا کا بیان

بَابُ الْاَدَبِ

ادب کا بیان

اَلْاَدَبُ: یہ أَدِبَ يَأْدَبُ (س) اور أَدُبَ يَأْدُبُ (ك) کا مصدر ہے أَدِبَ الرَّجُلُ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی آدمی کسی علم یا اچھی عادت میں پختہ ہو جائے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''ادب قابل تعریف اقوال و افعال عمل میں لانے کا نام ہے۔'' بعض نے کہا: ''اچھے اخلاق اختیار کرنا ادب ہے۔'' بعض نے کہا: ''چھوٹے سے نرمی اور بڑے کی تعظیم ادب ہے۔'' بعض کہتے ہیں یہ مَأْدُبَةٌ سے ماخوذ ہے جس کا معنی دعوت طعام ہے کیونکہ اس اخلاق کو اختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔''

اگر غور کریں تو ان تمام حضرات نے ایک ہی مفہوم مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے۔

مسلمان کے مسلمان پر حقوق

۱۳۵۴/۱۔ ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ : إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ ، وَ إِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ ، وَ إِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ ، وَ إِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ ، وَ إِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ ، وَ إِذَا مَاتَ فَاتْبَعْهُ)) [رَوَاهُ مُسْلِمٌ]

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کے حق مسلمان پر چھ ہیں، جب تو اس سے ملے تو سلام کہہ، جب وہ تجھے بلائے تو اس کے پاس جا، جب تجھ سے خیر خواہی طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کر، جب اسے چھینک آئے اور وہ اللہ کی حمد کرے تو اسے ((یَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) کہہ، جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کر اور جب فوت ہو تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔"

تخریج:

[صحیح مسلم، السلام: ۵ اور دیکھیے تحفۃ الاشراف: ۱۰/۲۲۴]

فوائد:

اسلام باہمی اخوت کا دین ہے۔ ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ "مومن بھائی بھائی ہیں۔" مسلمانوں کے ایک دوسرے پر کئی حقوق ہیں جن میں سے یہ چھ بہت اہم ہیں، حق المسلم کے الفاظ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ چیزیں مسلمان کے ذمے مسلمان کا حق ہیں کافر کا حق نہیں ہیں، اب ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تشریح کی جاتی ہے:

۱۔ سلام:

سلام کے متعلق سب سے قوی بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ﴾ [الحشر: ۵۹/۲۳]

"وہ بادشاہ، نہایت پاک، سلام، امن دینے والا، غالب (ہے)۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو یوں کہتے:

((اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قِبَلَ عِبَادِهِ اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرَئِيْلَ، اَلسَّلَامُ عَلٰى مِيْكَائِيْلَ، اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ))

''یعنی اللہ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلام ہو، جبرئیل پر سلام ہو، میکائیل پر سلام ہو، فلاں پر سلام ہو۔''

[بخاری، کتاب الاستئذان، باب السلام اسم من اسماء اللہ تعالیٰ...... الخ : ٦٢٣٠۔ مسلم، کتاب الصلاۃ، باب التشهد فی الصلاۃ : ٤٠٢۔ مسند احمد : ٣٨٢/١]

جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف چہرہ پھیر کر فرمایا: ((اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ)) ''اللہ پر سلام ہو'' مت کہو کیونکہ اللہ خود سلام ہے۔ [متفق علیه، مشکوٰۃ باب التشهد]

سلام کا معنی وہ ہستی جو ہر عیب اور نقص سے سالم ہے اور جو سب کو سلامتی دینے والا ہے اور السلام علیکم کا معنی یہ ہوا کہ سلام (اللہ تعالیٰ) تم پر سایہ فگن رہے، تمھارا نگہبان اور محافظ رہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے ((اَللّٰهُ مَعَكَ وَاللّٰهُ يَصْحَبُكَ)) ''اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہو، اللہ تمھارا ساتھی ہو۔''

بعض کہتے ہیں کہ سلام بمعنی ((سَلَامَةٌ)) ہے یعنی ((سَلَامَةُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ)) ''تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔'' جب کوئی شخص دوسرے کو سلام کہتا ہے تو وہ اسے اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ میری طرف سے تم بے فکر ہو جاؤ کہ میں تمھیں کوئی نقصان پہنچاؤں گا کیونکہ جو شخص اللہ سے اس کی سلامتی کی دعا کر رہا ہے، وہ خود تکلیف کیسے دے سکتا ہے؟

٢۔ ''جب مسلمان سے ملے اسے سلام کہے۔'' اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جدا ہوتے وقت سلام کی ضرورت نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا انْتَهٰى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يَّجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ ثُمَّ إِذَا قَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْأُوْلٰى بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ))

[صحیح۔ مسند أحمد : ۲/ ۲۳۰۔ أبوداوٗد، کتاب الأدب، باب في السلام اذا قام من المجلس : ۵۲۰۸۔ ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ما جاء في التسلیم......الخ : ۲۷۰۶۔ وغیرھم عن أبی ھریرۃ و صحیح الجامع الصغیر : ۴۰۰]

"جب تم میں سے کوئی شخص مجلس میں پہنچے تو سلام کہے، اگر اس کا ارادہ بیٹھنے کا ہے تو بیٹھ جائے پھر جب اٹھے تو سلام کہے کیونکہ پہلے سلام کا حق دوسرے سے زیادہ نہیں ہے۔"

۳۔ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ)) آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا پھر وہ بیٹھ گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "دس (نیکیاں)۔" پھر ایک اور آیا اس نے ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ)) کہا، آپ ﷺ نے جواب دیا اور بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بیس۔" پھر ایک اور آیا اس نے کہا: ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ)) آپ ﷺ نے فرمایا: "تیس۔"

[صحیح۔ابوداوٗد والترمذی عن عمران بن حصین۔ دیکھیے ابوداوٗد باب کیف السلام]

سلام کے کامل الفاظ اتنے ہی ہیں، اس سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔

((وَ مَغْفِرَتُهُ)) کے اضافے کی روایت ابوداوٗد میں ہے جس کے متعلق منذری نے فرمایا: "اس میں ابو مرحوم عبدالرحمٰن بن میمون اور سہل بن معاذ دو راوی ہیں: ((لَا يُحْتَجُّ بِهِمَا))

''ان کے ساتھ دلیل نہیں پکڑی جاتی۔'' [عون المعبود، باب کیف السلام اور دیکھیے ضعیف ابوداؤد] اسی طرح ((وَرِضْوَانُهُ)) کے الفاظ بھی سلام کے ساتھ ثابت نہیں۔

۴۔ جب کوئی شخص سلام کہے تو اس سے بہتر جواب دینا چاہیے یا کم از کم اتنا جواب ضرور دینا چاہیے۔ [النساء: ۸۶]

۵۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے کسی سے علیحدہ ہو تو دوبارہ ملنے پر پھر سلام کہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کہے پھر اگر ان کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا پتھر حائل ہو جائے تو دوبارہ ملنے پر پھر اسے سلام کہے۔''
[صحیح ابوداؤد، عن ابی ہریرہ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ : ۴۳۳۲]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس فرمان پر بہت اہتمام سے عمل کرتے تھے۔ وہ صحابی جس نے نماز اطمینان سے نہیں پڑھی تھی جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ نے اسے واپس بھیجا کہ ''دوبارہ نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' تین دفعہ ایسا ہی ہوا تو اس نے ہر مرتبہ آ کر پہلے سلام کہا تھا حالانکہ وہ مسجد میں ہی تھا اور رسول اللہ ﷺ بھی مسجد میں تھے۔ [بخاری و مسلم]

۶۔ جو شخص قضائے حاجت میں مشغول ہو اسے سلام نہیں کہنا چاہیے، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے تھے ایک آدمی گزرا اور اس نے سلام کہا، (فارغ ہونے کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا رَأَيْتَنِيْ عَلَى مِثْلِ هٰذِهِ الْحَالَةِ فَلَا تُسَلِّمْ عَلَيَّ فَإِنَّكَ إِنْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ لَمْ أَرُدَّ عَلَيْكَ))

[ابن ماجه، باب الرجل يسلم عليه وهو يبول، صحيح ابن ماجه : ۲۸۲]

''جب تم مجھے اس جیسی حالت میں دیکھو تو مجھے سلام مت کہو کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو میں

تمھیں جواب نہیں دوں گا۔"

۷۔ نماز پڑھنے والے کو سلام کہنا چاہیے البتہ وہ نماز کی حالت میں ہاتھ کے اشارے سے جواب دے زبان سے نہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں سلام کہتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح جواب دیتے تھے؟" فرمایا: "آپ اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے۔" [الترمذی، باب ماجاء فی الاشارۃ اور دیکھیے صحیح الترمذی : ۳۰۲ اور صحیح ابن ماجہ: ۱۰۱۷]

اگر نمازی کو سلام کرنا جائز نہ ہوتا تو آپ منع فرما دیتے، البتہ نماز کی حالت میں سلام آہستہ کہے جس سے نمازی کو تکلیف نہ ہو۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف کیا تو لوگوں کو بلند آواز سے قراءت کرتے ہوئے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ ہٹا کر فرمایا:

((أَلَا إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَ لَا يَرْفَعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الْقِرَاءَةِ أَوْ قَالَ فِي الصَّلَاةِ))

[ابوداؤد، التطوع اور دیکھیے صحیح ابی داؤد : ۱۱۸۳]

"یاد رکھو! تم سب اپنے رب سے سرگوشی کر رہے ہو، اس لیے ایک دوسرے کو تکلیف ہرگز نہ دو اور قراءت میں یا فرمایا کہ نماز میں ایک دوسرے پر آواز بلند نہ کرو۔"

۸۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھ رہا ہو یا کھانا کھا رہا ہو یا وضو کر رہا ہو اسے سلام نہ کہے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں، جب نمازی کو سلام کہہ سکتا ہے تو اس سے زیادہ مصروف کون ہو سکتا ہے۔

۲۔ دعوت قبول کرنا:

"جب تجھے بلائے تو اس کے پاس جا۔" یہ الفاظ عام ہیں کسی مقصد کے لیے بھی مسلمان بھائی

بلائے تو اس کے پاس جانا حق ہے مثلاً وہ مدد کے لیے بلائے یا مشورہ طلب کرنے کے لیے یا کھانے کے لیے، غرض کسی بھی جائز کام کے لیے بلائے اس کی دعوت قبول کرنا اس کا حق ہے، خاص طور پر جب اسے مدد کی ضرورت ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَ لَا يُسْلِمُهُ))

''ایک مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے۔''

دعوت ولیمہ میں جانے کی خاص تاکید آئی ہے اور نہ جانے پر وعید آئی ہے، آپ ﷺ نے دعوت ولیمہ کے متعلق فرمایا:

((وَ مَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ))

''جس نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔''

ہاں! اگر دعوت میں کوئی نامناسب کام دیکھے تو واپس آ جائے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ایک قالین خریدا جس پر تصاویر بنی ہوئی تھیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو اسے دیکھ کر دروازے پر کھڑے ہو گئے اندر نہیں گئے۔ میں نے کہا: ''یا رسول اللہ (ﷺ)! میں اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں، میں نے کیا گناہ کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس قالین کا کیا معاملہ ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''میں نے اسے آپ کے لیے خریدا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں گے اور تکیہ لگائیں گے۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان تصویروں والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا، کہا جائے گا جو تم نے بنایا ہے اسے زندہ کرو اور فرمایا جس گھر میں تصویریں ہوں فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے۔'' [بخاری، کتاب النکاح]

ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے گھر میں تصویر دیکھی تو واپس چلے گئے۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ابن عمر رضی اللہ عنہما

نے دعوت دی، وہ آئے تو گھر کی دیوار پر پردہ پڑا ہوا دیکھا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ''عورتوں نے ہم سے زبردستی یہ کام کرالیا ہے۔'' انھوں نے فرمایا: ''کسی اور پر یہ خطرہ تو ممکن ہے تمھارے متعلق یہ خطرہ نہ تھا، اللہ کی قسم! میں تمھارا کھانا نہیں کھاؤں گا۔'' چنانچہ واپس چلے گئے۔ [بخاری، کتاب النکاح]

اگر پہلے سے معلوم ہو کہ وہاں اللہ کی نافرمانی ہوگی تو دعوت قبول کرنا لازم نہیں۔

﴿ وَلَا تَرْكَنُوٓا إِلَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ ٱلنَّارُ ﴾ [هود : ١١/ ١١٣]

''اور ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہو جاؤ جنھوں نے ظلم کیا ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی۔''

ہاں! اگر ایسی جگہ جا کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طاقت رکھتا ہو تو ضرور جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم میں ایک جماعت ہونی چاہیے جو خیر کی دعوت دیں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔'' [آل عمران: ١٠٤]

۳۔ خیر خواہی:

مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی ہر حال میں ہی ضروری ہے۔ ترمذی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مومن کے یہی چھ حق بیان کیے گئے ہیں اور خیر خواہی کے متعلق فرمایا: ((وَ يَنْصَحُ لَهُ إِذَا غَابَ أَوْ شَهِدَ)) ''وہ حاضر ہو یا غائب، اس کی خیر خواہی کرے۔'' [حدیث: ٢٧٣٧]

یعنی حاضر ہے تو اس کی جھوٹی تعریف، چاپلوسی اور منافقت نہ کرے، غلط مشورہ نہ دے، نہ ہی دھوکا دے، اگر غائب ہے تو اس کی غیبت نہ کرے، چغلی نہ کھائے، بدخواہی نہ کرے، غرض ہر حال میں اس کی بھلائی کی فکر کرے۔

((إِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ)) سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان بھائی مشورہ پوچھے تو اس وقت اسے درست مشورہ دینے اور اس کی خیر خواہی کرنے کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

۴۔ چھینک پر الحمد للہ کہنے کا جواب:

۱۔ چھینک کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہے، اس کا بھائی یا ساتھی اسے ((یَرْحَمُكَ اللّٰہُ)) کہے، جب وہ ((یَرْحَمُكَ اللّٰہُ)) کہے تو یہ کہے ((یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَ یُصْلِحُ بَالَکُمْ)) ”اللہ تمھیں ہدایت دے اور تمھاری حالت درست کرے۔“ [بخاری عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ]

۲۔ چھینک آنے پر کم از کم الحمد للہ کہنا واجب ہے، اگر اس کے ساتھ ((عَلٰی کُلِّ حَالٍ)) پڑھا جائے تو بہتر ہے۔ ترمذی میں ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو یوں کہے: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ)) [دیکھیے صحیح الترمذی ۲۲۰۲]

۳۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ کہے: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ)) جواب دینے والا کہے: ((یَرْحَمُكَ اللّٰہُ)) اور وہ خود کہے: ((یَغْفِرُ اللّٰہُ لِیْ وَ لَکُمْ)) [صحیح الاسناد موقوف صحیح الادب المفرد: ۷۱۵، ۹۳۴] یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

۴۔ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص چھینک سن کر کہے: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ عَلٰی کُلِّ حَالٍ مَّا کَانَ)) اسے کبھی ڈاڑھ اور کان کا درد نہیں ہوگا۔ [الادب المفرد للبخاری: ۹۲۶] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ”اس کے رجال ثقات ہیں اور اس جیسی بات رائے سے نہیں کہی جا سکتی، اس لیے یہ مرفوع کے حکم میں ہے۔“ [فتح الباری] مگر شیخ البانی نے فرمایا کہ یہ ضعیف ہے، کیونکہ یہ ابو اسحاق سبیعی کی روایت سے ہے اور انھیں اختلاط ہو گیا تھا، اس لیے حافظ نے بھی اسے صحیح

نہیں کہا۔[ضعیف الادب المفرد : ۹۲۶/۱۴۸]

۵۔ رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، مجھے چھینک آئی تو میں نے کہا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَ يَرْضٰى))

"ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے، تعریف بہت زیادہ، پاکیزہ، جس میں برکت کی گئی ہے، جس پر برکت نازل کی گئی ہے، جس طرح ہمارا رب محبت کرتا ہے اور پسند کرتا ہے۔"

جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: "نماز میں یہ الفاظ کس نے کہے ہیں۔" تین دفعہ پوچھا...... میں نے عرض کیا: "میں نے کہے ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تیس سے زیادہ فرشتے اس کی طرف جلدی سے بڑھے کہ ان میں سے کون اسے لے کر اوپر چڑھے۔" [حسن]

[صحیح ابی داؤد : ۷۰۰ و صحیح ترمذی : ۳۳۱]

اس سے معلوم ہوا کہ چھینک آنے پر یہ الفاظ کہے تو اور زیادہ ثواب ہے۔

۶۔ نماز میں چھینک آنے پر بھی الحمد للہ ضرور کہنا چاہیے جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث میں مذکور ہے، البتہ نماز کے دوران کسی دوسرے کو جواب دینا جائز نہیں، کیونکہ یہ دوسرے آدمی سے خطاب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نماز میں لوگوں کے کلام سے کوئی چیز درست نہیں وہ تو صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن کی قراءت ہے۔" [مسلم]

۷۔ جو شخص چھینک آنے پر الحمد للہ نہ کہے اسے یرحمک اللہ نہیں کہنا چاہیے۔ [بخاری، باب لا

یشمت العاطس اذا لم یحمد لله]

۸۔ غیر مسلم اگر چھینک آنے پر الحمد للہ کہے تو اسے ((یَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) نہیں کہنا چاہیے۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس چھینکتے اور امید کرتے کہ آپ انھیں ((یَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) کہیں گے مگر آپ انھیں یہی کہتے: ((یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَ یُصْلِحُ بَالَكُمْ)) [صحیح ابی داؤد، ۴۲۱۳ و صحیح الترمذی]

۹۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کا قول اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ اپنے بھائی کو تین دفعہ ((یَرْحَمُكَ اللّٰهَ)) کہو، اگر اس سے زیادہ ہو تو زکام ہے۔ [صحیح ابی داؤد : ۴۲۱۰]

۱۰۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو چھینک آتی تو اپنے منہ پر اپنا ہاتھ یا کوئی کپڑا رکھ لیتے اور چھینکتے وقت اپنی آواز کو پست رکھتے۔ [صحیح ابوداؤد : ۴۲۰۷ و صحیح الترمذی]

۔ چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ چھینک سے دماغ میں رکے ہوئے فضلات و بخارات خارج ہو جاتے ہیں اور دماغ کی رگوں اور پٹھوں کی رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں، جس سے انسان بہت سی خوفناک بیماریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے، جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو ہر اس مسلمان پر جو اسے سنے حق ہے کہ اسے ((یَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) کہے اور جمائی شیطان سے ہے، جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو جس قدر ہو سکے اسے روکے کیونکہ جب وہ ''ہا'' کہتا ہے تو شیطان اس سے ہنستا ہے۔'' [بخاری، کتاب الادب] صحیح مسلم میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے۔

۵۔ بیمار پرسی:

۱۔ مسلمان کی بیمار پرسی واجب ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے، بَابُ وُجُوبِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ اور اس پر کئی احادیث سے استدلال فرمایا ہے۔

۲۔ کفار کی تعلیم سے متاثر ڈاکٹروں کی زیادہ سے زیادہ کوشش یہی ہوتی ہے کہ مریض کو کسی سے ملنے نہ دیا جائے حالانکہ بیمار کو دوستوں کے ملنے سے دلی راحت حاصل ہوتی ہے جو دل کی تقویت کا باعث ہوتی ہے جس سے بیماری ختم ہونے میں مدد ملتی ہے۔

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

کم از کم اتنی دیر بیمار کی توجہ اپنی بیماری سے کم ہو جاتی ہے جتنی دیر وہ ملنے کے لیے آنے والے کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔

۳۔ بیمار پرسی کرنے سے مریض کی ضروریات کا علم ہوتا ہے مثلاً اسے کسی طبیب کے پاس لے جانے کی ضرورت ہو یا کسی دوا کی ضرورت ہو یا گھر میں اخراجات کی کمی کا مسئلہ ہو بیمار پرسی ہی سے ضرورت کا علم ہونے پر ایک مسلمان بھائی کی مدد کی جا سکتی ہے۔ بعض اوقات بیمار پرسی کرنے والا خود طبیب ہوتا ہے یا اس بیماری میں مبتلا رہ چکا ہوتا ہے وہ بہترین مشورہ بھی دے سکتا ہے۔

۴۔ بیمار پرسی کے لیے آنے والوں کو دعا اور کتاب و سنت کے الفاظ پر مشتمل دم سے مریض کو صحت ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی مسلمان کسی مسلمان کی بیمار پرسی کرے اور سات مرتبہ یہ کلمات کہے تو اسے عافیت دی جاتی ہے، سوائے اس کے کہ اس کی موت کا وقت آ پہنچا ہو:

((أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَّشْفِيَكَ))

[عن ابن عباس، ترمذی ابواب الطب اور دیکھیے صحیح الترمذی: ۱۶۹۸]

''میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں جو عظمت والا ہے، عرش عظیم کا رب ہے کہ تجھے شفا دے۔'' [صحیح]

د۔ بیمار پرسی کرنے والے کو چاہیے کہ مریض کو حوصلہ دلائے اور بیماری کا ثواب ذکر کر کے اس کی ہمت بندھائے، رسول اللہ ﷺ جب کسی بیمار کی عیادت کے لیے جاتے تو فرماتے: ((لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ)) ''کوئی حرج نہیں اگر اللہ نے چاہا تو یہ بیماری پاک کرنے والی ہے۔'' [بخاری، کتاب المرضیٰ عن ابن عباس]

ہ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی بیمار کے پاس جاتے یا اسے آپ کے پاس لایا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے:

((اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَ اشْفِ، اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَآءُكَ شِفَآءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا)) [البخاری، کتاب الطب، باب مسح رقی ...... الخ : ۵۷۵۰]

''لے جا بیماری کو اے لوگوں کے پروردگار! اور شفا دے اور تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفا کے علاوہ کوئی شفا نہیں، ایسی شفا جو کوئی بیماری نہ چھوڑے۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ اس پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے۔ [کتاب السلام ح ۱۷۲۲]

و۔ یہ بحث حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیمار پرسی صرف مسلمان کا حق ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ غیر مسلم کی بیمار پرسی کر لیتے تھے، جیسا کہ آپ نے ایک یہودی نوجوان کی بیمار پرسی کی جو آپ

کی خدمت کرتا تھا اور اسے اسلام قبول کرنے کے لیے کہا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح آپ نے اپنے چچا ابو طالب کی وفات کے وقت اس سے ملاقات کی اور اسلام قبول کرنے کی تلقین فرمائی۔ [صحیح بخاری، کتاب المرضیٰ]

۸۔ ابن ماجہ میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ’’نبی ﷺ بیمار پرسی نہیں کرتے تھے، مگر تین راتوں کے بعد۔‘‘ مگر یہ روایت موضوع ہے، اس میں ایک راوی مسلمہ بن علی متروک ہے۔ [سلسلۃ الضعیفۃ: ۱۴۵] اس لیے جتنی جلدی ہو سکے بیمار پرسی کرنی چاہیے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ﴾ [المائدۃ: ۴۸] ’’نیکیوں میں سبقت کرو۔‘‘

۹۔ ترمذی میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی بیمار پرسی صبح کے وقت کرے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس پر صلاۃ بھیجتے رہتے ہیں اور اگر پچھلے پہر کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس پر صلاۃ بھیجتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے ایک باغ لگ جاتا ہے۔‘‘ [ترمذی، الجنائز اور دیکھیے صحیح الترمذی ۷۷۵]

۱۰۔ بیمار پرسی کا مقصد بیمار کو راحت پہنچانا ہے اور ظاہر ہے دیر تک بیٹھنے سے اور ہجوم کرنے سے اسے تکلیف ہو گی اس لیے بیمار پرسی کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ اس کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے۔

۶۔ جنازے کے ساتھ جانا:

۱۔ ((اِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ)) سے معلوم ہوا کہ مسلمان واقف ہو یا ناواقف اس کے جنازے کے ساتھ جانا اس کا حق ہے، حدیث میں اس کا بہت اجر آیا ہے۔ [دیکھیے بلوغ المرام، کتاب الجنائز حدیث: ۵۳۴]

۲۔ جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے کلمہ شہادت یا کوئی اور ذکر بلند آواز سے پڑھنا جس طرح لوگوں

میں آج کل رائج ہے، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں۔

اپنے سے کم نعمت والوں کی طرف دیکھو

٢/٣٥٥۔ ((وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْظُرُوْا إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوْا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَّا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

”اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس شخص کی طرف دیکھو جو تم سے نیچے ہے اور اس شخص کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہے، یہ زیادہ لائق ہے کہ تم اللہ کی اس نعمت کو حقیر نہ جانو جو تم پر ہے۔“

تخریج:

[بخاری : ٦٤٩٠۔ مسلم : الزهد : ٩]

مفردات:

((أَسْفَلَ)) لام پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔ رفع اس لیے کہ یہ ”ھو“ کی خبر ہے اور نصب اس لیے کہ یہ ”ھو“ کی محذوف خبر کائن کے لیے مفعول فیہ (ظرف) ہے۔

((أَنْ لَّا تَزْدَرُوْا)) یہ باب افتعال سے ہے اس کا مادہ ”زری“ ہے۔ (زَرَيْتُ عَلَيْهِ، أَزْرَيْتُ بِهِ) میں نے اس کی تحقیر کی یہ اصل میں (تَزْتَرِيُوْا) تھا افتعال کی ”تاء“ اگر ”زاء“ کے بعد آجائے تو اسے ”دال“ سے بدل دیتے ہیں۔

فوائد:

۱۔ اگر کوئی شخص انھی لوگوں کی طرف دیکھے جنھیں دنیا کی نعمتیں اس سے زیادہ دی گئی ہیں تو خطرہ ہے کہ اس کے دل میں خالق کا شکوہ پیدا ہو جائے یا اس شخص پر حسد پیدا ہو جائے اور یہ دونوں چیزیں اس کی بربادی کا باعث ہیں، حدیث میں اس کا علاج بتایا گیا ہے۔ جب وہ ان لوگوں کو دیکھے گا جو دنیاوی نعمتوں میں اس سے بھی نیچے ہیں تو اس کا دل خالق کے شکر، اپنی حالت پر صبر و قناعت اور دوسرے بھائیوں پر رحم سے بھر جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو حقیر نہیں جانے گا۔

۲۔ اپنے سے نیچے سے مراد وہ ہے جو دنیاوی نعمتوں میں اس سے کمتر ہے، اگر تندرست ہے تو بیماری میں مبتلا لوگوں کی طرف دیکھے، اس سے اسے اللہ کی عطا کردہ صحت پر شکر کی نعمت حاصل ہوگی۔ اگر بیمار ہے تو انھیں دیکھے جو اس سے بھی زیادہ بیمار ہیں بلکہ ان کے اعضا ہی نہیں ہیں۔ وہ اندھے، بہرے، لنگڑے یا کوڑھی ہیں، اس سے اپنی عافیت کی قدر معلوم ہوگی۔ اگر تنگدست ہے تو انھیں دیکھے جو اس سے بھی بڑھ کر فقیر ہیں، جنھیں محتاجی نے سراسر ذلیل کر دیا ہے یا وہ قرض کے خوفناک بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں، غرض دنیا کی کسی آزمائش میں مبتلا ہو اسے اپنے سے بڑھ کر مصیبت میں مبتلا لوگ ہزاروں کی تعداد میں مل جائیں گے ان کے حال پر غور کرے گا تو اسے شکر، صبر اور قناعت کی نعمت حاصل ہوگی۔

۳۔ دین کے معاملات میں ہمیشہ ان لوگوں کو دیکھے جو اس سے اوپر ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴾ [مطففين : ٢٦]

”اور اسی (جنت) میں ہی ایک دوسرے سے بڑھ کر رغبت کریں وہ لوگ جو ایک دوسرے کے مقابلے میں کسی چیز میں رغبت کرتے ہیں۔“

اور فرمایا:

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ [مائدہ: ٤٨]

"پس نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔"

جب نعمتوں میں اپنے سے کم تر لوگوں کو اور نیکیوں میں اپنے سے بالاتر لوگوں کو دیکھے گا تو پہلی نظر سے اللہ کی نعمتوں پر شکر کرے گا اور اللہ پر خوش ہو جائے گا اور دوسری نظر سے اپنی کوتاہیوں کا احساس ہوگا۔ پروردگار کے سامنے حیا کی وجہ سے انتہائی عجز اختیار کرے گا اور ندامت کے احساس سے گناہوں سے تائب ہو کر اپنے سے بالاتر لوگوں کی صفت میں شامل ہونے کی کوشش کرے گا۔

گناہ اور نیکی کی پہچان

١٣٥٦/٣۔ ((وَ عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَ الْإِثْمِ، فَقَالَ: اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَ الْإِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ، وَ كَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

"نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نیکی عادت کا اچھا ہونا ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تو اس بات کو ناپسند جانے کہ لوگ اس پر اطلاع پائیں۔" [مسلم]

تخریج:

[مسلم، البر والصلة: ١٤، ١٥ اور دیکھیے تحفة الاشراف: ٦٠/٩]

فوائد:

۱۔ حسن خلق سے مراد عام طور پر لیا جاتا ہے کہ لوگوں سے اچھا برتاؤ کیا جائے، کھلے چہرے اور میٹھی زبان کے ساتھ ملاقات کی جائے، سختی اور درشتی سے پرہیز کیا جائے، مگر یہ ایک محدود مفہوم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسن خلق اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو اس طرح اوڑھنا بچھونا بنا لینے کا نام ہے کہ وہ آدمی کی فطرت ثانیہ بن جائیں اور کسی مشقت کے بغیر خود بخود ادا ہوتے چلے جائیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرمایا:

﴿ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴾ [ن: ٤]

''یقیناً! آپ عظیم خلق پر ہیں۔''

سعد بن ہشام بن عامر نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے خلق کے متعلق بتائیں تو انھوں نے فرمایا: ''تم قرآن نہیں پڑھتے؟'' عرض کیا: ''کیوں نہیں۔'' فرمایا:

((فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ كَانَ الْقُرْآنَ))

''یقیناً نبی ﷺ کا خلق قرآن ہی تھا۔'' [مسلم، مسافرین : ١٣٩]

یعنی آپ ﷺ نے قرآن کے آداب اس طرح اختیار کر لیے تھے کہ اس کے احکام پر عمل اور ان کے نواہی سے اجتناب اس طرح تھا کہ قرآن کی ہر بات آپ کی طبعی عادت بن گئی تھی۔

حسن خلق کے اس مفہوم میں ارکان اسلام، حقوق اللہ، حقوق العباد، صبر و شکر، وفائے عہد، صدق و امانت، عدل، صدقہ، جہاد، احسان غرض سبھی کچھ شامل ہے اور اس کی جامع چند آیات یہ ہیں:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ ...... ﴾ [البقرۃ : ٢/١٧٧]

اور فرمایا:

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى ...... ﴾ [الفرقان: ٢٥/ ٦٣_٦٤]

اور فرمایا:

﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ ...... ﴾ [التوبة : ٩/ ١١٢]

اور فرمایا:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ...... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾

[المؤمنون: ٢٣/ ١_١١]

قرآن مجید مترجم مع تفسیر سے تفصیل ملاحظہ کر لیں۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے گناہ کی دو علامات بیان فرمائی ہیں پہلی یہ کہ وہ سینے میں کھٹکتا ہے آدمی کو اس پر تسلی نہیں ہوتی، ایک خیال یہ آتا ہے کہ یہ کام کرلوں اس کی صاف ممانعت تو کہیں نہیں ملتی دوسرا خیال آتا ہے کہ نہیں یہ کام اچھا نہیں اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا، لوگوں میں بدنامی ہوگی یہ کیفیت انسان کو بے چین رکھتی ہے، اسی کا نام گناہ ہے۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث حفظ کی:

((دَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيْبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِيْنَةٌ وَ إِنَّ الْكِذْبَ رِيْبَةٌ)) [صحيح الترمذی، النسائی]

”جو چیز تمھیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو تمھیں شک میں نہ ڈالے کیونکہ سچ اطمینان (کا باعث) ہے اور جھوٹ بے چینی (کا باعث) ہے۔“

[م... حث کے لیے دیکھیے بلوغ المرام حدیث : ۱۳۸٤]

... علامت یہ بیان فرمائی کہ تمھیں یہ بات ناپسند ہو کہ لوگوں کو اس کام کا علم ہو،

حقیقت یہ ہے کہ سبھی لوگوں کا کسی چیز کو برا جاننا اس بات کی علامت ہے کہ وہ کام گناہ ہے اسی لیے آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے اچھے کام لوگوں کو معلوم ہوں اور برے کام معلوم نہ ہوں۔ ریا کی بیماری بھی یہیں سے پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ جب وہ کام گناہ ہیں جن میں شبہ ہو، جن کے جائز اور ناجائز ہونے میں واضح حکم موجود نہ ہو اور جن کے متعلق دل میں کھٹکا ہو تو جو کام صاف الفاظ میں منع کیے گئے ہیں ان کے گناہ ہونے میں کیا شبہ ہے؟

۴۔ اگر کسی کام کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دیا ہو مگر لوگ جہالت کی وجہ سے اسے ناپسند کریں تو لوگوں کی پروا نہیں کی جائے گی۔ مسلمان کی شان یہ ہے: ﴿ لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ﴾ [المائدة : ٥٤] ''وہ کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔''

۵۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں اچھے اور برے کی پہچان رکھ دی ہے۔ اسی لیے عربی میں نیکی کو معروف کہا جاتا ہے کہ اس کام کا اچھا ہونا سب کے ہاں پہچانی ہوئی چیز ہے اور برائی کو منکر کہتے ہیں جس کا معنی ہے ''نہ پہچانی ہوئی چیز'' یعنی فطرت انسانی اس کام کو قبول نہیں کرتی اور نہ پہچانتی ہے۔

دو آدمی تیسرے آدمی کی موجودگی میں سرگوشی نہ کریں

٣٥٧/٤۔ ((وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُوْنَ الْآخَرِ حَتّٰى تَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ، مِنْ أَجْلِ أَنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهُ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ]

"اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم تین ہو تو دو آدمی تیسرے کے بغیر آپس میں سرگوشی نہ کریں یہاں تک کہ تم دوسرے لوگوں کے ساتھ مل جاؤ کیونکہ یہ چیز اسے غمگین کرے گی۔" (متفق علیہ اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

تخریج:

[بخاری : ٦٢٨٨۔ مسلم، السلام : ٣٧، وغیرھما۔ دیکھیے تحفة الأشراف ٧/٥٦]

مفردات:

يُحزِنُهُ زاء کے کسرہ کے ساتھ أَكْرَمَ يُكْرِمُ کی طرح اور زاء کے ضمہ کے ساتھ نَصَرَ يَنْصُرُ کی طرح متعدی ہے، دونوں کا معنی غمگین کرنا ہے: ﴿ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ﴾ [آل عمران: ١٧٦] "کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ تجھے غمناک نہ کریں۔" البتہ زاء کے فتحہ کے ساتھ (سَمِعَ) لازم ہے اس کا معنی غمگین ہونا ہے۔ ﴿ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ﴾ [التوبة: ٤٠] "غمگین نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

فوائد:

1. دو آدمیوں کی آپس میں سرگوشی سے تیسرے ساتھی کے غمگین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسے خیال گزرے گا کہ یہ میرے خلاف کوئی منصوبہ بنا رہے ہیں یا کم از کم اتنی بات ضرور ہے کہ انھوں نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ مجھے اپنے راز میں شریک کرتے۔
2. دوسرے لوگوں سے مل جانے کے بعد دو آدمی آپس میں سرگوشی کر سکتے ہیں، خواہ ایک آدمی بھی مزید مل جائے، کیونکہ دونوں آدمیوں کے آپس میں سرگوشی کرنے کی صورت میں تیسرا اکیلا

نہیں بلکہ اس کے ساتھ بھی ایک آدمی موجود ہے، وہ آپس میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ مالک نے عبداللہ بن دینار سے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ میں اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار میں خالد بن عقبہ کے گھر کے پاس تھے، ایک آدمی آیا جو ان سے کوئی پوشیدہ بات کرنا چاہتا تھا اور اس وقت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس میرے علاوہ کوئی اور نہیں تھا تو انھوں نے ایک اور آدمی کو بلایا اور مجھ سے اور اس آدمی سے کہا تم دونوں ذرا ٹھہرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پھر انھوں نے وہ حدیث بیان کی کہ جب تم تین آدمی ہو...... الخ [موطا]

۳۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ایک ساتھی کو چھوڑ کر دو آدمی سرگوشی نہیں کر سکتے تو دو سے زیادہ آدمی بھی ایک ساتھی کو اکیلا چھوڑ کر سرگوشی نہیں کر سکتے مثلاً تین یا دس آدمی اپنے کسی ایک ساتھی کو علیحدہ کر کے آپس میں سرگوشی کریں گے تو یہ چیز دو آدمیوں کے علیحدہ ہو کر سرگوشی کرنے سے بھی زیادہ باعث غم ہوگی، اس لیے جب تک اس کے ساتھ کوئی اور آدمی نہ ہو دوسرے ساتھیوں کو آپس میں سرگوشی کرنا جائز نہیں۔ [فتح الباری]

۴۔ دو آدمی اگر آپس میں کوئی راز کی بات کر رہے ہیں اور کوئی تیسرا اسے سننے کے لیے آجائے تو یہ اس کے لیے جائز نہیں، نہ ہی اس کے آنے سے ان کے لیے آپس میں سرگوشی منع ہوگی۔ سعید مقبری فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرا ان کے ساتھ ایک آدمی باتیں کر رہا تھا، میں ان کے پاس کھڑا ہو گیا تو انھوں نے میرے سینے میں دھکا دے کر کہا: ''جب تم دو آدمیوں کو بات کرتے ہوئے دیکھو تو جب تک اجازت نہ لے لو نہ ان کے پاس کھڑے ہو نہ بیٹھو۔'' [صحیح الادب المفرد للبخاری: ۱۱۶۶/۸۸۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ایسے لوگوں کی بات کان لگا کر سنے جو اس سے بھاگتے ہوں

قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ ڈالا جائے گا۔" [عن ابن عباس احمد، ابو داوٗد، الترمذی، صحیح الجامع : ٦٣٧٠]

کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ مت بیٹھیں

١٣٥٨/٥۔ ((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ، وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَ تَوَسَّعُوْا)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

"اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی آدمی دوسرے آدمی کو اس کی بیٹھنے کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ پھر خود اس میں بیٹھ جائے بلکہ کھل جاؤ اور کشادگی پیدا کرلو۔" (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری : ٦٢٦٩۔ مسلم، السلام : ٢٧، ٢٨) وغیرهما، دیکھیے تحفة الاشراف : ٦/ ٢٢٠]

مفردات:

((تَفَسَّحُوْا)) آپس میں کھل جاؤ تاکہ آنے والا بیٹھ جائے۔" ((تَوَسَّعُوْا)) ایک دوسرے کے ساتھ مل جاؤ تاکہ آنے والے کے لیے جگہ نکل آئے۔ [قاله ابن ابی جمرة۔ فتح]

لَا يُقِيْمُ نفی کا صیغہ ہے مگر اس سے مراد نہی ہے، خصوصاً اس لیے کہ صحیح مسلم میں ((لَا يُقِيْمَنَّ)) کے الفاظ ہیں یعنی "ہرگز نہ اٹھائے۔"

فوائد:

۱۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ کسی کی مخصوص جگہ یا اس کی ملکیت میں کوئی دوسرا آ کر بیٹھ جائے تو اسے اٹھانا جائز نہیں کیونکہ وہاں بلا اجازت بیٹھنا تو اس کے لیے جائز ہی نہیں، اس سے مراد وہ جگہیں ہیں جہاں بیٹھنا ہر مسلمان کے لیے جائز ہے مثلاً مسجد، حکام کی مجالس، اہل علم کے حلقہ ہائے درس، بازار میں تجارت کے لیے کوئی جگہ، دستکاری کے لیے کوئی جگہ، تفریحی مقامات، مزدلفہ، عرفات وغیرہ میں جو شخص پہلے آ کر بیٹھ جائے کسی کے لیے جائز نہیں کہ اسے اٹھا کر خود بیٹھ جائے۔

۲۔ جو شخص کسی دوسرے کو اٹھا کر خود بیٹھتا ہے یا تو اس لیے یہ کام کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس پر ترجیح دے رہا ہے اور یہ بات مسلمان کے لائق نہیں ہے: ﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ [حشر: ۹] ''وہ اپنے آپ پر (دوسروں کو) ترجیح دیتے ہیں چاہے ان کو سخت حاجت ہو۔'' یا پھر تکبر کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو یہ اس سے بھی بدتر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تواضع کا حکم دیا ہے۔

۳۔ کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھنے کے نتیجے میں دلوں کے اندر دوری اور بغض پیدا ہونے کا خطرہ ہے، جب کہ مومنوں کو باہمی محبت واخوت کی تاکید کی گئی ہے۔

۴۔ لَا يُقِيمُ ''نہ اٹھائے'' کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص خود بخود اٹھ کر بیٹھنے کی پیشکش کرے تو وہاں بیٹھنا جائز ہے، البتہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس سے بھی اجتناب کرتے تھے اگر کوئی شخص ان کی خاطر اپنی جگہ سے اٹھتا تو وہاں نہیں بیٹھتے تھے۔ [بخاری: ٦٢٧٠] مگر اہل علم نے ان کے اس عمل کو مزید احتیاط پر محمول کیا ہے کہ ممکن ہے وہ شخص دل سے نہ اٹھا ہو صرف شرم کی وجہ سے اٹھ کھڑا ہوا ہو۔

۵۔ اس حدیث میں سے پاگل اور بے وقوف مستثنیٰ ہیں اگر وہ مجلس علم کو خراب کر رہے ہوں یا مسجد کے ادب میں خلل انداز ہوں تو انھیں نکالنا درست ہے: ﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ ﴾ ''اور بیوقوفوں کو اپنا مال نہ دو۔'' مجلس علم کا مقام مال سے بہت زیادہ ہے، جب بے وقوفوں کو اس بات سے روکا جا سکتا ہے کہ وہ مال کو خراب کریں تو انھیں علم کی دولت خراب کرنے سے کیوں نہیں روکا جائے گا۔

۶۔ جو شخص بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آئے یا کسی کو تکلیف دے اسے مسجد سے نکالنا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے یہ سبزیاں تھوم، پیاز یا گندنا کھائی ہوں وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو اس چیز سے تکلیف ہوتی ہے جس سے بنی آدم کو تکلیف ہوتی ہے۔'' [مسلم، عن جابر، مساجد : ۷٤]

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک جمعہ کے خطبہ کے آخر میں فرمایا: ''لوگو! تم یہ دو پودے کھاتے ہو جنھیں میں تو خبیث (برا) ہی سمجھتا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ مسجد میں کسی آدمی سے ان کی بو محسوس کرتے تو اس کے متعلق حکم دیتے تو اسے بقیع کی طرف نکال دیا جاتا۔'' [مسلم، مساجد : ۷۸] حقے اور سگریٹ کی بدبو تو پیاز اور لہسن سے کئی گنا تکلیف دہ ہوتی ہے۔

کھانا ختم کرنے پر ہاتھ چاٹنے کی تاکید

۱۳۵۹/۶۔ ((وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَمْسَحْ يَدَهُ حَتّٰى يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعِقَهَا)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو اپنا ہاتھ صاف نہ کرے یہاں تک کہ اسے خود چاٹ لے یا کسی کو چٹا دے۔'' (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری: ٥٤٥٦، مسلم، الاشربة : ١٣٧،١٣٤۔ وغیرھما دیکھیے تحفة الاشراف : ٨٨/٥) و ٩٤٥]

فوائد:

١۔ ((لَا يَمْسَحُ يَدَهُ)) ہاتھ صاف کرنے سے مراد رومال یا تولیے کے ساتھ ہاتھ صاف کرنا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَ لَا يَمْسَحُ يَدَهُ بِالْمِنْدِيْلِ حَتّٰى يَلْعَقَ أَصَابِعَهُ)) [الاشربة: ١٣٤] ''اپنا ہاتھ تولیے کے ساتھ صاف نہ کرے یہاں تک کہ اپنی انگلیاں چاٹ لے۔''

شروع ایام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تولیے نہیں ہوتے تھے، آگ سے تیار شدہ کھانا بھی کم ہی ملتا تھا، ان دنوں میں وہ انگلیاں چاٹنے کے بعد انھیں اپنی ہتھیلیوں، کلائیوں اور پاؤں کے ساتھ ہی صاف کر لیتے تھے اور (دوبارہ) وضو کیے بغیر نماز پڑھ لیتے تھے۔ [بخاری عن جابر : ٥٤٥٧]

٢۔ ہاتھ چاٹنے کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمائی ہے: ((فَإِنَّهُ لَا يَدْرِيْ فِيْ أَيِّ طَعَامِهِ تَكُوْنُ الْبَرَكَةُ)) [مسلم، عن جابر، الاشربة : ١٣٥] ''کھانے والے کو معلوم نہیں کہ اس کے کھانے کے کون سے حصے میں برکت ہے۔''

٣۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ صاف کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا: ''اگر لقمہ گر پڑے تو

انگلی کر صاف کر کے کھا لے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔" [مسلم، الاشربۃ: ۱۳۷]

۔ برکت کا مطلب یہ ہے کہ وہ آسانی سے ہضم ہو جائے، پوری طرح جزو بدن بنے، کسی بیماری کا باعث نہ بنے، اللہ کی اطاعت میں مددگار رہے۔ واللہ اعلم! [نووی]

برکت میں یہ بھی شامل ہے کہ اس سے بھوک کا احساس مٹ جائے کیونکہ بعض اوقات آدمی بہت سا کھانا کھاتا ہے، اس کا پیٹ بھر جاتا ہے مگر بھوک نہیں مٹتی، حرص ختم نہیں ہوتی بلکہ کھاتا ہی چلا جاتا ہے اور آخر کار وہ کھانا اس کے لیے بوجھ اور بیماری کا باعث بن جاتا ہے اور بعض اوقات چند لقموں کے بعد ہی طبیعت سیر ہو جاتی ہے اور اسے بہترین فرحت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ اس برکت کا نتیجہ ہے جو کھانے کے کسی لقمے کے ضمن میں اسے حاصل ہو گئی۔

۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونا ضروری نہیں صرف پونچھ لینا ہی کافی ہے۔ [مزید دیکھیے اس حدیث کا فائدہ ۱]

۔ "اپنا ہاتھ خود چاٹ لے یا کسی کو چٹا دے۔" یعنی جو اس کا ہاتھ چاٹنے سے کراہت محسوس نہ کرتا ہو، مثلاً بیوی، بچہ یا بھائی وغیرہ اگر بکری یا گائے کو چٹا دے تب بھی درست ہے کہ برکت ضائع تو نہ ہوئی۔

سلام کے آداب

۱۳۶۰/۲۔ ((وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِيُسَلِّمِ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ، وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: وَالرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي]

"اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چھوٹا بڑے کو سلام کہے، گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ کو۔"
(متفق علیہ۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے، اور سوار پیدل چلنے والے کو۔")

تخریج:

[بخاری، ۶۲۳۱، ۶۲۳۲، ۶۲۳۴۔ مسلم، السلام ۲۱۶۰۔ دیکھیے تحفۃ الاشراف : ۱۰/ ۲۷۵، ۳۹۴]

مفردات:

((لِيُسَلِّمِ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ)) یہ جملہ صحیح مسلم میں نہیں ہے، اس لیے پوری حدیث کو متفق علیہ کہنا مشکل ہے۔ ((وَ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ)) یہ جملہ مسلم کے علاوہ صحیح بخاری میں بھی ہے۔ [الاستیذان : ۶،۵]

فوائد:

۱۔ سلام میں ابتدا کی ترتیب میں جو حکمتیں ہیں اہل علم نے اپنی اپنی دانست کے مطابق بیان فرمائی ہیں، اصل حکمت اللہ ہی کے پاس ہے اور اسی کا علم کامل ہے۔

۲۔ چھوٹے کو سلام میں پہل کرنے کا حکم اس لیے ہے کہ بڑے کا حق چھوٹے پر زیادہ ہے کیونکہ چھوٹے کو حکم ہے کہ بڑے کی توقیر کرے اور اس کے ساتھ باادب رہے۔

۳۔ تھوڑے لوگوں کو سلام میں پہل کرنے کا حکم اس لیے ہے کہ زیادہ لوگوں کا تھوڑے لوگوں پر حق زیادہ ہے اور اس لیے بھی کہ زیادہ لوگ تھوڑے لوگوں کو یا اکیلے کو پہلے سلام کہیں تو اس میں خود بینی اور کبر نہ پیدا ہو جائے۔

۴۔ گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اس لیے پہلے سلام کہے کہ وہ داخل ہونے والے کی طرح ہے جسے سلام کرنے کا حکم ہے اور اس لیے بھی کہ بیٹھے ہوئے شخص کا ہر گزرنے والے کی طرف بار بار از خود متوجہ ہو کر سلام کہنا مشکل ہے، جب کہ گزرنے والے کو ایسی کوئی مشکل نہیں۔

۵۔ سوار پیدل چلنے والے کو اس لیے پہلے سلام کہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے سواری کی نعمت عطا فرمائی ہے تو اس کا حق ہے کہ وہ تواضع اختیار کرے، اگر پیدل کو حکم ہوتا کہ سوار کو پہلے سلام کہے تو خطرہ تھا کہ سوار میں تکبر نہ پیدا ہو جائے۔

۶۔ جب دونوں ملنے والے برابر ہوں تو دونوں کو ابتدا کا حکم ہے ((أَفْشُوا السَّلَامَ)) ''سلام عام کرو۔'' ان میں سے جو پہل کرے گا وہ افضل ہے، جیسا کہ دو قطع تعلق کرنے والوں کے متعلق فرمایا: ((وَ خَيْرُ هُمَا الَّذِیْ يَبْدَءُ بِالسَّلَامِ)) ان میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہلے کرے۔'' (متفق علیہ)

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((وَ الْمَاشِيَانِ أَيُّهُمَا يَبْدَءُ بِالسَّلَامِ فَهُوَ أَفْضَلُ)) ''دو پیدل چلنے والوں میں سے جو پہلے سلام کہے وہ افضل ہے۔'' [صحیح الادب المفرد : ۷۵۴/ ۹۸۳] یہ حدیث مرفوع بھی صحیح ہے۔ [الصحیحہ : ۱۱۴۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ دو آدمی ملتے ہیں تو پہلے کون سلام کہے گا؟ فرمایا: ((أَوْلَا هُمَا بِاللّٰهِ)) ''جو دونوں سے اللہ کے زیادہ قریب ہے۔'' [ترمذی عن ابی امامۃ و قال حسن اور دیکھیے صحیح الترمذی : ۲۱۶۷]

۷۔ اگر وہ شخص جسے پہلے سلام کہنے کا حکم ہے سلام نہیں کہتا تو دوسرے کو سلام کہہ دینا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیلانے کی بہت تاکید کی ہے۔

ایک گروہ کا دوسرے گروہ پر سلام کا طریقہ

۱۳۶۱/۸۔ «وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ إِذَا مَرُّوْا أَنْ يُّسَلِّمَ أَحَدُهُمْ، وَيُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ أَنْ يَّرُدَّ أَحَدُهُمْ» [رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ]

''علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جماعت کی طرف سے جب وہ (کہیں سے) گزریں یہی کافی ہے کہ ان میں سے ایک آدمی سلام کہہ دے اور جماعت کی طرف سے یہی کافی ہے کہ ان میں سے ایک آدمی جواب دے دے۔''
[احمد، بیہقی]

تخریج:

[صحیح۔ تحفۃ الاشراف : ۷/۴۲۹ اور دیکھیے صحیح ابی داوٗد: ۴۳۴۲]

فوائد:

۱۔ اگر جماعت کی طرف سے ایک آدمی سلام کہہ دے تو سب کا فرض ادا ہوگیا ورنہ سب گناہ گار ہوں گے، جواب کا بھی یہی حکم ہے۔

۲۔ ایک آدمی کا سلام کہہ دینا کافی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سب سلام کہیں تو بہتر ہے، اسی طرح اگر سب لوگ جواب دیں تو افضل ہیں۔

کفار سے سلام کا طریقہ

۱۳۶۲/۹۔ ((وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا تَبْدَءُوْا الْيَهُوْدَ وَ لَا النَّصَارىٰ بِالسَّلَامِ، وَ إِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُمْ إِلَى أَضْيَقِهِ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہ یہودیوں کو پہلے سلام کہو نہ عیسائیوں کو اور جب انھیں کسی راستے میں ملو تو انھیں اس کی طرف (سے گزرنے پر) مجبور کرو جو زیادہ تنگ ہو۔'' [مسلم]

تخریج:

[مسلم، السلام : ۱۳۔ وغیرہ دیکھیے۔ تحفة الاشراف مسند ابی ہریرة : ۹/۴۱۱]

فوائد:

ف یہود و نصاریٰ کو پہلے سلام کہنے میں ان کی تعظیم و تکریم پائی جاتی ہے حالانکہ عزت کے حق دار صرف اہل ایمان ہیں:

﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [منافقون : ۸]

''عزت صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے مگر منافق لوگ جانتے نہیں۔''

یہود ونصاریٰ سے جنگ فرض ہے، یہاں تک کہ وہ ذلیل ہوکر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں:

﴿ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ [التوبة: ۲۹]

اسی ذلت کا احساس دلانے کے لیے اور اسے مستقل قائم رکھنے کے لیے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر راستے میں تمھاری ملاقات ان سے ہو تو ان کے لیے کھلا راستہ مت چھوڑو بلکہ انھیں مجبور کرو کہ تنگ راستے سے گزریں۔

افسوس کہ مسلمانوں نے جہاد چھوڑا تو عزت بھی قصہ پارینہ بن گئی، بھلا محکوم قوم اپنی حاکم قوم کے لوگوں کو تنگ راستے کی طرف چلنے پر مجبور کر سکتی ہے یا انھیں پہلے سلام کرنے اور سلیوٹ مارنے سے انکار کر سکتی ہے؟ اگر تھوڑا سا غور کریں تو یہ حدیث صرف سلام میں ابتدا نہ کرنے اور تنگ راستے کی طرف مجبور کرنے کا حکم ہی نہیں دے رہی بلکہ قدم قدم پر مسلمانوں کو باعزت ثابت کرنے، کفار کو ذلیل کرنے اور ان کے ساتھ مسلسل برسرپیکار رہنے کا حکم دے رہی ہے۔

۲۔ سلام کی ایک حکمت رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمائی:

((أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ ، أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ))

[مسلم عن أبي هريرة، الإيمان: ۹۳]

”کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تمھارے درمیان محبت پیدا ہو جائے آپس میں سلام عام کرو۔“

اس سے معلوم ہوا کہ سلام کا نتیجہ باہمی محبت ہے جب کہ کفار کے متعلق حکم یہ ہے کہ انھیں اپنا دوست مت بناؤ: ﴿ لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ [الممتحنة: ۱] ”میرے اور اپنے

دشمن کو دوست مت بناؤ۔"

۳۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب یہودی تمھیں سلام کہتے ہیں تو وہ کہتے ((اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ)) "تم پر موت ہو۔" تم جواب میں کہو ((وَ عَلَيْكَ)) "یعنی تم پر ہو۔" [بخاری عن ابن عمر: ۶۲۵۷] معلوم ہوا اگر اہل کتاب سلام کا لفظ کہیں اور ہمیں صاف سنائی دے تو انھیں ((وَ عَلَيْكُمُ السَّلَامُ)) کہنا چاہیے خصوصاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ﴾ [النساء: ۴/۸۶]

"اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو۔"

۴۔ اگر مسلمان اور کافر ملے جلے بیٹھے ہوں تو انھیں سلام کہنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان، بت پرست، مشرک اور یہودی ملے جلے موجود تھے، آپ ﷺ نے انھیں سلام کہا۔ [بخاری: ۶۲۵۴]

۵۔ یہود و نصاریٰ سے سلام میں پہل منع ہے لیکن اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ اچھے طریقے سے رہ رہے ہوں تو مزاج پرسی میں اگر پہل کر لے تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ آپ نے سلام میں پہل سے منع کیا کلام میں نہیں۔

چھینک کا جواب

۱۳۶۳/۱۰۔ ((وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَ لْيَقُلْ لَهُ أَخُوهُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَإِذَا قَالَ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَلْيَقُلْ لَهُ:

يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ)) [أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ]

''اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہے اور اس کا بھائی اسے ((يَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) ''اللہ تم پر رحم کرے۔'' کہے تو جب وہ اسے ((يَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) کہے تو وہ اسے یوں کہے: ((يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ)) ''اللہ تمھیں ہدایت دے اور تمھاری حالت درست کرے۔'' [بخاری]

تخریج:

[بخاری، ٦٢٢٤۔ دیکھیے تحفة الاشراف : ٤٢٣/٧]

اس حدیث کے فوائد کے لیے اسی باب کی پہلی حدیث کے فوائد ملاحظہ فرمائیں۔

کھڑے ہو کر پانی پینا

١٣٦٤/١١۔ ((وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا يَشْرَبَنَّ أَحَدُكُمْ قَائِمًا))

[أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی ہرگز نہ پیے۔'' [مسلم]

تخریج:

[مسلم، الاشربة : ١١٦۔ دیکھیے تحفة الاشراف : ٨٩/١١]

فوائد:

۱۔ صحیح مسلم میں اس حدیث کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں: ((فَمَنْ نَسِيَ فَلْيَسْتَقِئْ)) ''جو بھول جائے قے کر دے۔'' صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا۔ قتادہ فرماتے ہیں ہم نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ پھر کھانے کا کیا حکم ہے تو فرمایا: ((ذَاكَ أَشَرُّ وَ أَخْبَثُ)) ''وہ تو اس سے بھی بدتر ہے۔'' (اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کھانے میں پینے کی نسبت زیادہ دیر کھڑا رہنا پڑتا ہے) [فتح]

۲۔ کھڑا ہو کر پینے کی ممانعت کی طبی وجہ یہ ہے کہ آدمی بیٹھ کر پیے تو عموماً اطمینان سے پیتا ہے جس سے اچھو لگنے کا خطرہ کم ہوتا ہے۔ اسی طرح حلق، غذا کی نالی اور معدہ و جگر میں درد کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ قے کرنے سے ان تکلیفوں کے زائل ہونے کی امید ہے، کیونکہ اس سے رکی ہوئی وہ خلط رواں ہو جاتی ہے جو قے کے بغیر رواں نہیں ہو سکتی۔ ممانعت کی وجہ رسول اللہ ﷺ نے خود بیان فرمائی ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو کھڑے ہو کر پیتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''قے کر دو۔'' عرض کیا: ''کیوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم پسند کرتے ہو کہ تمھارے ساتھ بلا پیے۔'' اس نے کہا: ''نہیں۔'' فرمایا: ''تمھارے ساتھ اس نے پیا ہے جو اس سے بدتر ہے، شیطان (نے تمھارے ساتھ پیا ہے)۔'' [مسند احمد: ۷۹۹۰] اس حدیث کی سند کے رجال شیخین کے رجال ہیں، سوائے ابو زیاد کے، انھیں یحییٰ بن معین نے ثقہ اور ابو حاتم نے صالح الحدیث کہا ہے۔ [سلسلة الاحادیث

۳۔ ان احادیث کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ سے کھڑے ہو کر پینا

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو زمزم پلایا

کی حالت میں پیا۔" [بخاری، ٥٦١٧، مسلم، الاشربة : ١١٧]

علی رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھی پھر کوفہ کے رحبہ میں لوگوں کی ضرورت کے لیے بیٹھے رہے، یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا تو ان کے پاس پانی لایا گیا، انھوں نے منہ اور ہاتھ دھوئے۔ راوی نے سر اور پاؤں کا بھی ذکر کیا۔ پھر کھڑے ہو کر بچا ہوا پانی پی لیا پھر فرمایا: "کچھ لوگ کھڑے ہو کر پینے کو برا جانتے ہیں حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا۔" [بخاری : ٥٦١٦]

کبشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشکیزے کے منہ سے جو لٹکا ہوا تھا کھڑے ہو کر پیا۔ [ترمذی، الاشربة، صحیح الترمذی : ١٥٤٢]

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چلتے ہوئے کھا لیتے تھے اور کھڑے ہوئے پی لیتے تھے۔ [ترمذی، الاشربة، صحیح الترمذی : ١٥٢٣]

مؤطا میں ہے کہ عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کھڑے ہو کر پی لیتے تھے۔ سعد اور عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ [فتح الباری : ٨٦/١٠]

٤۔ جب ممانعت اور جواز کی احادیث صحیح سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں تو اب ان پر عمل کیسے ہوگا، اہل علم نے اس میں مختلف طریقے اختیار فرمائے ہیں:

<u>پہلا طریقہ:</u> حافظ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہی کی احادیث سے جواز کی احادیث منسوخ ہو گئیں کیونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے، اس لیے پہلے کھڑے ہو کر پینا جائز تھا جب آپ نے منع فرما دیا تو اب کھڑے ہو کر پینا حرام ہے، کیونکہ نہی کا اصل یہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نسخ صرف احتمال سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے تاریخ معلوم ہونا ضروری ہے، جو یہاں معلوم نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں کھڑے ہو کر پانی پیا ہے، اس لیے یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ کھڑے ہو کر پینے سے انسان گو گناہ گار نہیں بنتا البتہ اجر و ثواب سے ضرور محروم رہتا

ہے جب کہ بیٹھ کر پینے سے اجر وثواب ملتا ہے اور سنت پر عمل ہوتا ہے۔

دوسرا طریقہ: کھڑے ہو کر پینے سے نہی کی احادیث میں نہی تنزیہی ہے، اس لیے قے کرنے کا حکم بھی استحباب پر محمول ہوگا۔ یعنی اجر وثواب یہی ہے کہ قے کر دے، اس کی دلیل یہ ہے کہ منع کرنے کے باوجود جب رسول اللہ ﷺ نے خود کھڑے ہو کر پانی پیا تو اس سے ثابت ہوا کہ کھڑے ہو کر پینا گناہ نہیں خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے، البتہ اس سے بچنا اجر وثواب ہے کیونکہ اگر یہ بھی نہ مانا جائے تو رسول اللہ ﷺ کے منع فرمانے کا کوئی فائدہ ہی نہیں رہتا۔

اکثر اہل علم نے اس مسئلہ میں یہی موقف اختیار فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ سب سے اچھا مسلک ہے اور اس پر اعتراض کی گنجائش سب سے کم ہے۔

تیسرا طریقہ: کھڑے ہو کر پینا منع ہے لیکن اگر کوئی عذر ہو تو کھڑے ہو کر پی سکتا ہے۔ جن مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیا ہے، ان پر اگر غور کریں تو یہی بات سمجھ آتی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ زمزم کنویں پر آپ کو ڈول پکڑایا گیا تو آپ نے کھڑے ہو کر پیا۔ ظاہر ہے کہ حاجیوں کے انبوہ میں کنویں کے پاس جہاں چاروں طرف پانی بکھرا ہوا ہو ڈول سے بیٹھ کر پینا آسان نہیں، اس لیے آپ نے کھڑے ہو کر پی لیا۔

کبشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ نے لٹکے ہوئے مشکیزے کے منہ سے پانی پیا، جو بیٹھ کر پینا مشکل تھا۔ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہونے کی حالت میں پیا اگرچہ احتمال موجود ہے کہ آپ نے وضو بیٹھ کر کیا ہو مگر یہ امکان بھی ہے کہ آپ نے مشکیزے سے وضو کیا ہو اور اسی میں سے کھڑے کھڑے پانی پی لیا ہو۔

یہی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ نہی کو اس کے اصل معنی پر رکھا جائے کہ کھڑے ہو کر پینا

ناجائز ہے اور آپ ﷺ کے فعل کو کسی عذر پر محمول کیا جائے، کیونکہ کھڑے ہو کر پینے پر قے جیسے تکلیف دہ عمل کے حکم اور کھڑے ہو کر پینے کی صورت میں شیطان کے ساتھ پینے کے ذکر کے بعد نہی کو تنزیہ پر محمول کرنا مشکل ہے۔

جن صحابہ سے کھڑے ہو کر پینے کا ذکر آیا ہے ممکن ہے انہیں نہی کی احادیث نہ پہنچی ہوں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہو کر پیتے دیکھ کر اس عمل کو مطلقاً جائز سمجھ لیا ہو، ہمیں رسول اللہ ﷺ کی نہی پہنچ جانے کے بعد بلا عذر کھڑے ہو کر کھانے پینے سے اجتناب کرنا ہو گا، ہاں اگر بیٹھنے سے معذور ہوں تو کھڑے ہو کر کھا پی سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم!)

چوتھا طریقہ: آب زمزم اور وضو سے بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پی سکتے ہیں ان دونوں کے سوا کھڑے ہو کر پینا منع ہے۔

پانچواں طریقہ: کھڑے ہو کر پینا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، دوسرے کھڑے ہو کر نہیں پی سکتے۔

جوتا پہننے اور اتارنے کے آداب

۱۳۶۵/۱۲۔ «وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِيْنِ، وَ إِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ، وَلْتَكُنِ الْيُمْنٰى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَ آخِرَهُمَا تُنْزَعُ» [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں کوئی شخص جوتا

پہنے تو دائیں سے شروع کرے اور جب اتارے تو بائیں سے شروع کرے اور دایاں پاؤں دونوں میں سے پہلے ہو جس میں جوتا پہنا جائے اور دونوں سے آخری ہو جس سے جوتا اتارا جائے۔" (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری : ٥٨٥٦۔ مسلم ملباس : ٦٧۔ وغیرهما، دیکھیے، تحفة الاشراف : ١٠/ ١١٩]

فوائد:

- وہ تمام کام جو زینت یا عزت یا شرف کا باعث ہوں انہیں دائیں طرف سے شروع کرنا چاہیے۔

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَنَعُّلِهِ وَ تَرَجُّلِهِ وَ طُهُوْرِهِ وَ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ))

"نبی ﷺ کو دائیں جانب سے شروع کرنا پسند تھا۔ آپ کے جوتا پہننے میں، کنگھی کرنے میں، وضو میں اور اپنے تمام کاموں میں۔" (متفق علیہ)

مثلاً شلوار پہننا، مسجد میں پاؤں رکھنا، سرمہ لگانا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دائیں جانب میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ قوت اور صلاحیت رکھی ہے جس کی وجہ سے دائیں جانب زیادہ تکریم کی حق دار ہے۔

- جو کام اس کے برعکس ہوں ان میں بائیں طرف سے ابتدا کرنی چاہیے مثلاً مسجد سے نکلتے اور بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں پہلے رکھے۔

- جوتا پہننا چونکہ باعث عزت و زینت ہے اس لیے دائیں پاؤں سے ابتدا کا حکم دیا اور جوتا اتارنے میں اس کا الٹ ہے، اس لیے دائیں پاؤں سے آخر میں اتارنے کا حکم دیا تاکہ وہ زیادہ

سے زیادہ دیر تک مزین رہے۔[قاله الحليمي ، فتح]

۴۔ رسول اللہ ﷺ کھانے پینے، کپڑا پہننے اور وضو کے لیے دایاں ہاتھ استعمال کرتے تھے اور استنجاء اور میل کچیل وغیرہ کی صفائی کے لیے بایاں ہاتھ استعمال کرتے تھے۔[ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب : ۱۸] ناک بھی بائیں ہاتھ سے صاف کرتے تھے۔[سنن الدارمي : ح ۷۰۱]

۵۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دایاں ہاتھ استعمال کرنے سے محبت رکھتے تھے، دائیں ہاتھ سے چیز لیتے، دائیں سے ہی دیتے اور دائیں طرف اختیار کرنے کو اپنے تمام کاموں میں محبوب رکھتے۔[نسائي ، الزينة ، باب : ۸ ، صحيح النسائي]

ایک جوتا پہن کر چلنا منع ہے

۱۳۶۶/۱۳۔ ((وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا يَمْشِ أَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ، وَ لْيُنْعِلْهُمَا جَمِيْعاً أَوْ لِيَخْلَعْهُمَا جَمِيْعًا)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایک جوتا پہن کر نہ چلے، دونوں پاؤں کو پہنائے یا دونوں جوتے اتار دے۔“ (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری، ۵۸۵۵۔ مسلم ،اللباس ۱۹ : دیکھیے تحفة الاشراف : ۱۸۷/۱۰]

مفردات:

((لِيُنْعِلْهُمَا)) نووی نے ضبط کیا ہے کہ یہ یاء کے ضمہ کے ساتھ أَنْعَلَ يُنْعِلُ (إِفْعَالٌ)

سے ہے جس کا معنی جوتا پہنانا ہے (هُمَا) سے مراد دونوں پاؤں ہیں، ان کا ذکر اگرچہ پہلے نہیں گزرا مگر ضمیر اس لیے لائی گئی ہے کہ جوتا پہنانے سے خود بخود سمجھ آ رہی ہے کہ جوتا کون سے عضو میں پہنا جاتا ہے، اگر (لِيَنْعَلْهُمَا) عین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو یہ عَلِمَ يَعْلَمُ سے ہوگا، قاموس میں ہے نَعِلَ كَفَرِحَ وَ انْتَعَلَ وَ تَنَعَّلَ اس نے جوتا پہنا اس صورت میں ہُمَا سے مراد "دونوں جوتے" ہوں گے یعنی دونوں جوتے پہن لے۔ ((لِيَخْلَعْهُمَا)) "هُمَا" سے مراد "جوتے" ہیں یعنی دونوں جوتے اتار دے، بخاری کی ایک روایت میں ((أَوْ لِيُحْفِهِمَا)) ہے یا دونوں کو ننگا رکھے، اس وقت هُمَا سے مراد دونوں پاؤں ہوں گے۔

فوائد:

1۔ جوتے کا مقصود پاؤں کو تکلیف دہ چیزوں مثلاً کانٹے وغیرہ سے بچانا ہوتا ہے جب صرف ایک پاؤں میں جوتا ہو تو دوسرے پاؤں کو بچانے کے لیے خاص جدوجہد کرنی پڑتی ہے جس سے اس کی معمول کی چال برقرار نہیں رہتی نہ ہی جسم کا توازن درست رہتا ہے اور پاؤں میں موچ آنے کا خطرہ ہوتا ہے، اس کوشش میں آدمی گر بھی سکتا ہے۔ [فتح] بظاہر یہ حکمتیں معلوم ہوتی ہیں مگر ہر حکم کی اصل علت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

2۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک جوتا پہن کر چلنا حرام ہے کیونکہ نہی کا اصل یہی ہے، صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ لفظ آتے ہیں کہ "جب تم سے کسی شخص کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے (جو انگوٹھے میں ہوتا ہے اور اس کے ٹوٹنے سے آدمی جوتے میں نہیں چل سکتا) تو ایک جوتے میں نہ چلے۔" جب چلتے چلتے ٹوٹ جانے کی صورت میں بھی ایک جوتا پہن کر چلنے کی اجازت نہیں تو بغیر ضرورت کس طرح اجازت ہو سکتی ہے۔

۳۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بہتر ہے کہ ایک جوتا پہن کر نہ چلے لیکن اگر کبھی ایک جوتا پہن کر چلے تو حرام نہیں کیونکہ ترمذی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: ((رُبَّمَا مَشَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ)) ”کئی دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوتا پہن کر چلتے پھرتے تھے۔“ [ترمذی، اللباس] مگر یہ روایت ضعیف ہے، اس میں لیث ابن ابی سلیم ہیں، تقریب میں ہے: ((صَدُوْقٌ اِخْتَلَطَ وَلَمْ يَتَمَيَّزْ حَدِيْثُهُ فَتُرِكَ)) علاوہ ازیں یہ متفق علیہ حدیث کے بھی خلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل ہے جیسا کہ ترمذی میں صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے، امام بخاری وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے، [فتح] کسی صحابی کا عمل دلیل نہیں ہوتا، عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے یہ عذر سمجھا جائے گا کہ انھیں حدیث نہیں پہنچی یا کسی تاویل کی وجہ سے انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔

۴۔ جابر رضی اللہ عنہ نے ایک جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اکثر جوتے پہن کر رکھا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتا پہنے ہوئے ہوتا ہے، وہ سوار ہوتا ہے۔ [مسلم، اللباس، باب : ٦٦]

۵۔ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں چلا کریں۔ [ابو داؤد، الترجل ب: ۱ اور دیکھیے صحیح ابی داؤد]

مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں سخت کوشی باقی رہے، ایسا نہ ہو کہ جوتا ٹوٹ جانے کی صورت میں یا موجود نہ ہونے کی صورت میں چل ہی نہ سکیں۔ جب کسی شخص کی عادت ہو جائے کہ وہ کبھی کبھی ننگے پاؤں چلتا پھرتا رہے تو ایک جوتا ٹوٹنے کی صورت میں ننگے پاؤں چلنے میں نہ اسے لوگوں سے حیا مانع ہوگی نہ نازک بدنی اسے ننگے پاؤں چلنے سے روکے گی۔

٦۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی شخص کے جوتے کا

تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ ایک جوتا پہن کر نہ چلے یہاں تک کہ اپنا تسمہ درست کر لے اور ایک موزہ پہن کر نہ چلے۔" [مسلم، اللباس : ٢٠]

اس سے معلوم ہوا کہ ایک پاؤں میں موزہ یا جراب پہن کر چلنا پھرنا بھی جائز نہیں۔
بعض لوگ اس کے ساتھ یہ بڑھا دیتے ہیں کہ قمیص کی آستین اتار کر نہ چلے وغیرہ مگر یہ اضافے اپنی طرف سے ہیں، ان سے کوئی چیز دین نہیں بن سکتی۔

ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا

١٤/١٣٦٧۔ ((وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

"ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف دیکھے گا نہیں جس نے اپنا کپڑا تکبر کے ساتھ کھینچا۔" (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری، ٥٧٨٣، ٥٧٩١۔ مسلم، اللباس: ٤٢۔ دیکھیے تحفة الاشراف : ٥/٤٦٦، ٥/٣٤٧، ٦/٢١٥]

مفردات:

خُيَلَاءُ تکبر، یہ مصدر ہے۔ گھوڑوں کو "خَيْلٌ" اسی لیے کہتے ہیں کہ ان کی چال میں تکبر ہوتا ہے۔ [قاموس]

فوائد:

۱۔ ''دیکھے گا نہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ رحمت اور محبت کی نظر سے نہیں دیکھے گا، کیونکہ اللہ کی نظر سے کوئی چیز غائب تو ہو ہی نہیں سکتی، وجہ یہ ہے کہ متواضع مسکین مہربانی کی نظر کا حق دار ہوتا ہے، متکبر و مغرور اس سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ قہر کی نظر کا حقدار بن جاتا ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴾ [النساء : ٤/ ٣٦]

''یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے، شیخی خور کو پسند نہیں فرماتا۔''

فرمان نبوی ہے:

((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: اَلْمُسْبِلُ وَ الْمَنَّانُ وَ الْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ))

[مسلم : ١/ ٧١]

''تین آدمی ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ نہ کلام کرے گا نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ (کپڑا) لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کے ساتھ اپنا سامان بیچنے والا۔''

۲۔ کپڑا لٹکانے پر وعید عورتوں اور مردوں سب کے لیے ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث سے یہی بات سمجھی، چنانچہ ترمذی اور نسائی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں ساتھ ہی یہ الفاظ ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ عورتیں اپنے دامنوں کا کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک بالشت لٹکا لیا کریں۔'' انھوں نے عرض کیا کہ ''اس صورت میں ان کے پاؤں کھل جائیں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو ایک ہاتھ لٹکا لیں اس سے زیادہ نہ لٹکائیں۔'' ترمذی نے فرمایا: [حسن

صحیح، سنن ترمذی، اللباس]

اس سے معلوم ہوا کہ جو عورتیں کئی گز کپڑا اپنے پیچھے کھینچتے ہوئے چلتی ہیں، خصوصاً شادی کے موقع پر وہ بھی اس وعید میں شامل ہیں۔ یورپی اقوام میں اور ان کی دیکھا دیکھی مسلمانوں کی عورتوں میں بھی یہ رسم بدچل پڑی ہے کہ وہ شادی کے موقع پر کئی گز لمبا غرارہ پہنتی ہیں جو پیچھے گھسٹتا جاتا ہے اور بعض اوقات اسے کئی عورتوں نے اٹھا رکھا ہوتا ہے جو ساتھ ساتھ چلتی جاتی ہیں۔ نمود و نمائش اور کبر و نخوت کی ماری ہوئی یہ عورتیں بھی اللہ کی نگاہ لطف سے محروم ہیں۔ عورت مردوں کی طرح اپنے ٹخنے ننگے نہ رکھے بلکہ پاؤں کو چھپائے مگر ایک ہاتھ (دو بالشت) سے زیادہ کپڑا نہ جھکائے، بہتر یہ ہے کہ ایک بالشت ہی لٹکائے۔

۳۔ ''جس نے اپنا کپڑا تکبر کے ساتھ کھینچا'' سے معلوم ہوا کہ تکبر کے بغیر کسی کا کپڑا نیچے چلا جائے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں، چنانچہ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ (ﷺ!) میری چادر کا ایک کنارہ لٹک جاتا ہے سوائے اس کے کہ میں اس کا خاص خیال رکھوں۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلَاءَ)) ''تم ان لوگوں سے نہیں ہو جو یہ کام تکبر سے کرتے ہیں۔'' [بخاری : ۵۷۸٤]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَ ذٰلِكَ مِنْهُ)) ''سوائے اس کے کہ میں اس کا خیال رکھوں۔'' یعنی جب میں اس سے غافل ہو جاؤں تو وہ نیچے چلی جاتی ہے۔ احمد کے ہاں معمر عن زید بن اسلم کی روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا: ((إِنَّ إِزَارِيْ يَسْتَرْخِيْ أَحْيَانًا)) ''میری چادر کبھی کبھی نیچے ڈھلک جاتی ہے۔'' معلوم ہوتا ہے کہ چلنے یا بغیر ارادہ کے بغیر چادر کی گرہ کھل جاتی تھی جب خاص خیال رکھتے تو نہیں ڈھلکتی تھی کیونکہ جب بھی

ڈھلکنے لگتی اسے کس لیتے تھے۔ ابن سعد نے طلحہ بن عبیداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے روایت کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ((كَانَ أَبُو بَكْرٍ أَحْنَى لَا يَسْتَمْسِكُ إِزَارُهُ يَسْتَرْخِي عَنْ حَقْوَيْهِ)) "ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قد جھکا ہوا تھا اپنی چادر تھام نہیں سکتے تھے اور ان کے کولہوں سے ڈھلک جاتی تھی۔" [فتح الباري : ٢٦٦/١٠]

اب صاف ظاہر ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جان بوجھ کر چادر نہیں لٹکاتے تھے، کبھی کبھی بے توجہی ہو جاتی تو نیچے ڈھلک جاتی تھی، اس طرح اگر کسی کی چادر ڈھلک جائے تو نہ یہ تکبر ہے نہ اس پر مواخذہ ہے۔

۴۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کپڑا لٹکائے اور کہے کہ میں نے تکبر سے نہیں لٹکایا تو اس کی یہ بات درست نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی چادر کا مقام پنڈلی کا عضلہ (موٹا حصہ) مقرر فرمایا، اس کے بعد پنڈلی کا نصف مقرر فرمایا، زیادہ سے زیادہ ٹخنے کے اوپر تک رکھنے کی اجازت دی اور اس سے نیچے لٹکانا منع فرمایا۔ بطور دلیل چند احادیث درج کی جاتی ہیں۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَفِي النَّارِ)) [صحيح بخاري]

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چادر کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہے وہ آگ میں ہے۔"

((عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ : أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَضَلَةِ سَاقِي أَوْ سَاقِهِ فَقَالَ هَذَا مَوْضِعُ الْإِزَارِ فَإِنْ أَبَيْتَ فَأَسْفَلَ فَإِنْ أَبَيْتَ فَلَا حَقَّ لِلْإِزَارِ فِي الْكَعْبَيْنِ۔ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ)) [ترمذي، اللباس : ٤١]

"حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی یا اپنی پنڈلی کا عضلہ (موٹا حصہ) پکڑ کر فرمایا: "چادر کی جگہ یہ ہے اگر نہ مانو تو اس سے کچھ نیچے، اگر یہ بھی نہ مانو تو چادر کا ٹخنوں میں کوئی حق نہیں۔" (ابو عیسیٰ (ترمذی) نے فرمایا: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"
علاوہ ازیں یہ حدیث احمد، نسائی، ابن ماجہ میں بھی ہے اور دیکھیے صحیح الترمذی (۱۴۵۷)

ابو سعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْكَعْبَيْنِ مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ فَهُوَ فِي النَّارِ مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ)) [صحيح۔ مالك، أحمد، أبو داوٗد، ابن ماجه، ابن حبان، بيهقي، صحيح الجامع: ۹۲۱]

"مومن کے چادر باندھنے کی حالت نصف پنڈلی تک ہے اور اس کے اور ٹخنوں کے درمیان اس پر کوئی گناہ نہیں، جو ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہے، جو شخص تکبر سے اپنی چادر لٹکائے اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھے گا نہیں۔"

د۔ جان بوجھ کر چادر لٹکانا تکبر میں شامل ہے خواہ ایسا کرنے والا یہ کہے کہ میں نے اسے تکبر سے نہیں لٹکایا، جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کئی باتوں کے علاوہ ان سے فرمایا:

((وَارْفَعْ إِزَارَكَ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِلَى الْكَعْبَيْنِ وَ إِيَّاكَ وَ إِسْبَالَ الْإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيلَةِ وَ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيلَةَ)) [أبو داوٗد: ۴۰۸۴، نسائي، حاكم، صحيح أبي داوٗد: ۳۴۴۲]

''اور اپنی چادر نصف پنڈلی تک اونچی رکھو، اگر نہیں مانتے تو ٹخنوں تک اور چادر لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ یہ تکبر سے ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو یقیناً پسند نہیں فرماتا۔''

[اور دیکھیے صحیح ابی داود : ۳۴۴۲]

۶۔ اگر کوئی شخص اپنی پنڈلیاں ٹیڑھی یا باریک ہونے کی وجہ سے چادر لٹکائے تو یہ بھی ناجائز ہے:

((عَنِ الشَّرِيْدِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَبْصَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَجُرُّ إِزَارَهُ فَأَسْرَعَ إِلَيْهِ أَوْ هَرْوَلَ فَقَالَ : ارْفَعْ إِزَارَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ قَالَ إِنِّيْ أَحْنَفُ تَصْطَكُّ رُكْبَتَايَ فَقَالَ : ارْفَعْ إِزَارَكَ فَإِنَّ كُلَّ خَلْقِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ حَسَنٌ فَمَا رُءِيَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ بَعْدُ إِلَّا إِزَارُهُ يُصِيْبُ أَنْصَافَ سَاقَيْهِ أَوْ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ)) [مسند احمد : ۴/ ۳۹۰]

''شرید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنی چادر کھینچتا ہوا جا رہا تھا، آپ اس کی طرف جلدی سے گئے یا دوڑ کر گئے اور فرمایا: ''اپنی چادر اوپر اٹھاؤ اور اللہ سے ڈرو۔'' اس نے کہا: ''میرے پاؤں ٹیڑھے ہیں، میرے گھٹنے آپس میں رگڑ کھاتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''اپنی چادر اوپر اٹھاؤ کیونکہ اللہ عزوجل کی پیدا کی ہوئی ہر چیز ہی خوبصورت ہے۔'' تو اس کے بعد اس آدمی کو جب بھی دیکھا گیا اس کی چادر نصف پنڈلی پر ہوتی تھی۔''

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام راوی بخاری اور مسلم کے راوی ہیں۔ [سلسلة الاحادیث الصحیحة : ۱۴۴۱] اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اس صحابی کا چادر لٹکانا تکبر کی وجہ

سے نہیں تھا مگر رسول اللہ ﷺ نے اس لیے منع فرمایا کہ اس میں تکبر پائے جانے کا گمان ہو سکتا تھا۔

((عَنْ عَمْرِو بْنِ فُلَانٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ بَيْنَا هُوَ يَمْشِي قَدْ أَسْبَلَ إِزَارَهُ إِذْ لَحِقَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَدْ أَخَذَ بِنَاصِيَةِ نَفْسِهِ وَ هُوَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ عَبْدُكَ ابْنُ عَبْدِكَ ابْنُ أَمَتِكَ قَالَ عَمْرٌو فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! إِنِّي رَجُلٌ حَمْشُ السَّاقَيْنِ فَقَالَ يَا عَمْرُو! إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ يَا عَمْرُو! وَ ضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَرْبَعِ أَصَابِعَ مِنْ كَفِّهِ الْيُمْنَى تَحْتَ رُكْبَةِ عَمْرٍو فَقَالَ يَا عَمْرُو! هٰذَا مَوْضِعُ الْإِزَارِ ثُمَّ رَفَعَهَا ثُمَّ وَضَعَ تَحْتَ الثَّانِيَةِ فَقَالَ يَا عَمْرُو! هٰذَا مَوْضِعُ الْإِزَارِ)) [مسند أحمد : ٤/٢٠٠]

”عمرو بن فلان الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنی چادر لٹکائے ہوئے چل رہے تھے کہ انھیں رسول اللہ ﷺ آکر ملے، آپ ﷺ اپنی پیشانی کے بال پکڑے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے: ”اے اللہ! تیرا بندہ ہوں تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری بندی کا بیٹا ہوں۔“ (لٹکی ہوئی چادر سے ظاہر ہونے والے تکبر کی طرف توجہ دلانے کے لیے اپنی عاجزی کا اظہار فرما رہے تھے)۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (یہ سن کر) میں نے کہا: ”یا رسول اللہ (ﷺ)! میں پتلی پنڈلیوں والا آدمی ہوں۔“ (اس لیے چادر لٹکا رکھی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے عمرو! یقیناً اللہ عزوجل نے جو چیز پیدا کی ہے خوبصورت پیدا کی

ہے۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی دائیں ہتھیلی کی چار انگلیاں عمرو کے گھٹنے کے نیچے رکھ کر فرمایا: ''اے عمرو! یہ چادر کی جگہ ہے۔'' پھر انگلیاں اٹھا کر دوبارہ اس سے نیچے رکھیں اور فرمایا: ''اے عمرو! یہ چادر کی جگہ ہے۔''

یہ حدیث طبرانی نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور انھوں نے عمرو بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ چشم دید بیان کیا ہے۔ مسند احمد کی روایت جو اوپر بیان ہوئی ہے اس میں عمرو رضی اللہ عنہ نے خود اپنا واقعہ بیان کیا ہے مگر اس میں عمرو بن فلاں بیان ہوا ہے، یہ وہی عمرو بن زرارہ ہیں اور طبرانی نے خود عمرو بن زرارہ سے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ [فتح : ۱۰/۲۷۵]

۷۔ جو شخص جان بوجھ کر چادر یا شلوار ضرورت سے بڑی سلواتا ہے اور اسے ٹخنوں سے نیچے رکھتا ہے تکبر کے علاوہ اس کے ناجائز ہونے کی چند اور وجوہات بھی ہیں:

پہلی وجہ: اسراف (فضول خرچی) ہے جو کہ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا:

﴿ وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴾ [الأعراف: ۳۱/۷]

''اور فضول خرچی نہ کرو (وہ) فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ [الإسراء: ۱۷/ ۲۶۔ ۲۷]

''اور فضول خرچی نہ کرو، بلاشبہ فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکرا ہے۔''

دوسری وجہ: عورتوں سے مشابہت ہے جو اس میں اسراف سے بھی زیادہ نمایاں ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

راوی ہیں:

((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ الْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ وَالرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ)) [حاکم : ۴/ ۱۹۴]

''رسول اللہ ﷺ نے اس عورت پر لعنت فرمائی جو مرد کی طرح کا لباس پہنے اور اس مرد پر لعنت فرمائی جو عورت کا سا لباس پہنے۔''

حاکم نے فرمایا: ''یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔''

یہ بات واضح رہے کہ عورت اگر اپنے ٹخنے ننگے رکھے تو مرد سے مشابہت ہے اور مرد اپنے ٹخنے بند کر کے رکھے تو عورت سے مشابہت ہے۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ چادر لٹکانے والے کی چادر کے ساتھ کوئی نہ کوئی نجاست لگنے کا اندیشہ رہتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ [مدثر: ۴] ''اپنے کپڑے پاک رکھ۔''

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چادر لٹکانے سے منع فرماتے ہوئے ایک وجہ یہ بھی بیان فرمائی۔

صحیح بخاری میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مفصل واقعہ مذکور ہے۔ عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں: ''جب امیر المومنین کو پیٹ میں خنجر مارا گیا تو انھیں اٹھا کر گھر لایا گیا، ہم بھی ساتھ گئے، نبیذ لائی گئی۔ انھوں نے پی تو پیٹ سے نکل گئی پھر دودھ لایا گیا، آپ نے پیا تو زخم سے نکل گیا۔ تو یقین ہو گیا کہ آپ فوت ہو جائیں گے۔ اب ہم ان کے پاس داخل ہوئے اور لوگ بھی آنے اور ان کی تعریف کرنے لگے۔ ایک نوجوان آیا اس نے کہا: ''امیر المومنین! اللہ کی طرف سے خوشخبری کے ساتھ خوش ہو جایے، آپ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور اسلام میں پیش قدمی کی جو فضیلت ہوئی، آپ کو معلوم ہی ہے پھر آپ حاکم بنے تو عدل کیا پھر شہادت نصیب ہوئی۔''

فرمانے لگے: ''میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ یہ سب کچھ برابر برابر رہ جائے نہ مجھ پر (بوجھ) ہو نہ میرے لیے (کچھ) ہو۔'' جب وہ واپس جانے لگا تو اس کی چادر زمین پر لگ رہی تھی۔ فرمایا: ''اس نوجوان کو میرے پاس واپس لاؤ۔'' فرمایا:

((يَا ابْنَ أَخِيْ اِرْفَعْ ثَوْبَكَ فَإِنَّهُ أَنْقَى لِثَوْبِكَ وَ أَتْقَى لِرَبِّكَ))

''بھتیجے! اپنا کپڑا اوپر اٹھالو کیونکہ یہ تمھارے کپڑے کو زیادہ صاف رکھنے کا باعث ہے اور تمھارے پروردگار سے زیادہ ڈرنے کا باعث ہے۔'' [صحیح بخاری: ۳۷۰۰]

یہاں ان بھائیوں کو غور کرنا چاہیے جو ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کو معمول خیال کرتے ہیں کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اتنی تکلیف کی حالت میں بھی کپڑا لٹکانے سے منع فرمانا ضروری سمجھا ہے۔

۸۔ زیر بحث حدیث میں مذکور لفظ ((مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ ...... الخ)) سے صاف ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چادر لٹکانے سے ہی منع نہیں فرمایا بلکہ چادر، شلوار، قمیص کوئی بھی کپڑا ہو اسے لٹکانا منع ہے۔

دائیں ہاتھ سے کھانا پینا چاہیے

۱۳۶۸/۱۵۔ ((وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِيْنِهِ، وَ إِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَ يَشْرَبُ بِشِمَالِهِ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی

کھائے تو اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ کھائے اور جب پیے تو دائیں ہاتھ کے ساتھ پیے کیونکہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ کے ساتھ کھاتا ہے اور بائیں کے ساتھ پیتا ہے۔" (مسلم)

تخریج:

[مسلم، الاشربۃ : ۱۰۵ اور دیکھیے تحفۃ الاشراف ۶/۲۶۷، ۶/۱۴۰، ۵/۴۰۰]

فوائد:

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بائیں ہاتھ سے کھانا پینا حرام ہے، کیونکہ اس میں شیطان کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) [ابو داؤد، عن ابن عمر، اللباس : ۴ اور دیکھیے صحیح ابی داؤد : ۱/۳۴۰]

"جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے وہ انھیں میں سے ہے۔"

جب فاسق و فاجر لوگوں کی مشابہت حرام ہے تو شیطان کی مشابہت تو بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ربیب عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ((يَا غُلَامُ ! سَمِّ اللّٰهَ وَ كُلْ بِيَمِينِكَ وَ كُلْ مِمَّا يَلِيكَ)) "لڑکے! بسم اللہ پڑھو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا۔" [بخاری، الاطعمۃ : ۳]

ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس بائیں ہاتھ سے کھانے لگا تو آپ نے اس سے فرمایا: "دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔" اس نے کہا: "میں اس سے نہیں کھا سکتا۔" اس نے یہ بات صرف تکبر کی وجہ سے کہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نہ ہی کھا سکو۔" تو اس کے بعد وہ اپنا دایاں ہاتھ اپنے منہ

کی طرف نہیں اٹھا سکا۔ [مسلم عن سلمة بن الاكوع، الاشربة: ۱۰۷] اس حدیث کے مزید فوائد کے لیے دیکھیے اسی باب کی حدیث (۱۲)

کھانے پینے اور پہننے میں فضول خرچی اور تکبر جائز نہیں

۱۳۶۹/۱۶۔ «وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلْ وَاشْرَبْ وَ الْبَسْ وَ تَصَدَّقْ فِيْ غَيْرِ سَرَفٍ وَلَا مَخِيْلَةٍ»

[أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ أَحْمَدُ، وَ عَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ]

"عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کھا، پی، پہن اور صدقہ کر جس میں فضول خرچی نہ [illegible] نہ ہو۔"

[اسے ابوداؤد اور احمد نے روایت کیا اور بخاری نے اسے تعلیقاً (دانستہ سند حذف [illegible]) روایت کیا ہے]

تخریج:

[بخاری تعلیقاً، اللباس: ب ۱۔ احمد: ۱۸۱/۲، ۱۸۲، ابوداؤد]

مفردات:

سَرَفٌ اور إِسْرَافٌ کسی بھی قول یا فعل میں حد سے گزرنا، خرچ میں حد سے تجاوز کرنے میں یہ لفظ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مقتول کے وارثوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَلَا

﴿ يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ ﴾ "قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔" اور فرمایا: ﴿ كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ﴾ "کھاؤ، پیو اور حد سے نہ بڑھو۔" [فتح]

مَخِيلَةٌ مصدر میمی ہے بروزن مَفْعِلَةٌ خُيَلَاء کا ہم معنی یعنی تکبر، آدمی جب اپنے آپ میں کسی خوبی کا خیال جما لیتا ہے تو یہ بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ تخیل نفس میں کسی چیز کے خیال کی نقش بندی کو کہتے ہیں۔ (راغب)

فوائد:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے دنیا کی ہر طیب چیز حلال فرما دی ہے۔ کھانے کی ہو یا پینے کی، پہننے کی ہو یا رہنے کی یا کوئی سواری ہو۔ صرف وہ چیزیں حرام فرمائیں جو خبیث ہیں اور انسان کے جسم یا عقل یا مال یا عزت یا دین کے لیے نقصان دہ ہیں کیونکہ یہ پانچوں چیزیں انسان کی عزیز ترین متاع ہیں اور ان کی حفاظت ضروری ہے:

﴿ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ﴾ [الأعراف: ۱۵۷/۷]

"وہ پاکیزہ چیزیں ان کے لیے حلال کرتا ہے اور گندی چیزیں ان پر حرام کرتا ہے۔"

۲۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا کی ہر مباح چیز انسان استعمال کر سکتا ہے اور جتنی چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ فلاں تو کر سکتا ہے اور فلاں نہیں اور اتنی کر سکتا ہے اور اتنی نہیں۔

﴿ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ﴾ [البقرة: ۲۹/۲]

"وہی ذات ہے جس نے دنیا کی سب چیزیں تمھارے لیے بنائیں۔"

﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ﴾

[الأعراف: ۳۲/۷]

"تو کہہ جس زینت کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا، اس کو اور پاکیزہ رزق کو کس نے حرام کیا ہے۔"

۳۔ یہ حلال چیزیں اس وقت ناجائز ہوں گی جب وہ ضرورت کی حد سے تجاوز کر جائیں مثلاً اتنا کھانا یا پینا جو جسم کے لیے وبال بن جائے اور صحت کو نقصان پہنچائے یا کھانے پینے یا صدقہ کرنے میں اتنا خرچ کر دینا جو استطاعت سے زیادہ ہو پھر زیر بار ہو کر پریشان رہنا یا کھانے پینے، پہننے یا صدقہ کرنے میں نمود و نمائش اور لوگوں سے اونچا ہونے کا مقصد دل میں رکھنا، ان سب چیزوں سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔

۴۔ کھانے پینے کی حد جس سے گزرنا نہیں چاہیے، ترمذی کی ایک حدیث بیان ہوئی ہے مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنٍ بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَ ثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَ ثُلُثٌ لِنَفَسِهِ)) [ترمذی، الزھد ٤٧ ـ حدیث صحیح، دیکھیے صحیح الترمذی: ١٩٣٩]

"کسی آدمی نے کوئی برتن نہیں بھرا جو پیٹ سے زیادہ برا ہو۔ ابن آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں پس اگر اسے (زیادہ کھائے بغیر) کوئی چارہ ہی نہ ہو تو تیسرا حصہ کھانے کے لیے ہے اور تیسرا پینے کے لیے اور تیسرا سانس کے لیے۔"

اگر زیادہ دیر کا بھوکا پیاسا ہو تو زیادہ بھی کھا پی سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سخت بھوک کے بعد بار بار دودھ پینے کے لیے کہا یہاں تک کہ انھوں نے کہا: ((لَا وَالَّذِي

بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا)) ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس کے داخل ہونے کے لیے (پیٹ میں) کوئی جگہ نہیں پاتا۔'' [بخاری : ٦٤٥٢]

۵۔ لباس میں حد سے گزرنا یہ ہے کہ کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو یا ریشم کا ہو یا عورتوں کے مشابہ ہو یا اس میں کفار سے مشابہت ہو۔

٦۔ صدقہ میں اسراف کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴾

[الإسراء : ١٧/ ٢٩]

''اور نہ اپنے ہاتھ کو گردن کی طرف طوق سے بندھا ہوا بنالو اور نہ اسے پورا ہی کھول دو ورنہ اس حال میں بیٹھ رہو گے کہ ملامت کیے ہوئے تھک کر رہ جانے والے ہو گے۔''

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں صدقہ کے علاوہ کھانے پینے، پہننے اور دوسرے کاموں میں خرچ کی وہ حد بیان کی گئی ہے جس سے آدمی بڑھتا ہے تو اسراف میں داخل ہو جاتا ہے۔

بَابُ الْبِرِّ وَ الصِّلَةِ

نیکی اور (رشتہ داری) ملانے کا بیان

"اَلْبِرُّ" باء کے کسرہ کے ساتھ بہت زیادہ نیکی کرنا صدق "فرمانبرداری" کسی سے حسن سلوک خصوصاً ماں باپ کے ساتھ، عام طور پر ماں باپ سے حسن سلوک کو "بِرٌّ" کہتے ہیں، باء کے فتحہ کے ساتھ "بَرٌّ" بہت زیادہ نیکی کرنے والا، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ بہت زیادہ احسان کرتا ہے۔

یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ﴿وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ﴾ "ماں باپ کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کرنے والے تھے۔" اس کے مقابلے میں بدسلوکی، ایذا رسانی، خصوصاً والدین کی ایذا رسانی کو عقوق کہتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو عاق کہتے ہیں۔

صِلَةٌ، وَصَلَ يَصِلُ وَصْلاً کا مصدر ہے جس طرح وَعَدَ يَعِدُ کا مصدر وَعْدًا اور عِدَةٌ آتا ہے، اس کا لغوی معنی ملانا، پیوند لگانا، جوڑنا آتا ہے، یہاں اس سے مراد اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات درست رکھنا، ان پر خرچ کرنا اور ان سے میل جول قائم رکھنا، ان کی بے رخی کے باوجود ان سے احسان کرنا ہے، صلہ رحم کے مقابلے میں قطع رحم ہے۔

رشتہ داری قائم رکھنے کے فائدے

١٣٧٠/١۔ ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَ أَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ)) [أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کے نشان قدم (باقی رکھنے) میں دیر کی جائے وہ اپنی رشتہ داری کو ملائے۔'' (بخاری)

تخریج:

[بخاری، ۵۹۸۵۔ فتح الباری] میں ہے، ((مَنْ أَحَبَّ)) انس کی روایت ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ((مَنْ سَرَّهُ)) ہے۔

مفردات:

يُنْسَأُ باب مَنَعَ يَمْنَعُ سے ہے ''تاخیر کی جائے۔'' أَثَرِهِ قدموں کے نشان کو اثر کہتے ہیں، مراد یہ ہے کہ اس کی زندگی دیر تک باقی رہے، عمر میں اضافہ ہو جائے کیونکہ انسان کے قدموں کے نشان اسی وقت زمین پر لگتے ہیں جب تک وہ زندہ ہے، یا مراد یہ ہے کہ دنیا میں اس کی یادگاریں دیر تک باقی رہیں۔

رَحِمَهُ رَحِم اصل میں بچہ دانی کو کہتے ہیں، اس سے مراد وہ قرابت ہے جو شکم سے پیدا ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔

فوائد:

۱۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے رزق میں فراخی ہوتی ہے اور عمر بڑھتی ہے بعض لوگ اس

حدیث پر ایک سوال اٹھاتے ہیں کہ جب تقدیر میں رزق مقرر کر دیا گیا ہے اور وہ اتنا ہی ملے گا جتنا لکھ دیا گیا ہے، اسی طرح عمر بھی طے ہو چکی ہے:

﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ [الأعراف: ۷/ ۳۴]

"جب ان کا مقرر وقت آ گیا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہوں گے نہ پہلے۔"

تو رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے رزق میں فراخی اور عمر میں اضافہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں ہی رزق کی فراخی کے اسباب اور عمر بڑھنے کے اسباب بھی لکھ رکھے ہیں، مثلاً جو شخص محنت کرے گا، ہوش مندی اختیار کرے گا، اسے کھلا رزق ملے گا اور جو کاہلی اور سستی اختیار کرے گا، وہ تنگ دست ہو جائے گا۔ اسی طرح اچھا کھانا، اچھی آب و ہوا، اچھا ماحول انسان کو صحت مند رکھنے کے اسباب ہیں جن سے عمر بڑھتی ہے، خراب آب و ہوا، ناقص و ناموافق ماحول بیماری اور پریشانی کا باعث بنتا ہے جس سے عمر گھٹتی ہے۔

جس طرح رزق اور عمر میں اضافے کے یہ ظاہری اسباب ہیں اسی طرح اس کے کچھ روحانی اور ربانی اسباب بھی ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمائے ہیں۔ جو شخص اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا، اسے قلبی اطمینان، دلی مسرت اور اوقات عزیزہ میں برکت حاصل ہوگی، جو وہ کام کرے گا دلجمعی سے کرے گا، اس سے اس کے رزق میں فراخی ہوگی اور اطمینان قلب پر ہی صحت کا دارومدار ہے۔ جب صحت درست ہوگی تو عمر میں اضافہ ہوگا، اس کے برعکس جس کم نصیب کا اپنوں سے ہی مقاطعہ ہے وہ ہر وقت رنج و غم میں رہے گا، اپنے رشتہ داروں کو ہی نیچا دکھانے کی فکر میں رہے گا، یہ قطع تعلق نہ اسے دنیا کے کام کا چھوڑے گا نہ دین کے کام کا، طبیعت چڑچڑی اور قوتیں مضمحل ہو جائیں گی، اس کا نتیجہ کاروبار میں ناکامی اور پریشان کن بیماریوں

کی صورت میں ظاہر ہو گا جس سے رزق تنگ اور صحت برباد ہو جائے گی اور یہی چیزیں انسان کو موت سے قریب کر دیتی ہیں۔

اصل یہ ہے کہ تمام اسباب کو پیدا کرنے والے پروردگار کا یہ وعدہ ہے کہ جو شخص اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک رکھے گا، اس کے رزق میں فراخی اور اس کی عمر میں اضافہ ہو گا، جس طرح اس کا وعدہ ہے کہ جو شخص ایمان لائے گا اور عمل صالح کرے گا اسے جنت ملے گی، حالانکہ جنت میں جانے والوں اور جہنم میں جانے والوں کے نام تقدیر میں پہلے ہی لکھے جا چکے ہیں، مگر ایمان اور عمل صالح جنت میں جانے کا سبب ہے، اسی طرح صلہ رحم، فراخیٔ رزق اور درازیٔ عمر کا سبب ہے۔

ترمذی میں رسول اللہ ﷺ سے دوسری سند کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ((إِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ)) ''رشتہ داری کو ملانا گھر والوں میں محبت، مال میں ثروت اور نشان قدم میں تاخیر (عمر میں برکت) کا باعث ہے۔''

[ترمذی، البر ٤٩۔ صحیح الترمذی، ١٦٦٢]

۲۔ ((وَ يُنْسَأَ لَهُ فِيْ أَثَرِهِ)) اور اس کے نشان قدم میں تاخیر کی جائے۔ اس کے مفہوم میں کئی چیزیں شامل ہیں۔ پہلی تو یہ کہ صلہ رحمی کرنے والے شخص کی عمر میں حقیقی اضافہ ہو جاتا ہے، اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، دوسری یہ کہ اس کی عمر میں برکت ہوتی ہے، اس کے اوقات ضائع نہیں جاتے بلکہ اللہ تعالیٰ اسے عافیت کی نعمت سے نوازتے ہیں۔ تھوڑے وقت میں زیادہ نیکی کی توفیق دیتے ہیں حتیٰ کہ یہ تھوڑی عمر بہت لمبی عمر سے بھی اجر و ثواب حاصل کرنے میں بڑھ جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ قوموں کی بہت لمبی عمروں کے مقابلے میں اس امت کی عمر بہت تھوڑی رکھی مگر لیلۃ القدر کے ساتھ اس کمی کو پورا فرما دیا، بلکہ اس امت کا ثواب پہلی امتوں سے زیادہ کر دیا، حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ہزار برس عمر ملے مگر نیکی کی توفیق نہ ملے تو اس کی

عمر گھٹ گئی بلکہ برباد ہو گئی اور جس کو نیکی کی توفیق مل گئی، خواہ عمر تھوڑی بھی ہو اس کی عمر بڑھ گئی، کیونکہ اس کے کام آ گئی۔

تیسری یہ کہ اسے ایسے اعمال کی توفیق ملتی ہے کہ مرنے کے بعد بھی اسے ان کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور لوگ اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں، اس کی اچھی تعریف ہوتی رہتی ہے، گویا وہ مرنے کے بعد بھی نہیں مرتا، اس کے آثار باقی رہتے ہیں، مثلاً ایسا علم چھوڑ جائے جس سے لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے، صدقہ جاریہ، نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے، اس کی وفات رباط (جہاد میں پہرہ دینے کی حالت) میں آ جائے کہ قیامت تک اس کا اجر جاری رہے۔

۳۔ صلہ رحمی کا اصل اجر و ثواب تو قیامت کو ملے گا مگر دنیا میں بھی اس کے یہ فائدے رسول اللہ ﷺ نے بتائے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کے ذہن میں نیکی کرتے وقت آخرت کے اجر و ثواب کے ساتھ دنیا میں بھی اس عمل کا فائدہ پہنچنے کی نیت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ صدقہ کرنے سے دنیا میں بھی مال میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ جہنم سے بچنے کا ذریعہ بھی ہے، شرط یہ ہے کہ صرف دنیا ہی اس کا مقصود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝﴾ [البقرۃ : ۲/ ۲۰۰۔۲۰۲]

”تو لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں اور ان سے کوئی وہ ہے جو کہتا ہے اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب

سے بچا، انھی لوگوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو انھوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔"

رشتہ داری کو توڑنے والے کا انجام

۱۳۷۱/۲۔ ((وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ، يَعْنِي قَاطِعَ رَحِمٍ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

"جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت میں کاٹنے والا داخل نہیں ہوگا، یعنی رشتہ داری کاٹنے والا۔" (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری، ۵۹۸۴۔ مسلم، البر والصلۃ/۱۸۔ وغیرہما، دیکھیے تحفۃ الاشراف: ۲/ ۴۱۱]

فوائد:

۱۔ قرآن مجید میں قطع رحمی اور فساد فی الارض کرنے والوں کے لیے لعنت کی وعید ہے:

﴿ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾ [الرعد: ۱۳/ ۲۵]

"اور جن تعلقات کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انھیں توڑتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ﴾ [محمد: ۴۷/ ۲۲۔۲۳]

''پس تم سے اسی بات کی توقع ہے کہ اگر تم والی بن جاؤ تو زمین میں فساد کرو اور اپنے رشتے کاٹ دو، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی پس انھیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔''

۲۔ صلہ سے کون سی رشتہ داری مراد ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ رشتہ داری کے کئی مراتب ہیں۔

پہلا یہ کہ آپس میں ایسی رشتہ داری ہو جس سے باہمی نکاح حرام ہو جاتا ہے، یعنی ان دونوں میں سے ایک مرد اور ایک عورت ہو تو ان کا نکاح نہ ہو سکتا ہو، مثلاً چچا، پھوپھی اور ان کا بھتیجا، ماموں، خالہ اور ان کا بھانجا یہ ایسی قرابت ہے کہ اگر ان دونوں رشتہ داروں کو عورت فرض کیا جائے تو انھیں ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، اس کی مثال یہ ہے کہ عورت اور اس کی پھوپھی کو اور عورت اور اس کی خالہ کو دو بہنوں کی طرح ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، کیونکہ اس سے ان کے درمیان قطع رحم کا خطرہ ہے، جن رشتہ داروں کا باہمی نکاح ہو سکتا ہے مثلاً آدمی اور اس چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی اولاد، ان کے درمیان وہ رحم (رشتہ) نہیں جو سب سے نازک ہے اور جو ایک نکاح میں جمع کرنے سے اور طلاق یا خلع کی صورت میں ٹوٹ جاتا ہے۔

دوسرا یہ کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے ہوں صاف ظاہر ہے کہ جو قرابت وارث کو حاصل ہے غیر وارث کو حاصل نہیں ہوتی ورنہ اللہ تعالیٰ اسے بھی وارث بنا دیتا۔

تیسرا یہ کہ ان دونوں کے علاوہ کسی وجہ سے بھی قرابت حاصل ہو، ان میں سے سب سے زیادہ حق ماں کا پھر باپ کا اور پھر حسب مراتب دوسرے اقارب کا ہے کہ ان سے صلہ رحمی کی جائے اور اگرچہ صلہ رحمی تمام اقارب کا حق ہے مگر درجہ بدرجہ حق بڑھتا چلا جاتا ہے۔

۳۔ صلہ رحمی کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ آپس میں سلام وکلام کا سلسلہ قائم رہے اگر یہ بھی باقی نہ رہا تو صلہ رحمی کیسی؟ اس کے بعد اقارب کے احوال کی خبر گیری، مال و جان سے ان کی مدد اور غلطیوں سے درگزر، صلہ رحمی کی مختلف صورتیں ہیں۔

۴۔ وہ صلہ رحم جو اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے:

((لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيءِ وَلٰكِنْ الْوَاصِلَ الَّذِيْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا)) [بخاري: ۵۹۹۱]

"صلہ رحم کرنے والا شخص وہ نہیں جو برابر کا معاملہ کرتا ہے لیکن اصل صلہ رحم کرنے والا شخص وہ ہے کہ جب اس کی رشتہ داری قطع کی جائے تو وہ اسے ملائے۔"

۵۔ رشتہ داروں سے سلوک کے تین مرتبے ہیں:

صلہ رحم: رشتہ دار تعلقات منقطع کر دیں تو ان سے ملائے اور حسن سلوک کرے۔

مکافات: رشتہ دار اچھا سلوک کریں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

قطع رحم: رشتہ داروں سے تعلق قطع کرلے خواہ ان کے برا سلوک کرنے کی وجہ سے کرے خواہ ان کی طرف سے اچھا سلوک ہونے کے باوجود تعلقات منقطع کرے، بہرحال اگر ان کی طرف سے اچھا سلوک ہونے کے بعد برا سلوک کرتا ہے اور ناتا توڑ لیتا ہے تو یہ قطع رحم کی بدترین صورت ہے، دونوں جانب سے قطع تعلق ہو تو بدترین وہ ہے جو قطع تعلق میں ابتدا کرتا ہے۔

د۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا کہ میرے کچھ رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں انہیں ملاتا ہوں وہ مجھ سے قطع کرتے ہیں، میں ان سے احسان کرتا ہوں وہ مجھ سے بدسلوکی کرتے ہیں، میں ان سے حلم اختیار کرتا ہوں وہ مجھ پر جہالت کرتے ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ وَ لَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ ظَهِيرٌ مَا دُمْتَ عَلَى ذٰلِكَ)) [مسلم، البر ۲۲]

''اگر ایسے ہی ہے جس طرح تم کہہ رہے ہو تو گویا کہ تم ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہے ہو اور جب تک اس عمل پر قائم رہو گے، ہمیشہ ان کے مقابلے میں اللہ کی طرف سے ایک مددگار تمھارے ساتھ رہے گا۔'' (مسلم)

۷۔ ''قاطع رحم جنت میں نہیں جائے گا'' کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سننے کے بعد بھی کہ قطع رحم حرام ہے، اسے حلال سمجھتا ہے وہ کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال سمجھنے والا مسلمان ہی نہیں رہتا۔

اور جو شخص اسے حلال نہیں سمجھتا بلکہ حرام ہی سمجھتا ہے مگر کسی وجہ سے اس گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے وہ ان خوش نصیبوں میں نہیں ہوگا جو ابتدا ہی میں جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ یہ مطلب اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب مومن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے۔

والدہ کی ایذا رسانی حرام ہے

۱۳۷۲/۳۔ ((وَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ، وَ وَأْدَ الْبَنَاتِ وَ مَنْعًا وَهَاتِ وَ كَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَ قَالَ وَ كَثْرَةَ السُّؤَالِ وَ إِضَاعَةَ الْمَالِ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' بے شک اللہ تعالیٰ

نے تم پر حرام کر دیا ہے، ماؤں کو ستانا اور بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا اور (خود) کچھ نہ دینا اور (دوسروں سے کہنا) لا مجھے دے اور تمہارے لیے ناپسند کیا (یہ کہنا کہ) یہ کہا گیا اور فلاں نے کہا اور زیادہ سوال کرنا اور مال ضائع کرنا۔" (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاري : ٥٩٧٥ ـ مسلم، الأقضية : ١٢]

مفردات:

عُقُوْقٌ مصدر ہے جو کہ بِرٌّ کی ضد ہے۔ ((بِرُّ الْوَالِدَيْنِ)) والدین سے اچھا سلوک ((عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ)) والدین کا دل دکھانا، بدسلوکی کرنا۔ عَقٌّ کا لفظی معنی قطع کرنا ہے۔

اَلْأُمَّهَاتُ، اُمَّهَةٌ کی جمع ہے، اُمٌّ (ماں) کو اُمَّهَةٌ بھی کہتے ہیں اُمٌّ کی جمع اُمَّاتٌ ہے۔ جمع کے صیغے میں یہ فرق ہے کہ امہات صرف ذوی العقول کے لیے آتا ہے جبکہ امات غیر ذوی العقول کے لیے، کبھی کبھی اس کا الٹ بھی ہو جاتا ہے۔ (لسان العرب)

مَنْعًا: اپنے ذمے جو چیزیں لازم ہیں ادا نہ کرنا، مثلاً حسن سلوک وغیرہ۔

هَاتِ: فعل امر بمعنی آتِ یعنی لا دے، بعض کہتے ہیں کہ آتِ کے ہمزہ کو ہاء سے بدل دیا ہے: آتی یُؤْتِیْ "دینا" یعنی دوسروں کے حقوق ادا نہ کرنا اور اپنے لیے ہر چیز کا مطالبہ کرتے چلے جانا۔

فوائد:

۱۔ اس حدیث میں والدہ کے دل دکھانے کا ذکر خاص طور پر کیا ہے، حالانکہ ماں باپ دونوں سے ساتھ ہی احسان کا حکم ہے اور والد کا دل دکھانا بھی حرام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں کا حق

باپ سے زیادہ ہے، کیونکہ وہ اولاد کی مشقت زیادہ اٹھاتی ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ﴾ [لقمان: ۳۱/۱۴]

"اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق وصیت کی، اس کی ماں نے کمزوری در کمزوری کی حالت میں اسے اٹھایا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر، میری طرف ہی پلٹ کر آنا ہے۔"

صحیحین کی ایک حدیث میں آپ نے تین دفعہ ماں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی چوتھی دفعہ باپ کا ذکر فرمایا۔ ماں کا ذکر خاص طور پر اس لیے بھی کیا کہ کمزور ہونے کی وجہ سے اولاد اسے زیادہ ستاتی ہے۔

● عقوق سے مراد اولاد کا ہر وہ قول یا فعل ہے جس سے ماں باپ کو تکلیف ہوتی ہو بشرطیکہ وہ بھی ضد میں نہ آئے ہوئے ہوں، اگر ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ﴾ [الاسراء: ۱۷/۲۵]

"تمھارا رب اس چیز کو خوب جانتا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے، اگر تم صالح ہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔"

اسی طرح شرک یا اللہ کی نافرمانی سے بچنے میں والدین کی ناراضگی کی پروا نہیں کی جائے گی:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ))

"خالق کی نافرمانی میں مخلوق کا حکم ماننا جائز نہیں۔" [شرح السنة: ۱۰/۴۴، حدیث: ۲۴۵۵]

۳۔ ((وَوَأْدَ الْبَنَاتِ)) اہل جاہلیت عام طور پر بیٹیوں کو اس لیے زندہ درگور کر دیتے تھے کہ جنگ میں دشمن کے ہاتھ نہ آ جائیں اور اس لیے بھی کہ لڑکے تو کمائیں گے، جنگ میں معاون بنیں گے، لڑکیاں تو بوجھ ہی بوجھ ہیں، کئی لوگ فقر کے ڈر سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ﴾

''اپنی اولاد کو فقیری کے ڈر سے قتل مت کرو۔''

قدیم جاہلیت میں یہ کام انفرادی طور پر ہوتا تھا، جدید جاہلیت میں حکومتیں منظم طریقے سے یہ کام کر رہی ہیں مثلاً چین کے دہریوں نے دو بچوں سے زائد بچے پیدا کرنے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ اگر کسی عورت کے ہاں تیسرا بچہ پیدا ہو جائے تو زچہ خانے میں ہی حکومت کی مقرر کردہ نرسیں اور ڈاکٹر اسے زہر کا ٹیکہ لگا کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ امریکہ اور دوسرے کافر ملک مسلمان ممالک میں بھی یہ قانون نافذ کروانے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں، ابھی تک ترغیب و تحریص سے کام لیا جا رہا ہے اگلا قدم جبر کا ہوگا۔ افسوس کہ مسلمان حکمران بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھنے اور اس کو رزاق سمجھنے کی بجائے اپنے آپ کو رزق کے ٹھیکے دار سمجھ کر مسلمانوں کی نسل کشی کے درپے ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

۴۔ وَ مَنْعًا وَ هَاتِ خود کسی کو کچھ نہ دینا اور دوسروں سے ہر چیز کا تقاضا کرتے چلے جانا۔ جس طرح پیروں کا لطیفہ مشہور ہے کہ ''تم آؤ گے تو کیا لاؤ گے اور ہم آئیں گے تو کیا کھلاؤ گے۔'' یہ نہایت پست کی بات ہے۔

۵۔ قِيْلَ وَ قَالَ یہ کہا گیا اور فلاں نے کہا۔ اس صورت میں یہ فعل ماضی مجہول اور معروف کے

صیغے ہیں۔ یہ دونوں لفظ اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں۔ قُلْتُ قَوْلًا وَ قِيْلًا وَ قَالًا میں نے بات کہی بعض اوقات قِيْلَ وَ قَالَ فعل کے لفظ سے استعمال ہوتا ہے، مگر مراد اسم ہوتا ہے۔

٦۔ تمھارے لیے قِيْلَ وَ قَالَ کو ناپسند کیا، اس میں کئی چیزیں شامل ہیں:

(ا) لوگوں کے متعلق سنی سنائی باتیں بلا تحقیق آگے پہنچانا یا تحقیق کر کے دوسروں کو سناتے رہنا، پہلی صورت میں جھوٹ اور بہتان کا مرتکب ہوگا، دوسری صورت میں غیبت اور چغلی کا ارتکاب کرے گا کیونکہ عموماً لوگ پسند نہیں کرتے کہ ان کے متعلق بات کی جائے۔

(ب) لوگوں کے عیوب اور کمزوریاں بیان کرتے چلے جانے سے انسان اپنی حالت سے بے پروا ہو جاتا ہے، اس لیے قیل وقال کو ناپسند فرمایا۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ قَالَ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ)) "جو کہے کہ لوگ برباد ہوگئے وہ ان سب سے زیادہ برباد ہے۔" [مسلم، البر: ١٣٩]

(ج) دین کے بارے میں لوگوں کے اختلاف کو بیان کرتے چلے جانا، فلاں امام نے یہ کہا، فلاں نے یہ بعض علماء یوں فرماتے ہیں یا ایک قول یہ بھی ہے وغیرہ وغیرہ اور پختہ اور اصل بات کا فیصلہ نہ کرنا۔ اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے ساتھ دوسروں کے اقوال ذکر کرنا مسلمان کو زیب ہی نہیں دیتا خصوصاً جب وہ کتاب وسنت کے خلاف ہوں اس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی سبکی ہوتی ہے:

دَعُوْا كُلَّ قَوْلٍ عِنْدَ قَوْلِ مُحَمَّدٍ
فَمَا آمِنٌ فِيْ دِيْنِهٖ كَمُخَاطِرٖ

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے سامنے ہر بات چھوڑ دو، کیونکہ اپنے دین میں امن والا آدمی اس

شخص کی طرح نہیں جو خطرے میں پڑا ہوا ہے۔"

ہاں اگر رد کے لیے ایسے اقوال ذکر کیے جائیں تو کوئی حرج نہیں مگر وہ قیل قال نہیں ہوگا، بلکہ قیل وقال کا رد ہوگا۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ قیل وقال سننے والا پریشان ہو جاتا ہے کہ میں ان اقوال میں سے کون سا قول اختیار کروں اور آخر کار دین سے ہی منحرف ہو جاتا ہے۔

تیسرا یہ کہ جب انسان زیادہ قیل وقال ذکر کرتا ہے تو بہت سی باتیں بغیر تحقیق کر جاتا ہے، جس سے اس کا شمار جھوٹے لوگوں میں ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ))

[مقدمه صحيح مسلم]

"آدمی کو جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جو کچھ سنے آگے بیان کر دے۔"

چوتھی یہ کہ قیل وقال میں بہت سی باتیں ایسی کرے گا جن کا اسے نہ دین میں کوئی فائدہ ہے نہ دنیا میں، اس لیے زیادہ باتیں کرنا ہے ہی نامناسب۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ [المؤمنون : ۲۳/۳]

"اور (ایمان والے وہ ہیں) جو بے فائدہ باتوں سے روگرداں رہتے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ))

"یہ بات آدمی کے اسلام کے حسن میں سے ہے کہ وہ بے مقصد چیزیں چھوڑ دے۔"

۷۔ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ اس میں بھی کئی چیزیں شامل ہیں:

(ا) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سوال کرنا اس لیے منع تھا کہ ایسا نہ ہو کہ کسی سوال کرنے سے مسلمانوں کے لیے وہ چیزیں حرام ہو جائیں جو سکوت کی وجہ سے جائز تھیں:

﴿ لَا تَسْئَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ﴾ [المائدة: ۵/۱۰۱]

"ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر تمھارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بری لگیں۔"

(ب) بلا ضرورت لوگوں کے حالات کی جستجو کرنا، ان کے ذاتی معاملات کے متعلق پوچھنا خواہ مخواہ کا تجسس ناپسندیدہ عمل ہے۔

(ج) ایسے سوال کرنا جن کا وجود ہی نہیں محض فرضی صورتیں ہیں یا ابھی تک وجود میں نہیں آئیں سلف صالحین اسے سخت ناپسند فرماتے تھے، مثلاً بعض رائے پرستوں نے سوال پیدا کیا کہ اگر کتے نے بکری سے جفتی کی اور بچہ مشترک پیدا ہوا تو حلال ہے یا حرام؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ دیکھنا چاہیے گوشت اور گھاس سامنے رکھ کر اگر گھاس کھاتا ہے تو حلال ہے، گوشت کھاتا ہے تو حرام۔ اگر دونوں کھائے تو اس کو مارا جائے گا اگر بھونکے تو کتے کے حکم میں ہے ورنہ بکری کے اگر دونوں آوازیں کرتا ہو تو ذبح کیا جائے اگر اوجھری نکلے تو کھایا جائے ورنہ نہیں۔

ان لوگوں کو محض سوال پیدا کرنے اور ان کا جواب گھڑنے سے غرض تھی، یہ نہیں کہ کہیں ایسا ہوا بھی ہے یا ہو سکتا بھی ہے؟ بتایئے! کتے اور بکری کی جفتی سے پیدا ہونے والا جانور کہاں پایا جاتا ہے؟

(د) علماء کو پھنسانے اور نیچا دکھانے کے لیے سوال کرنا اکرام مسلم کے خلاف ہے اور اکرام علم کے بھی۔

(ہ) لوگوں سے مال یا دوسری چیزیں مانگنا، رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ سے بیعت لی کہ تم لوگوں

سے کسی چیز کا سوال نہیں کرو گے۔ ان میں سے کئی حضرات نے اس عہد کی اتنی پابندی کی کہ اگر گھوڑے سے ان کا کوڑا گر پڑتا تو کسی کو پکڑانے کے لیے نہ کہتے بلکہ خود اتر کر پکڑتے اور دوبارہ سوار ہو جاتے۔[مسلم حدیث : ۱۰۴۳]

۸۔ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ مال ضائع کرنا، ناجائز جگہوں میں خرچ کرنا یا اپنی حیثیت یا موقع کی مناسبت سے بڑھ کر خرچ کرنا مال کو ضائع کرنا ہے۔

اللہ کی رضا ماں باپ کی رضا میں ہے

۱۳۷۳/۴۔ ((وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((رِضَى اللّٰهِ فِي رِضَى الْوَالِدَيْنِ، وَسَخَطُ اللّٰهِ فِي سَخَطِ الْوَالِدَيْنِ))
[أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ۔ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ]

''عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا راضی ہونا ماں باپ کے راضی ہونے میں ہے اور اللہ کا ناراض ہونا ماں باپ کے ناراض ہونے میں ہے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

تخریج:

[صحیح ترمذی : ۱۸۹۹۔ ابن حبان : ۴۵۹/۲۔ حاکم : ۱۵۲/۴۔ شیخ ناصر الدین الالبانی نے سلسلة الاحادیث الصحیحة : ۵۱۶] میں اس کی تخریج و تصحیح پر مفصل بحث کی ہے۔

مفردات:

رِضَا، رَضِيَ عَنْهُ وَ عَلَيْهِ يَرْضَى رِضًا عَلِمَ يَعْلَمُ کا مصدر ہے، بکسر راء، بفتح واوی، "سَخَطٌ"، قُفْلٌ، عُنُقٌ اور جَبَلٌ کے وزن پر، سُخْطٌ، سُخُطٌ اور سَخَطٌ پڑھا جاتا ہے، عَلِمَ يَعْلَمُ کا مصدر ہے۔

فوائد:

1. اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کو راضی کرنا فرض ہے اور انھیں ناراض کرنا حرام، کیونکہ ان کی رضا میں اللہ کی رضا اور ان کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے حق کے ساتھ والدین کا حق ملا کر ذکر فرمایا ہے:

﴿ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ﴾ [لقمان: ١٤]

"میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ﴾ [الإسراء: ١٧/ ٢٣]

"اور تیرے رب نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔"

2. والدین کے ساتھ حسن سلوک کی فرضیت میں بہت سی احادیث ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(1) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

«رَغِمَ أَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ»

[مسلم عن أبی هریرة، البر : ۹]

''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے پھر اس کی ناک خاک آلود ہو پھر اس کی ناک خاک آلود ہو، جس نے اپنے ماں باپ دونوں کو یا ایک کو بڑھاپے میں پایا پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔''

(ب) ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے۔'' فرمایا: ((اَلصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا)) ''وقت پر نماز۔'' پوچھا: ''پھر کون سا؟'' فرمایا: ((بِرُّ الْوَالِدَيْنِ)) ''والدین سے حسن سلوک۔'' پوچھا: ''پھر کون سا؟'' فرمایا: ((اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔'' (متفق علیہ)

(ج) ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہیں اکبر الکبائر نہ بتاؤں؟'' تین دفعہ فرمایا، ہم نے عرض کیا: ''کیوں نہیں یا رسول اللہ!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ)) ''اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کو ستانا۔'' [صحیح بخاری : ۵۹۷۶]

۳۔ والدین کا حکم صرف اسی وقت مانا جائے گا جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ ہو، اگر اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو تو والدین کا حکم نہیں مانا جائے گا، مثلاً والدین ایسا کام کرنے کا حکم دیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا، ایسے کام سے روکیں جو اللہ نے ہر ایک پر فرض کیا ہے تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا طَاعَةَ فِیْ مَعْصِيَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِیْ مَعْرُوْفٍ)) [متفق علیه مشکوٰة، کتاب الامارة]

''اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں اطاعت صرف معروف میں ہے۔''

خصوصاً اگر وہ شرک کرنے کا حکم دیں تو ان کی اطاعت جائز نہیں:

﴿ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾

[لقمان: ۳۱/۱۵]

''اور اگر تیرے ماں باپ تجھ پر زور کریں کہ میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھ کو علم نہیں تو تو ان کا کہنا مان۔''

۳۔ نواب صدیق خان رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا: ''خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی معصیت کا ارتکاب ہوتا ہو یا وہ چیز ترک کرنی پڑتی ہو جو فرض عین ہو یعنی ہر ایک شخص پر فرض ہو تو والدین کی اطاعت نہیں کی جائے گی، ان کی اطاعت صرف ان چیزوں میں ہے جو مباح ہیں۔''

شرح اقناع میں فرمایا: ''والدین اگر کوئی فرض چھوڑنے کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہیں ہوگی، مثلاً ان چیزوں کا علم حاصل کرنا جو آدمی پر فرض ہیں اور جن سے دین قائم رہتا ہے جیسا کہ طہارت، صلاۃ، صیام وغیرہ، (کیونکہ ان فرائض کی ادائیگی ان کے علم کے بغیر ممکن نہیں) اگر یہ علم اپنے شہر میں حاصل نہ ہو سکے تو ان کی اجازت کے بغیر سفر کر سکتا ہے کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی بات نہیں مانی جائے گی۔'' (بحوالہ توضیح الاحکام) کفار کے ساتھ لڑنے کی تربیت حاصل کرنا اور لڑائی کی تیاری کرنا بھی فرض ہے، کیونکہ یہ تیاری نہ کرنا منافقین کا کام ہے:

﴿ وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً ﴾ [التوبة: ۹/۴۶]

''اور اگر یہ (جنگ کے لیے) نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کوئی نہ کوئی تیاری ضرور کرتے۔''

اگر اپنے شہر میں یہ تیاری ممکن نہ ہو تو سفر کے لیے والدین کی اجازت کی کوئی شرط نہیں اور اگر ... منع کریں تو ان کی بات ماننا جائز نہیں۔

۵۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے جہاد کے لیے اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تمھارے ماں باپ زندہ ہیں؟" اس نے کہا: "جی ہاں!" آپ نے فرمایا: "تو انھی میں جہاد کر۔" [البخاري، الجهاد: باب ١٣٨]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب باندھا ہے: ((اَلْجِهَادُ بِاِذْنِ الْاَبَوَيْنِ)) "ماں باپ کی اجازت کے ساتھ جہاد۔" اس کی شرح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جمہور علماء فرماتے ہیں جب ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک منع کر دے تو جہاد حرام ہے، بشرطیکہ وہ دونوں مسلمان ہوں، کیونکہ ان سے حسن سلوک اس پر فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے البتہ جب جہاد فرض عین ہو جائے تو کوئی اجازت نہیں لی جائے گی۔ [فتح الباري، حديث: ٣٠٠٤]

٦۔ جب جہاد فرض عین ہو جائے اس وقت اگر کوئی شخص ماں باپ کے کہنے کی وجہ سے جہاد پر نہ جائے تو اللہ کے عذاب کا خطرہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ [التوبة: ٩/ ٢٤]

"کہہ دیجیے! اگر تمھارے باپ، تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں، تمھارے خاندان، تمھارے مال جو تم نے کمائے ہیں، وہ کاروبار جس کے مندے سے تم ڈرتے ہو اور وہ رہائش گاہیں جنھیں تم پسند کرتے ہو (اگر یہ سب چیزیں) تمھیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب) لے آئے اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

۷۔ مندرجہ ذیل صورتوں میں جہاد فرض عین ہو جاتا ہے:

(ا) جب دشمن مسلمانوں کی سرزمین پر حملہ یا قبضہ کر لے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر قرطبی مسئلہ رابعہ آیت ۴۱ سورت توبہ)

(ب) جب امیر کسی گروہ یا خاص شخص کو نکلنے کا حکم دے دے: ((وَ إِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا))
[بخاری : ۲۸۲۵] ''جب تمہیں نکلنے کا حکم دیا جائے تو نکلو۔''

(ج) جب کوئی شخص میدان میں ہو اور لڑائی شروع ہو جائے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴾
[الأنفال : ۱۵/۸]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم ان لوگوں سے لڑائی کی مڈ بھیڑ میں ملو جو کافر ہیں تو ان سے پیٹھ مت پھیرو۔''

مسلم بھائی کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرو

۱۳۷۴/۵۔ ((وَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ : وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِجَارِهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ اپنے ہمسائے کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔'' (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری : ۱۳۔ مسلم : الایمان ۷۲] یہ حدیث مسلم میں ((حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ أَوْ قَالَ لِجَارِهٖ)) شک کے ساتھ ہے یعنی بھائی کے لیے یا فرمایا کہ ہمسائے کے لیے۔ صحیح بخاری میں شک کے بغیر ((حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ)) کے الفاظ ہیں یعنی ''اپنے بھائی کے لیے پسند کرے۔''

ابونعیم نے المستخرج میں ابراہیم الحربی کے طریق سے مسدد سے روایت کی ہے (جو کہ حدیث میں بخاری کے شیخ ہیں) وہ یحییٰ القطان سے، وہ حسین المعلم سے (وہ قتادہ سے، وہ انس سے) روایت کرتے ہیں اس میں یہ لفظ ہیں: ((لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی لِأَخِیْهِ وَلِجَارِهٖ)) ''یعنی اپنے بھائی اور اپنے ہمسائے کے لیے پسند کرے۔''

اسماعیلی نے روح کے طریق سے حسین سے یہ لفظ روایت کیے ہیں: ((حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ الْمُسْلِمِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ مِنَ الْخَیْرِ)) ''یعنی اپنے مسلم بھائی کے لیے وہ خیر پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔'' اور پسند کرنے سے مراد خیر پسند کرنا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ بھائی سے مراد مسلم بھائی ہے۔ (فتح الباری)

فوائد:

۱۔ ''مومن نہیں ہوتا'' سے مراد اس حدیث میں یہ ہے کہ کامل مومن نہیں ہوتا۔ جس طرح کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص تو انسان ہی نہیں، کیونکہ دوسری آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چند اوصاف کے علاوہ کسی ایک وصف کی کمی سے کوئی شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

۲۔ اس حدیث میں مسلم بھائی اور ہمسائے کے لیے وہی چیز پسند کرنے کو ضروری قرار دیا گیا جو آدمی

خود اپنے لیے پسند کرتا ہو، ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ بعض اوقات یہ چیز مشکل بلکہ ناممکن معلوم ہوتی ہے، حالانکہ اگر آدمی اس بات کو محبوب رکھے کہ یہ نعمت جس طرح مجھے ملی ہے میری نعمت میں کمی کے بغیر میرے بھائی کو بھی مل جائے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل کیا ہے میرے بھائی پر بھی فضل کر دے تو یہ چیز کچھ مشکل نہیں ہے مگر یہ مقام انہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو قلب سلیم رکھتے ہیں، دھوکے، حسد اور کینے سے بھرے ہوئے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو عافیت میں رکھے۔ (نووی)

اسی طرح یہ مقام متواضع لوگ حاصل کرتے ہیں، ہر چیز میں دوسروں پر اونچا رہنے کے خواہش مند یہ مقام حاصل نہیں کر سکتے:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ [القصص : ۲۸/ ۸۳]

''یہ آخری گھر ہم ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو زمین میں نہ بلندی کا ارادہ رکھتے ہیں نہ فساد کا اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔''

سب سے بڑے گناہ

۶/ ۱۳۷۵ ـ ((وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ؟ قَالَ : أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ، قُلْتُ : ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ : أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ، قُلْتُ : ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: أَنْ تُزَانِيَ

بِحَلِيلَةِ جَارِكَ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: ''کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کہ تو اللہ کے لیے شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔'' میں نے کہا: ''پھر کون سا؟'' فرمایا: ''یہ کہ تو اپنے بچے کو قتل کرے اس ڈر سے کہ تیرے ساتھ کھائے گا۔'' میں نے کہا: ''پھر کون سا؟ فرمایا: ''یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی کے ساتھ باہم بدکاری کرے۔'' (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری : ٦٨٦١۔ مسلم، الایمان : ١٤٢ وغیرھما۔ دیکھیے۔تحفة الاشراف : ٧/٤٢۔ ٧/٥٨]

فوائد:

۱۔ سب گناہوں سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا ہے۔ انسان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ ایسے لوگوں کو شریک اور برابر ٹھہرائے جنھوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا: ﴿ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ [البقرة : ٢٢] ''پس تم دیدہ دانستہ اللہ کے لیے شریک نہ بناؤ۔''

یہ اللہ کی غیرت کو چیلنج ہے اور اتنا بڑا گناہ ہے کہ دوسرے گناہ اگر اللہ چاہے تو بخش دے مگر اسے ہرگز معاف نہیں کرے گا :

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ﴾ [النساء : ١١٦،٤]

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش

دیتا ہے۔''

اور یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر انبیاء بھی اس کا ارتکاب کر بیٹھیں تو ان کے تمام اعمال برباد ہو جائیں:

﴿ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ [الزمر: ۳۹/ ۶۵]

''اور یقیناً وحی کی گئی آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرا عمل ضرور ہی ضائع ہو جائے گا اور تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔''

۲۔ شرک کے بعد قتل ناحق اور اس کے بعد زنا کبیرہ گناہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ﴾ [الفرقان: ۲۵/ ۶۸]

''اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ ہی اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ زنا کرتے ہیں۔''

قتل ناحق اس وقت قباحت میں کئی گنا بڑھ جاتا ہے، جب کوئی شخص اپنے ہی بچے کو اس خطرے سے قتل کر دے کہ وہ اس کے ساتھ کھائے گا اور اللہ کے وعدے پر بھی یقین نہ کرے۔

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ﴾

[الاسراء: ۱۷/ ۳۱]

''اپنی اولاد کو فقیری کے ڈر سے قتل مت کرو ہم انھیں اور تمھیں رزق دیتے ہیں۔''

ایک قتل ناحق، دوسرا اپنے لخت جگر کا قتل اور قطع رحم، تیسرا اللہ کے وعدے کی تکذیب اور اس پر بدظنی۔

۳۔ زنا کے متعلق اللہ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴾ [الاسراء: ۱۷/ ۳۲]

''اور زنا کے قریب نہ جاؤ یقیناً وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔''

زنا کی قباحت اس وقت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، جب کوئی شخص اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے کیونکہ ہمسایہ کا حق تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ احسان کیا جائے۔ اس کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی جائے لیکن اس کے برعکس جب ہمسایہ ہی اپنے ہمسائے کی عزت برباد کرے، اس کی بیوی کو خاوند کے خلاف اپنی طرف مائل کرے، اس کا گھر اجاڑنے کے درپے ہو جائے تو یہ زنا کے ساتھ کئی جرائم ملنے کی وجہ سے بہت بڑا گناہ بن جاتا ہے۔

۴۔ أَنْ تُزَانِيَ۔ باب مفاعلہ سے ہے، اس میں مشارکت ہوتی ہے یعنی ہمسائے کی بیوی بھی اس گناہ میں شریک ہو، اس کی رضامندی کے ساتھ برائی کرے گی تو خاوند سے اس کی وفا ختم ہو جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا گھر اجڑ جائے گا۔

۵۔ حَلِيْلَةَ جَارِكَ ہمسائے کی بیوی کو حَلِيْلَةَ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے خاوند کے لیے حلال ہوتی ہے، مقصد یہ احساس دلانا ہے کہ وہ اپنے خاوند کے لیے حلال ہے تمھارے لیے حلال نہیں۔

ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے

۱۳۷۶/ ۷۔ ((وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قِيْلَ: وَهَلْ يَسُبُّ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ نَعَمْ،

يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ))
[مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ آدمی کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا ہے؟'' کہا گیا: ''اور کیا آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دیتا ہے؟'' فرمایا: ''ہاں! کسی آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ آدمی اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔'' (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری، الادب، باب لا یسب الرجل والدیہ: ۱۰/ ۴۰۳۔ مسلم، الایمان: ۱۴۶ وغیرھما]

فوائد:

۱۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے والدین کو ''اف'' تک کہنے اور جھڑکنے سے منع فرمایا:

﴿ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ ﴾ [الاسراء: ۱۷/ ۲۳]

''تم ان کو ''اف'' تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان کو عزت سے مخاطب کرو۔''

گالی دینا تو بہت دور کی بات ہے۔

۲۔ والدین کو اگرچہ گالی نہ دے اور نہ ہی تکلیف دے مگر ایسا کام کرے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ کوئی انھیں گالی دے یا تکلیف پہنچائے تو یہ حرام ہے۔

۳۔ جس کام کے نتیجہ میں خطرہ ہو کہ کوئی شخص گناہ میں مبتلا ہو جائے گا، وہ کام بھی ناجائز ہے، مثلاً کسی کے والدین کو گالی دینے سے خطرہ ہے کہ وہ اس کے والدین کو گالی دے گا، اگرچہ یہ

ضروری نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے والدین کو گالی نہ دے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اسے سدِ ذرائع کہتے ہیں۔

سدِ ذرائع کی ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾

[الأنعام : ۶/۱۰۸]

''اور جنھیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو گالیاں نہ دو، نہیں تو وہ بے سمجھی سے ضد میں آ کر اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے۔''

ایک اور دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اے عائشہ! اگر تمھاری قوم نئی نئی جاہلیت سے (اسلام میں) آئی ہوئی نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کے متعلق حکم دیتا اور اسے گرا دیا جاتا۔ اس کا جو حصہ اس سے نکال دیا گیا ہے میں اس میں داخل کر دیتا اور اسے عین زمین کے ساتھ ملا دیتا۔ اس کا ایک مشرقی دروازہ بنا دیتا اور ایک مغربی اور اسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر پہنچا دیتا۔''

[بخاري، الحج : ٤٢]

رسول اللہ ﷺ نے اس خطرے سے کعبہ کو نہیں گرایا کہ کعبہ کو گرانے سے یہ نئی نئی مسلمان ہونے والی قوم شبہات میں مبتلا نہ ہو جائے حالانکہ کعبہ کو گرا کر دوبارہ بنانے میں بہت سے فائدے تھے۔

البتہ ایک بات مدنظر رہنی چاہیے کہ لوگوں کے گناہ میں مبتلا ہونے کے خطرے سے صرف وہ کام چھوڑ سکتا ہے جو ضروری نہ ہو بلکہ اختیاری ہو، اگر فرض کی ادائیگی سے کوئی شخص گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی پروا نہیں کی جائے گی، مثلاً اگر کوئی شخص نماز کی دعوت دینے سے بدزبانی شروع کر دے تو نماز کی دعوت ترک نہیں کی جائے گی، صرف اختیاری کام چھوڑے جا سکتے ہیں۔ امام بخاری نے اس موضوع پر یہ عنوان قائم کیا ہے: ((بَابُ مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الْاِخْتِيَارِ مَخَافَةَ أَنْ

يَقْصُرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ فَيَقَعُوْا فِيْ أَشَدَّ مِنْهُ)) ”یعنی اس شخص کا بیان جو بعض اختیاری چیزیں (جو ضروری نہ ہوں) اس خوف سے چھوڑ دے کہ بعض لوگوں کی سمجھ اس سے قاصر رہے گی، تو وہ اس سے بھی سخت چیز میں جا پڑیں گے۔“

تین دن سے زیادہ بول چال چھوڑنا حلال نہیں

۱۳۷۷/۸۔ ((وَعَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ: يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَ يُعْرِضُ هٰذَا، وَ خَيْرُهُمَا الَّذِيْ يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

”ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کسی مسلم کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے وہ دونوں ملیں تو یہ اس طرف منہ پھیر لے اور وہ (اس طرف) منہ پھیر لے اور ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔“ (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری، ۶۰۷۷۔ مسلم، البر والصلة : ۲۵، وغیرهما۔ دیکھیے تحفة الأشراف : ۳/ ۹۸۔ ۶/ ۱۰۵۔ ۱۰/ ۹۰]

فوائد:

۱۔ تین راتوں سے زیادہ حلال نہ ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ تین راتوں سے زیادہ آپس میں

بول چال چھوڑ دینا حرام ہے، کیونکہ بات چیت چھوڑ دی تو سارے حقوق ہی ضائع کر دیے جو ایک دوسرے پر واجب تھے، مثلاً سلام، قبول دعوت، عیادت، چھینک کا جواب وغیرہ۔

تین رات تک باہمی گفتگو چھوڑنا جائز ہے کیونکہ ناراضگی اور غصہ انسانی فطرت ہے، اسے مدنظر رکھتے ہوئے اتنی رعایت کر دی گئی ہے تاکہ پہلے دن غصے میں ٹھہراؤ آ جائے، دوسرے دن انسان کچھ سوچے، تیسرے دن واپس لوٹ آئے عموماً تین دنوں میں غصہ ختم یا کم ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ قطع تعلق کرے گا تو قطع حقوق لازم آئے گا۔

۳۔ قطع تعلق جو حرام ہے، سلام کہنے سے ختم ہو جاتا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَكُونُ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ مُسْلِمًا فَوْقَ ثَلَاثَةٍ فَإِذَا لَقِيَهُ سَلَّمَ عَلَيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ كُلُّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَاءَ بِإِثْمِهِ)) [صحيح أبي داود: ٤١٠٥]

''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے پس جب وہ اسے ملے تو اسے تین دفعہ سلام کہے، اگر (دوسرا آدمی) ہر دفعہ اسے جواب نہیں دیتا تو وہ اس کے گناہ کے ساتھ لوٹے گا۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر دوسرے بھائی کو اس کے بات نہ کرنے سے تکلیف ہوتی ہو تو صرف سلام سے قطع تعلق ختم نہیں ہوگا بلکہ پہلے جیسے تعلقات بحال کرنے سے ختم ہوگا، مگر اوپر والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام وہ صورت ہے جس میں دونوں ملتے ہیں مگر منہ پھیر لیتے ہیں اور سلام تک نہیں کہتے، البتہ اس میں شک نہیں کہ اخوت دینی جس تعلق کا تقاضا کرتی ہے وہ پہلے تعلقات

مکمل بحال کرنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

۳۔ اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے کسی کے ساتھ بول چال بند کر دینا جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کعب بن مالک اور ان کے ساتھیوں کے جنگ تبوک میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے مسلمانوں کو ان کے ساتھ بات چیت کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قطع کلام مخلص ساتھیوں کے لیے ہے جن پر بات چیت چھوڑنے سے اثر پڑتا ہو اور وہ حق کی طرف پلٹ آنے والے ہوں ورنہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے کفار اور منافقین سے بات چیت ترک نہیں فرمائی۔ کفار اور منافقین کے ساتھ قطع تعلق دل سے ہوتا ہے زبان سے نہیں، البتہ مخلص مسلمانوں سے ظاہری عتاب ترک کلام سے ہوتا ہے، دل سے قطع تعلق نہیں ہوتا۔

ہر اچھا کام صدقہ ہے

۹/۱۳۷۸۔ ((وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ)) [أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ]

”جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر اچھا کام صدقہ ہے۔“ (بخاری)

تخریج:

[بخاری: ۶۰۲۱ ـ وغیرہ، دیکھیے تحفۃ الاشراف: ۲/۲۷۵]

فوائد:

معروف کا معنی ہے پہچانا ہوا یعنی وہ کام جس کا اچھا ہونا شریعت یا عقل کے لحاظ سے جانی پہچانی بات ہے۔

۲۔ صدقہ کا اصل تو یہ ہے کہ آدمی خوشی سے اپنے مال سے کچھ اللہ کو خوش کرنے کے لیے دے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی صرف مال خرچ کرنے سے ہی نہیں بلکہ دوسری خداداد صلاحیتوں کو خرچ کرنے سے بھی صدقہ کا ثواب حاصل کر سکتا ہے، جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر مسلمان کے ذمے صدقہ ہے۔'' لوگوں نے کہا: ''اگر وہ نہ پائے؟'' فرمایا: ''اپنے ہاتھوں سے کام کرے اور اپنے آپ کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ کرے۔'' لوگوں نے پوچھا: ''اگر وہ یہ کام نہ کر سکے یا نہ کرے؟'' آپ نے فرمایا: ''کسی ضرورت مند مظلوم کی مدد کر دے۔'' انھوں نے کہا: ''اگر وہ یہ کام نہ کرے؟'' فرمایا: ''پھر بھلائی کا حکم دے۔'' پوچھا: ''اگر یہ بھی نہ کرے؟'' فرمایا: ''پھر برائی سے باز رہے یہی اس کے لیے صدقہ ہے۔'' [بخاری: ۶۰۲۲] ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرا دینا تمھارے لیے صدقہ ہے اور تمھارا نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا تمھارے لیے صدقہ ہے اور تمھارا راستے سے پتھر، کانٹا، ہڈی ہٹانا تمھارے لیے صدقہ ہے، اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا صدقہ ہے۔'' [ترمذی، البر: ۳۶۔ صحیح الترمذی، ۱۵۹۴]

معمولی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو

۱۰/۱۳۷۹۔ ((وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ))

''ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بھلائی میں سے کسی چیز کو ہرگز

حقیر مت سمجھ، خواہ (اتنا ہی ہو کہ) تو اپنے بھائی کو کھلے چہرے کے ساتھ ملے۔"

تخریج:

[مسلم، البر والصلۃ : ۱۴۴۔ دیکھیے تحفۃ الاشراف : ۱۷۶/۹]

فوائد:

نیکی کا کوئی بھی کام معمولی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴾ [البقرۃ : ۲/ ۲۱۵]

"اور تم جو بھلائی بھی کرو اللہ تعالیٰ اسے جاننے والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴾ [الزلزلۃ : ۹۹/ ۷]

"پس جو شخص ایک ذرے کے برابر بھلائی کرے وہ اسے دیکھ لے گا۔"

ہمسایوں کا خیال رکھنے کا ایک طریقہ

۱۱/ ۱۳۸۰۔ ((وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا وَ تَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ)) [أَخْرَجَهُمَا مُسْلِمٌ]

"ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تو شوربا پکائے تو اس کا پانی زیادہ کر لے اور اپنے ہمسایوں کا خیال رکھ۔" (دونوں روایات مسلم کی ہیں)

تخریج:

[مسلم، البر والصلة : ۱۴۳]

فوائد:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جبریل علیہ السلام مجھے ہمیشہ ہمسائے کے متعلق وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ اسے وارث بنا دیں گے۔“ (متفق علیہ)

۲۔ اس حدیث میں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اپنی لذت کا ہی خیال نہ رکھو بلکہ اپنے ہمسائے کا بھی خیال رکھو، اگر گوشت یا سبزی کم ہے اور تم اپنے ہمسائے کو اس میں سے نہیں دے سکتے تو شوربا زیادہ کرلو تاکہ ہمسائے کو بھی دے سکو۔ یہ مروت کے خلاف ہے کہ تم بھنا ہوا گوشت کھاؤ اور ہمسایہ سالن کے بغیر کھائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَ جَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ»

[البيهقي في شعب الايمان و حسنه الألباني في حاشية المشكوة : ٤٩٩١]

”مومن وہ نہیں ہوتا جو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔“

۳۔ ہمسائے کو تحفہ دیتے وقت یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ میں پتلا شوربا یا معمولی چیز بطور تحفہ کیوں دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی ہمسائی اپنی پڑوسن کے لیے کسی چیز کو حقیر نہ جانے خواہ بکری کی کھری کیوں نہ ہو۔“ [بخاری، ھبۃ : ۱]

مسلمان کی مدد اور پردہ پوشی کی فضیلت:

۱۳۸۱/۱۰۔ «وَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَ مَنْ يَّسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَ اللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی مسلم سے دنیا کی تنگیوں میں سے کوئی تنگی دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے آخرت کی تنگیوں میں سے کوئی تنگی دور فرمائے گا اور جو شخص کسی تنگدست پر آسانی کرے اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلم پر پردہ ڈالے اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں پردہ ڈالے گا اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں (رہتا) ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں (رہتا) ہے۔'' (مسلم)

تخریج:

[مسلم الذکر والدعا : ۳۸۔ اور دیکھیے تحفۃ الاشراف : ۳۷۵/۹]

مفردات:

نَفَّسَ ۔ تنفیس الخناق سے مشتق ہے یعنی گلا گھونٹنے والی چیز کو ڈھیلا کرنا تاکہ وہ سانس لے سکے۔ نَفَسٌ کا معنی سانس ہوتا ہے، مراد تنگی دور کرنا ہے۔

كُرْبَةٌ ایسا غم جو نفس کو فکر مند کر دے اور دل کو ڈھانپ لے اس طرح کہ گویا سانس لینے کی

گنجائش نہ رہے۔

فوائد:

1۔ مسلمان کی دنیا کی تنگیاں کئی قسم کی ہو سکتی ہیں، جنھیں دور کرنے کی فضیلت بیان ہوئی، مثلاً اگر اسے مالی تنگی درپیش ہے تو اگر ہو سکے تو اپنے پاس سے مال دے کر اسے دور کرے یا اسے قرض دے دے یا اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے کسی دوسرے سے مال دلوا دے یا قرض دلوا دے، اگر کسی ظالم کے ظلم سے تنگ ہے تو وہ ظلم دور کرنے یا کم کرنے کی کوشش کرے، اگر بیمار ہے تو علاج میں اس کی مدد کرے وغیرہ۔ آخرت میں پیش آنے والی سختیاں بھی بے شمار ہیں۔ نووی نے فرمایا کہ مسلم بھائی کی تنگی دور کرنے والے کے لیے آخرت کی تنگیوں میں سے کوئی تنگی دور کرنے کی بشارت تب ہی پوری ہو سکتی ہے، جب اس کا خاتمہ ایمان پر ہو تو اس حدیث میں ایمان پر خاتمہ کی بشارت بھی ضمناً مذکور ہے۔ (توضیح)

2۔ تنگ دست پر آسانی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرة : ۲/ ۲۸۰]

"اگر وہ (مقروض) تنگدست ہے تو اسے مہلت دینا ہے آسانی تک اور تم صدقہ کر دو تو تمھارے لیے بہتر ہے اگر تمھیں علم ہو۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تنگدست کے لیے آسانی کی ایک صورت یہ ہے کہ اسے مہلت دے دے یہ تو واجب ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا قرض معاف کر دے، بلکہ ہو سکے تو اس کے ساتھ اس کا مالی تعاون بھی کر دے تاکہ اس کی تنگدستی دور ہو جائے، یہ فضیلت کی بات ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا جب کسی

تنگدست کو دیکھتا تو اپنے نوکر سے کہتا اس سے درگزر کرو، شاید اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر فرمایا۔" [متفق علیہ، مشکوۃ باب الافلاس]

۳۔ جو شخص کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی فرمائے گا۔ معلوم ہوا کہ اگر تنگ دست پر سختی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر سختی کرے گا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص خوشحال ہو تو اس سے اپنا حق لینے کے لیے سختی کر سکتا ہے کیونکہ غنی آدمی کا حق ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ (متفق علیہ)

اور اگر پیسے ہوتے ہوئے نہ دے تو اس کی بے عزتی کرنا اور سزا دینا جائز ہو جاتا ہے۔
[حدیث صحیح، ابوداؤد، نسائی عن الشرید]

۴۔ "مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا" جو شخص کسی مسلمان کی کسی لغزش یا غلطی پر مطلع ہو پھر اس پر پردہ ڈال دے تو اسے یہ اجر ملے گا کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر پردہ ڈال دے گا۔ دنیا میں اس طرح کہ اسے ایسی غلطی سے ہی محفوظ رکھے گا یا اگر ایسی غلطی کر بیٹھے تو کسی کو معلوم نہیں ہو گی اور آخرت میں اس کے گناہ معاف کر دے گا اور اس کے برے اعمال ظاہر نہیں کرے گا۔

۵۔ جو شخص چھپ کر گناہ کرے اس پر پردہ ڈالا جائے گا لیکن جو شخص کھلم کھلا علانیہ اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور روکنے سے نہیں رکتا اس کا معاملہ ان لوگوں کے پاس پہنچایا جائے گا جو اسے روک سکیں، کیونکہ اگر خاموشی اختیار کی جائے تو یہ برائی میں اس کی مدد ہو گی، فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ: ۲] "اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد مت کرو۔"

۶۔ اسی طرح حدیث کے راویوں کی کمزوریوں پر پردہ ڈالنا جائز نہیں، کیونکہ اس سے دین کی تحریف کا خطرہ ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے بیت المال میں خیانت کرنے والوں کو ظاہر کرنا بھی جائز

ہے، کیونکہ یہ مسلمانوں کی خیر خواہی ہے جو کہ فرض ہے۔

۷۔ مسلمان پر پردہ ڈالنے میں دوسرے مسلمانوں کے علاوہ آدمی خود بھی شامل ہے اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو کسی کو نہ بتائے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔

۸۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں ہوتا ہے، یعنی اپنے بھائی کا تعاون جس کام میں کر رہا ہوتا ہے، اس میں اللہ کی امداد شامل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اپنے کاموں میں بھی اللہ کی مدد شامل حال ہوتی ہے، اگرچہ اللہ کی مدد کے بغیر آدمی کوئی کام بھی نہیں کر سکتا، مگر اس صورت میں اسے اللہ کی خاص مدد حاصل ہوتی ہے، اس لیے جو شخص چاہے کہ اس کے سب کام درست رہیں وہ دوسرے مسلم بھائیوں کی مدد کرتا رہے۔

۹۔ مسلم بھائیوں کو خوش کرنے کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ أَنْ تُدْخِلَ عَلَى أَخِيكَ الْمُؤْمِنِ سُرُورًا أَوْ تَقْضِيَ عَنْهُ دَيْنًا أَوْ تُطْعِمَهُ خُبْزًا)) [قضاء الحوائج لابن أبي الدنيا بحوالة سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث حسن: ١٤٩٤]

"سب سے بہتر کام یہ ہے کہ تو اپنے مومن بھائی پر خوشی داخل کرے یا اس کی طرف سے قرض ادا کر دے یا اسے روٹی کھلا دے۔"

۱۰۔ اللہ تعالیٰ بندے کو عمل کی جزا اس کے عمل کی طرح ہی دیتے ہیں۔ کوئی پردہ ڈالے تو پردہ ڈالتے ہیں، تنگی دور کرے تو تنگی دور کرتے ہیں، مومن کی مدد کرے تو اس کی مدد کرتے ہیں، کوئی مومن کو رسوا کرے تو اسے رسوا کر دیتے ہیں۔

نیکی کا راستہ دکھانے کا اجر

۱۳/۱۳۸۲ ۔ ((وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِه)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص (کسی کو) بھلائی (کے کام) کا راستہ دکھائے اس کے لیے بھلائی کرنے والے کے ثواب کی طرح ثواب ہے۔'' (مسلم)

تخریج:

[مسلم، الامارة : ۱۳۳۔ دیکھیے تحفة الاشراف : ۳۲۹/۷]

فوائد:

۱۔ جو شخص کسی کو نیکی کا کوئی کام بتائے اسے نیکی کرنے والے جتنا اجر مل جاتا ہے، جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ (جو کتاب وسنت سے ثابت ہو) جاری کرے، اس کے لیے اس کا اجر ہے اور ان سب لوگوں کا اجر ہے جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی کی جائے۔'' [مسلم : ۱۰۱۷]

• نیکی کا کام خود بتا دے یا کسی ایسی جگہ بھیج دے جہاں سے اسے رہنمائی حاصل ہو جائے، اشارے سے بتا دے یا زبان سے یا تصنیف و تالیف کے ذریعے سے۔ اس فضیلت میں مبلغین، اساتذہ، مصنفین، مدارس میں طلباء کو بھیجنے والے سب شامل ہیں اور مجاہدین اسلام

بدرجہ اولیٰ شامل ہیں جن کے ذریعے بے شمار لوگوں کو اسلام کی دولت حاصل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ”اللہ تعالیٰ تیرے ذریعے ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔“ [مسلم: ٢٤٠٦]

اسی لیے جو مقام صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا بعد والے لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ بعد والوں کی نیکیاں صحابہ کے دین پہنچانے کی وجہ سے صحابہ کے نامہ اعمال میں بھی شامل ہو چکی ہیں۔

اللہ کے نام پر کیا گیا سوال رد نہ کیا جائے

١٣٨٣/١٤۔ ((وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنِ اسْتَعَاذَكُمْ بِاللّٰهِ فَأَعِيذُوْهُ، وَ مَنْ سَأَلَكُمْ بِاللّٰهِ فَأَعْطُوْهُ، وَ مَنْ أَتَىٰ إِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ، فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَادْعُوْا لَهُ)) [أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ]

”ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص تم سے اللہ کے (نام کے) ساتھ پناہ مانگے اسے پناہ دو اور جو شخص تم سے اللہ کے (نام کے) ساتھ سوال کرے اسے دو اور جو تم سے اچھا سلوک کرے اسے بدلا دو، اگر تم (بدلا دینے کے لیے کوئی چیز) نہ پاؤ تو اس کے لیے دعا کرو۔“ (بیہقی)

تخریج:

[صحیح۔ بیهقی : ١٩٩/٤۔ حاکم : ٤١٢/١۔ احمد : ٩٩،٦٨/٢۔ ابو نعیم فی الحلیة : ٥٦/٩] نے کئی سندوں سے عن اعمش عن مجاہد عن ابن عمر مرفوعاً روایت کی ہے۔ حاکم

نے فرمایا: "یہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔" ذہبی نے اس کی موافقت کی اور البانی نے فرمایا: "ان دونوں نے جو فرمایا، یہی حقیقت ہے۔" [الصحیحة : ۲۵٤]

فوائد:

۱۔ ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم نے اس روایت میں یہ لفظ زیادہ کیے ہیں: ((فَإِنْ لَمْ تَجِدُوْا فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَعْلَمُوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوْهُ)) "یعنی اگر تمھیں بدلا دینے کے لیے کوئی چیز نہ ملے تو اس کے لیے اتنی دعا کرو کہ تمھیں یقین ہو جائے تم نے اسے بدلا دے دیا ہے۔"

ترمذی میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص کو کوئی عطیہ دیا جائے، اگر وہ (کوئی چیز) پائے تو بدلا دے جو نہ پائے وہ تعریف کر دے کیونکہ جس نے تعریف کی اس نے شکر ادا کیا اور جس نے (احسان کو) چھپایا اس نے ناشکری کی۔" [ترمذی، البر : ۸۷۔ صحیح الترمذی : ۱٦٥٦]

۲۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص سے کوئی بھلائی کی جائے اور وہ بھلائی کرنے والے کو یہ کہے: ((جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا)) "اللہ تجھے بہتر بدلا دے۔" تو اس نے تعریف کا حق ادا کیا۔" [ترمذی، البر : ۸۸۔ صحیح الترمذی : ۱٦٥۷]

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آدمی یہ کہتا ہے کہ تمھارا احسان مجھ پر اتنا بڑا ہے کہ میں اس کا بدلا نہیں دے سکتا اس کا بہتر بدلا تجھے اللہ ہی عطا فرمائے۔

۳۔ جو اللہ کے نام پر پناہ مانگے اسے پناہ دو خواہ اسے تم سے کسی نقصان کا اندیشہ ہو یا کسی دوسرے سے۔ اللہ کے نام پر مانگے تو اسے دو۔ سائل کا ویسے ہی حق ہے، مگر جب اللہ کا نام درمیان میں

آ جائے تو اس کی قدر کرنا لازم ہے۔

۴۔ مخلوق سے وہ چیز مانگ سکتا ہے جو اس کے اختیار میں ہو ہاں اگر مخلوق سے وہ چیز مانگے جو صرف اللہ کے اختیار میں ہے تو یہ شرک ہے، یہی معاملہ پناہ مانگنے کا ہے۔

بَابُ الزُّهْدِ وَالْوَرَعِ

دنیا سے بے رغبتی اور پرہیز گاری

((الزھد)) کسی چیز کی رغبت کم ہونا۔ مراد دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف ساری توجہ رکھنا ہے۔ نووی نے اربعین کی شرح میں فرمایا: ''زہد یہ ہے کہ دنیا کی غیر ضروری چیزیں چھوڑ دے خواہ حلال ہی ہوں اور انھی چیزوں پر گزارا کرے جن کے بغیر چارہ نہیں۔'' (مسک الختام) ترمذی اور ابن ماجہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا میں زہد حلال کو حرام کر لینے اور مال کو ضائع کر دینے کا نام نہیں بلکہ دنیا میں زہد یہ ہے کہ اللہ کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس پر تمھیں ان چیزوں سے زیادہ بھروسا ہو جو تمھارے ہاتھ میں ہیں اور تمھیں کوئی مصیبت اگر پہنچے تو اس کے ثواب کی رغبت اس سے زیادہ ہو کہ وہ مصیبت تمھیں نہ پہنچتی۔'' صاحب سبل نے فرمایا: ''یہ نبوی تفسیر دوسری تفسیروں سے مقدم ہے۔''

مگر یہ حدیث بہت ہی ضعیف ہے۔ ترمذی نے فرمایا: ''اس میں عمرو بن واقد منکر الحدیث ہے۔'' البانی نے بھی اسے ضعیف جدًا قرار دیا ہے۔ دیکھیے ضعیف الترمذی حدیث: ۴۰۵۔

((الورع)) بچنا، مراد حرام سے بچنا بلکہ حرام سے بچنے کے لیے شبہ کی چیزوں کو بھی چھوڑ دینا ہے۔

مشتبہ امور سے بچنے کا حکم

۱/۱۳۸۴۔ ((عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقُوْلُ - وَ أَهْوَى النُّعْمَانُ بِإِصْبَعَيْهِ إِلَى أُذُنَيْهِ -: إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَ بَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَ عِرْضِهِ، وَ مَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ، كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوْشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيْهِ، أَلَا وَ إِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا وَ إِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَ إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَ إِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَ هِيَ الْقَلْبُ» [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

"نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا نعمان نے یہ بات اپنی انگلیاں کانوں کی طرف لے جاتے ہوئے کہی: "یقیناً حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے تو جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی اور جو شبہ کی چیزوں میں جا پڑا وہ حرام میں جا پڑا جیسا کہ وہ شخص جو ممنوعہ چراگاہ کے اردگرد مویشی چرانے والا ہے، قریب ہے کہ اس میں جا پڑے۔ یاد رکھو! ہر بادشاہ کی کوئی نہ کوئی ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے، خبردار! اللہ کی ممنوعہ چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں، خبردار! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے، جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، یاد رکھو! وہ دل ہے۔" (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری : ۵۲ ۔ مسلم ، المساقاة : ۱۰۷ ، وغیر ھما]

فوائد:

۱۔ حلال ظاہر ہے، کسی کو اس کے حلال ہونے میں شک نہیں مثلاً پھل، روٹی، شہد، دودھ اور کھانے پینے کی عام چیزیں، اسی طرح خرید و فروخت اور دوسرے معاملات جو سب جانتے ہیں کہ حلال ہیں۔ حرام ظاہر ہے مثلاً خنزیر کا گوشت، شراب، زنا، غیبت، چغلی اور جھوٹ وغیرہ۔ ان دونوں کا حکم واضح ہے۔ جس کی حرمت صاف قرآن و حدیث میں آ گئی وہ حرام ہے، جس کا حلال ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہو گیا وہ حلال ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے خاموشی اختیار فرمائی وہ بھی حلال ہے، اسی طرح جس چیز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بطور احسان فرمایا وہ بھی حلال ہے۔

۲۔ ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، ان کی مشابہت حلال سے بھی ہے اور حرام سے بھی، ان کا حکم بہت سے لوگ نہیں جانتے صرف پختہ عالم ہی جانتے ہیں، اگر کوئی شخص حرام سے بچنا چاہے تو وہ ان مشتبہ چیزوں سے بھی بچے کیونکہ اگر ان چیزوں کا استعمال شروع کر دے گا تو حرام سے صحیح نفرت باقی نہیں رہے گی، آہستہ آہستہ واضح حرام چیزوں کا استعمال بھی شروع کر دے گا۔

۳۔ ''جو شبہات میں جا پڑا وہ حرام میں جا پڑا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ قریب ہے کہ وہ حرام میں جا پڑے کیونکہ اگر یہ مطلب نہ ہو تو پھر مشتبہات صاف ہی حرام کی قسم بن جائیں گی جب کہ یہ بات درست نہیں۔

۴۔ جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچا لی، کیونکہ شبہات سے بچ نہ

صریح حرام سے بدرجہ اولیٰ بچے گا اس سے اس کا دین محفوظ ہو گیا، عزت اس لیے کہ اگر شبہ والی چیزیں استعمال کرے گا تو عام لوگ بدگمان ہو جائیں گے جس سے اس کی عزت پر حرف آئے گا۔

۵۔ اس کی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے راستے میں گری ہوئی ایک کھجور دیکھی تو فرمایا "اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کے مال سے ہوگی تو میں اسے کھا لیتا۔" (متفق علیہ)

۶۔ تمام مکروہ چیزوں سے بچنا بھی اس میں شامل ہے کیونکہ مکروہ سے نفرت ختم ہوتی ہے تو آدمی حرام تک جا پہنچتا ہے، اگر مکروہ چیزوں سے نفرت قائم رہے تو حرام کے ارتکاب کی دلیری نہیں ہوتی۔

۷۔ جسم کے درست یا خراب ہونے کا اصل مرکز دل ہے، کیونکہ سارے اعضاء دل ہی کی بات مانتے ہیں۔ دل کہتا ہے تو ہاتھ اٹھ جاتا ہے، آنکھ کھل جاتی ہے، پاؤں چل پڑتے ہیں اور اگر وہ کہتا ہے تو آنکھ بند ہو جاتی ہے، ہاتھ نیچے ہو جاتا ہے اور پاؤں رک جاتے ہیں۔ دل کسی چیز کی خواہش کرتا ہے تو عقل اس کے جواز کے دلائل کا انبار لگا دیتی ہے، اگر نفرت کرتا ہے تو دوسری جانب کی دلیلیں نکال لاتی ہے۔

پیسے کا غلام ہلاک ہو گیا

۱۳۸۵/۲۔ ((وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَ الدِّرْهَمِ وَالْقَطِيْفَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وَ إِنْ لَّمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ))

[أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ]

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہلاک ہو گیا دینار، درہم اور چادر کا غلام، اگر اسے دیا جائے تو خوش ہو جاتا ہے اور اگر اسے نہ دیا جائے تو خوش نہیں ہوتا۔" (بخاری)

تخریج:

[بخاری : ٦٤٣٥، وغیرہ۔ دیکھیے تحفة الاشراف : ٩/٤٣١، ٩/٤٣٩]

مفردات:

تَعِسَ مَنَعَ اور سَمِعَ دونوں کے وزن پر آتا ہے جب کسی کو مخاطب کرتا ہو تو مَنَعَ سے استعمال کرتے ہیں مثلاً تَعَسْتَ اور جب کسی کے بارے میں بیان کرتا ہو تو فَرِحَ کی طرح مثلاً تَعِسَ فُلَانٌ اس کا معنی ہلاک ہو گیا، پھسل گیا، گر گیا۔ (قاموس) اَلْقَطِيْفَة وہ چادر جس کو جھالر لگی ہوئی ہو۔

فوائد:

● اس حدیث میں دینار، درہم اور چادر کا ذکر بطور مثال ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ آدمی دنیا کی طلب میں اس مقام پر جا پہنچا ہے کہ دنیا کی چیزیں اس کے مالک کی طرح اسے ہر طرف پھراتی ہیں، انھیں حاصل کرنے کے لیے وہ ہر ذلت برداشت کرنے کے لیے تیار ہے، جس طرح غلام مالک کا حکم مانتا ہے، اس کی خوشی اور ناخوشی بھی اسی کے ارد گرد گھومتی ہے کہ اس کی پسندیدہ دنیا کی چیز اسے ملتی ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا:

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ

﴿يَسْخَطُونَ﴾ [التوبة: ۹/ ۵۸]

''اور بعض لوگ ان میں سے ایسے ہیں کہ صدقات کی تقسیم میں تجھ پر طعن کرتے ہیں، اگر ان کو کچھ مل جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر نہیں ملتا تو فوراً بگڑ بیٹھتے ہیں۔''

پھر دنیا میں لوگوں کی پسندیدہ چیزیں بھی مختلف ہیں، کوئی مال کا بھوکا ہے، کوئی عہدہ کا، کوئی حسینوں کا غلام ہے، کوئی جائیداد اور کوٹھیوں کے چکر میں گرفتار ہے۔

۲۔ انسان کی پیدائش کا اصل مقصد اللہ کی عبادت کرنا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاریات: ۵۱/ ۵۶]

''اور میں نے جن و انس کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

اس لیے اس کا اصل مقصد اللہ کی رضا ہونا چاہیے، دنیا کمانا یا اس کی خواہش رکھنا منع نہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ آدمی ان چیزوں کا غلام نہ بنے، بلکہ اللہ کا غلام بنے، یہ چیزیں اس کو اللہ کی غلامی سے غافل نہ کریں، بلکہ وہ دنیا بھی اس لیے حاصل کرے کہ وہ اللہ کی بندگی میں اس کی معاون ہوگی، ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۖ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾

[الحج: ۲۲/ ۱۱]

''اور لوگوں میں سے ایک وہ بھی ہے جو اللہ کی عبادت کنارے پر (رہ کر) کرتا ہے سو اگر اسے بھلائی حاصل ہو جائے تو اس کے ساتھ مطمئن ہو جاتا ہے، اگر اسے آزمائش آ جائے تو اپنے چہرے پر پھر جاتا ہے۔ یہ دنیا اور آخرت میں نامراد ہو گیا، واقعی یہ کھلا نقصان ہے۔''

دنیا میں پردیسی یا راہ گیر کی طرح رہو

١٣٨٦/٣۔ ((وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : أَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِيْ، فَقَالَ: كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ ، أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ، وَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ: إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ ، وَ إِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ، وَ خُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِسَقَمِكَ، وَ مِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ)) [أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ]

"ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا: "دنیا میں اس طرح رہ کہ تو پردیسی ہے یا راہ گزرنے والا ہے۔" اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: "جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار مت کر اور جب صبح کرے تو شام کا انتظار مت کر اور اپنی تندرستی سے اپنی بیماری کے لیے اور اپنی زندگی سے اپنی موت کے لیے (کچھ نہ کچھ) حاصل کر لے۔" (بخاری)

تخریج:

[بخاری: ٦٤١٦، وغیرہ۔ دیکھیے تحفة الاشراف: ٥/٤٨١، ٦/٢٨]

فوائد:

۔ دنیا میں اس طرح رہ گویا کہ تو ایک پردیسی ہے یا راہ گزرنے والا۔ دونوں کا فرق یہ ہے کہ بعض اوقات مسافر چل رہا ہوتا ہے اور بعض اوقات کچھ دیر کے لیے کہیں عارضی اقامت بھی اختیار

کر لیتا ہے۔ پہلی صورت میں وہ عابر سبیل ہے، دوسری صورت میں غریب۔

۲۔ پردیسی آدمی اگر کہیں کچھ دیر کے لیے ٹھہر بھی جائے تو وہاں دل نہیں لگاتا کیونکہ اس کی منزل آگے ہوتی ہے، زیادہ سامان اور جائیداد نہیں بناتا کیونکہ اس نے وہاں رہنا نہیں ہوتا، اسے یہ پروا نہیں ہوتی کہ اس کا لباس اور وضع قطع اس شہر کے لوگوں جیسی ہے یا نہیں کیونکہ اس نے وہاں سے چلے جانا ہوتا ہے، اس کا لوگوں سے زیادہ میل جول نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس کے ہم وطن نہیں ہوتے اور جو مسافر ابھی راہ طے کر رہا ہو وہ اتنا سامان بھی نہیں اٹھاتا جو کسی پردیسی کے عارضی اقامت کے دوران جمع ہو جاتا ہے، صرف اتنا سامان ساتھ لیتا ہے جس کے بغیر چارہ نہیں۔ حدیث میں رہنمائی کی گئی کہ پردیسی کی طرح دنیا میں رہو یا راہ گیر کی طرح، دونوں طرح اجازت ہے مگر اسے وطن نہ بنا لو۔ یا أَوْ بمعنی بَلْ ہے یعنی دنیا میں پردیسی کی طرح رہو بلکہ (بہتر ہے کہ) راہ گیر کی طرح رہو، مطلب یہ ہے کہ دنیا میں زہد اختیار کرو اور صرف اتنے سامان پر گزارا کرو جس کے بغیر چارہ نہیں۔

۳۔ ''جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر'' یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے یعنی لمبی امیدیں نہ باندھ بلکہ اپنی موت کو بالکل قریب سمجھ، جب موت انسان کے پیش نظر ہو تو وہ ہر وقت ایسی حالت میں رہتا ہے کہ موت آ جائے تو اسے ندامت نہ ہو، ہر وقت اللہ سے ڈرتا ہے اور مستعد رہتا ہے۔

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴾

[آلعمران : ۳/۱۰۲]

''اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھاری موت ہرگز نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔''

۳۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی کہ صحت اور زندگی باقی رہنے والی چیزیں نہیں، بیماری اور موت بھی انسان کی گھات میں ہے، اس لیے اسے چاہیے کہ صحت کی حالت میں بیماری کے لیے اعمال ذخیرہ کرلے اور زندگی میں موت کے لیے سامان مہیا کرلے۔

غیر مسلموں کی مشابہت سے بچو

۱۳۸۷/۴۔ «وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» [أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ]

''ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انھیں میں سے ہے۔'' (اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن حبان نے صحیح کہا)

تخریج:

[حسن صحیح]

ابوداؤد: ۴۰۳۱۔ صحیح ابی داؤد: ۳۴۰۱] ابن تیمیہ نے ''الاقتضاء'' (ص ۳۹) میں فرمایا: ''اس کی سند جید ہے۔'' عراقی نے تخریج الاحیاء: ۳۴۲/۱۔ میں فرمایا: ''اس کی سند صحیح ہے۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری: ۲۲۲/۱۰۔ میں فرمایا: ''اس کی سند حسن ہے۔'' مفصل تخریج و تصحیح کے لیے دیکھیے [حجاب المرأۃ المسلمۃ للالبانی (۱۰۴) اور الارواء (۱۲۶۹) تحفۃ الاشراف: ۲۷۵/۶]

فوائد:

① جو شخص کسی کی مشابہت اختیار کرے وہ انھیں میں سے ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان کفار کی خاص وضع قطع، لباس، حجامت وغیرہ میں مشابہت اختیار کرے تو وہ انھیں کا ساتھی ہے، کیونکہ ان کی وضع قطع اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسے مسلمانوں کی وضع قطع کی بجائے کفار کی وضع قطع پسند ہے، جبکہ کفر کے طریقے کو پسند کرنا ایمان کے منافی ہے۔ ہمیں تو کفار کی مخالفت کا حکم دیا گیا، مثلاً ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((جُزُّوا الشَّوارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحى خَالِفُوا الْمَجُوسَ)) "مونچھیں کترو اور داڑھیاں بڑھاؤ مجوس کی مخالفت کرو۔" [مسلم: ٢٦٠]

اسی طرح زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَ لَاتَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ)) "بالوں کی سفیدی کو بدل دو اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو۔" [صحيح الترمذي: ١٤٣٣]

جب بالوں کی سفیدی اور داڑھی اور مونچھوں کی وضع قطع تک میں مجوس و یہود کی مخالفت کو مدنظر رکھا گیا ہے تو کفار کی خاص رسوم جو ان کے علیحدہ مذہبی یا قومی تشخص کی علامت ہیں، مسلمانوں کے لیے کس طرح جائز ہو سکتی ہیں۔

٢۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ جب کوئی آدمی کسی قوم کی مشابہت ظاہر میں اختیار کرتا ہے تو آہستہ آہستہ اس کا باطن بھی انھیں کے رنگ میں رنگا جاتا ہے، اس لیے کفار سے مشابہت حرام قرار دی گئی۔

٣۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک نہایت عمدہ اور نفیس کتاب لکھی ہے:

((اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ مُخَالَفَةَ اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ)) اس میں قرآن وسنت اور آثار صحابہ سے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں پر کفار کی مشابہت سے اجتناب اور ان کے طور طریقوں کی مخالفت فرض ہے۔ اس کی تلخیص کا اردو ترجمہ مکتبہ سلفیہ لاہور نے ''راہ حق کے تقاضے'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

صرف اللہ سے لو لگاؤ

۵/۱۳۸۸۔ ((وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَوْمًا، فَقَالَ : يَا غُلَامُ ! اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَ إِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ)) [رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَسَنٌ صَحِيْحٌ]

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (سوار) تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لڑکے! اللہ کا دھیان رکھ وہ تیرا دھیان رکھے گا، اللہ کا دھیان رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا اور جب سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حسن صحیح ہے)

تخریج:

[صحیح] ترمذی:۲۵۱۶ اور دیکھیے صحیح الترمذی : ۲۰۴۳۔

ترمذی میں بقیہ حدیث یہ ہے ''اور جان لے کہ اگر امت اس بات پہ جمع ہو جائے کہ تجھے کوئی

فائدہ پہنچائیں تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے مگر جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر وہ جمع ہو جائیں کہ تجھے کوئی نقصان پہنچائیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے مگر جو اللہ نے تم پر لکھ دیا ہے، قلم خشک ہو گئے اور صحیفے لپیٹ دیے گئے۔''

فوائد:

۱۔ اللہ کا دھیان رکھ یعنی اللہ کی حدود، اس کے احکام، اس کی منع کی ہوئی چیزوں اور اس کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کا دھیان رکھ۔ اللہ کی حد آ جائے تو اس سے آگے مت بڑھ، حکم آ جائے تو اس پر عمل کر، وہ منع کر دے تو رک جا، غرض ہر کام کرتے وقت اللہ تعالیٰ انسان کی یاد میں رہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ﴾ [التوبة : ۹/ ۱۱۲]

''اور وہ جو اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴾ [ق : ۵۰/ ۳۲]

''یہ وہ ہے جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو، ہر رجوع کرنے والے حفاظت کرنے والے کے لیے۔''

اہل علم نے یہاں حفیظ کا مطلب بیان فرمایا: ''اللہ کے احکام کی حفاظت کرنے والا۔''
بعض نے فرمایا: ''اپنے گناہوں کا دھیان رکھنے والا یعنی اگر کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً پلٹ آتا ہے۔''

۲۔ ''وہ تیرا دھیان رکھے گا۔'' جس طرح فرمایا:

﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ ﴾ [البقرة : ۲/ ۱۵۲]

"تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا۔"

اللہ تعالیٰ بندے کا دھیان دنیا کے معاملے میں بھی رکھتا ہے اور آخرت کے معاملے میں بھی، دنیا میں اسے اس کے جسم میں، اہل وعیال میں اور مال واولاد میں عافیت دیتا ہے، فرشتے ہر تکلیف دہ چیز سے اس کی حفاظت کرتے ہیں:

﴿ لَهُ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾

[الرعد: ۱۱/۳۱]

"اس کے لیے باری باری (حفاظت کے لیے) آنے والے ہیں، اس کے آگے اور اس کے پیچھے جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔"

آخرت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ بندے کے دین وایمان کی حفاظت رکھتا ہے، اسے گمراہ کن خواہشات ونظریات واعمال سے محفوظ رکھتا ہے، اسے ایمان کی حالت میں موت دیتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا پورا ادراک ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ کس طرح ہماری حفاظت فرما رہا ہے۔

۳۔ "تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔" جب بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے، اس کے احکام کی اطاعت اور اس کی حدود کی حفاظت کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے پاتا ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت میرے ساتھ ہے، اس کی مدد ہر وقت اس کے شامل حال ہوتی ہے۔

ویسے تو اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ہی ساتھ ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ [الحدید: ۴/۵۷]

"اور وہ تمھارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو دیکھنے والا ہے جو تم

کرتے ہو۔"

مگر یہ خاص معیت ہے جو اللہ کو یاد رکھنے والوں کو حاصل ہوتی ہے، جیسے فرمایا:

﴿ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ [التوبة : ٩/٤٠]

"کچھ غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ لَا تَخَافَا اِنَّنِيْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴾ [طٰه : ٢٠/٤٦]

"تم مت ڈرنا بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔"

اس معیت سے مراد خاص حفاظت اور نصرت ہے۔

۴۔ جب سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ سوال سے خوش ہوتا ہے، سوال نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ))

[صحيح الترمذى عن ابى هريرة رضى الله عنه : ٢٦٨٢]

"جو اللہ سے سوال نہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو جاتے ہیں۔"

اس کے برعکس بندوں سے مانگیں تو وہ ناراض ہوتے ہیں

اَللّٰهُ يَغْضَبُ إِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهُ

وَ تَرَى ابْنَ آدَمَ حِيْنَ يُسْئَلُ يَغْضَبُ

"اللہ تعالیٰ غصے ہوتا ہے اگر تم اس سے سوال کرنا چھوڑ دو اور ابن آدم کو دیکھو گے کہ وہ اس وقت غصے ہوگا جب اس سے سوال کیا جائے۔"

ایک اور شاعر نے کہا ؎

أَبَا مَالِكٍ لَا تَسْأَلِ النَّاسَ وَ الْتَمِسْ
بِكَفَّيْكَ فَضْلَ اللّٰهِ فَاللّٰهُ أَوْسَعُ
وَ لَوْ سُئِلَ النَّاسُ التُّرَابَ لَأَوْشَكُوْا
إِذَا قِيْلَ هَاتُوْا أَنْ يَمَلُّوْا وَ يَمْنَعُوْا

''اے ابو مالک! لوگوں سے سوال مت کر اور دونوں ہاتھوں سے اللہ کا فضل مانگ کیونکہ اللہ سب سے وسعت والا ہے۔ لوگوں سے تو اگر مٹی کا سوال کیا جائے تو جلد ہی ان کا یہ حال ہو جائے گا کہ مانگنے پر اکتا کر مٹی دینے سے بھی انکار کر دیں گے۔''

۵۔ وہ چیزیں جو صرف اللہ کے اختیار میں ہیں مثلاً ہدایت، صحت، دولت مندی، اولاد، فتح و نصرت وغیرہ کا سوال صرف اللہ سے جائز ہے اور ان چیزوں میں مدد بھی اللہ سے ہی مانگی جائے گی: ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ ﴾ ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔'' غیر سے مانگے گا تو مشرک ہو جائے گا اور جو چیز بندوں کے اختیار میں ہیں یا اس کا دوسرے پر حق ہیں، مثلاً کسی کے پاس کھانے کی چیز موجود ہے تو مانگ لینا، کوئی شخص کسی ظالم کا ظلم دور کرنے میں یا کسی اور کام میں مدد کر سکتا ہے تو اس سے مدد مانگ لینا جائز ہے، جیسا کہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام نے بستی والوں سے کھانا مانگا تھا اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے فرمایا تھا: ﴿ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللّٰهِ ﴾ [آل عمران : ۵۲] ''کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں۔'' کیونکہ مہمان نوازی اور دین میں نصرت طلب کرنا مہمان اور داعی کا حق ہے۔ ان چیزوں میں بھی اصل امید اللہ سے ہی رکھے کہ وہ چاہے گا تو مخلوق کے دل اس کی طرف مائل کر دے گا، گویا

اصل سوال اور استعانت اللہ تعالیٰ سے ہی کرے۔

جہاں تک ہو سکے معمولی چیزوں میں بھی مخلوق سے سوال کرنے سے بچے کیونکہ سوال کرنا اپنے آپ کو دوسرے کے سامنے ذلیل کرنا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت سے بیعت لی تھی کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے۔ ان میں کسی کا کوڑا تک گر جاتا تو وہ کسی سے پکڑانے کے لیے نہیں کہتا تھا۔ اس جماعت میں آٹھ یا نو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ [صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ : ۱۰۴۳]

۶۔ ''جب مدد مانگے تو اللہ سے مانگ'' کیونکہ اگر اللہ مدد نہ کرے تو کوئی کام ہو بھی نہیں سکتا، نہ اللہ کی بندگی نہ دنیا کا کوئی کام۔ رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی:

《 رَبِّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ 》

[صحیح النسائی : ۱۲۳۶]

''اے اللہ! اپنی یاد پر، اپنے شکر پر اور اپنی اچھی عبادت پر میری مدد فرما۔''

اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا:

﴿ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴾ [یوسف : ۱۸]

''جو تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی مددگار ہے۔''

۷۔ اس حدیث میں جو چار وصیتیں کی گئی ہیں ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دنیا کے اسباب سے قطع تعلق کر لے کیونکہ یہ بھی اللہ سے سوال اور اس سے استعانت میں شامل ہیں، جو شخص ان ذرائع سے رزق طلب کرے جو اللہ نے مقرر فرمائے ہیں تو اگر مل جائے تو اللہ ہی کی طرف سے

ہے، نہ ملے تو وہ بھی اس کی مرضی سے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصل بھروسا اور امید صرف اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی محبت حاصل کرنے کا طریقہ

۶/۱۳۸۹۔ «وَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِيَ اللّٰهُ وَ أَحَبَّنِيَ النَّاسُ، فَقَالَ: اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ، وَ ازْهَدْ فِيمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ» [رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَغَيْرُهُ، وَ سَنَدُهُ حَسَنٌ]

''سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسا عمل بتائیں کہ جب میں اسے کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کریں اور لوگ مجھ سے محبت کریں۔'' آپ نے فرمایا: ''دنیا سے بے رغبتی اختیار کر اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا اور اس چیز سے بے رغبت ہو جا جو لوگوں کے پاس ہے تو لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔'' (اسے ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے)

تخریج:

[حسن] (ابن ماجہ کی سند اس طرح ہے عن خالد بن عمر القرشی عن سفیان ثوری عن ابی حازم عن سہل بن سعد الخ خالد بن عمرو وضاع ہے۔ اس لیے

بعض محدثین نے اس حدیث کو باطل کہا ہے، مگر اس کی متابعت موجود ہے اور یہ حدیث اس کے علاوہ اور سندوں سے بھی آئی ہے، جن میں شدید ضعف نہیں۔ علاوہ ازیں جید سند کے ساتھ ایک مرسل روایت بھی اس کی شاہد ہے۔ اس لیے شیخ البانی نے صحیح ابن ماجہ میں اسے صحیح قرار دیا ہے اور [سلسلة الاحاديث الصحيحة : ٩٤٤] میں بھی اس کی متابعات اور شواہد تفصیل سے ذکر کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

فوائد:

۱۔ دنیا سے بے رغبت ہو جا اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا۔ دنیا کیا ہے اس کا آسان اور مختصر جواب یہ ہے کہ وہ چیزیں جن کا فائدہ صرف دنیا میں ہے آخرت میں نہیں کیونکہ جن چیزوں کا فائدہ آخرت میں ہو یا آخرت میں بھی ہو وہ آخرت قرار پائیں گی، دنیا نہیں۔ اس لیے اللہ کی محبت حاصل کرنے کا نسخہ یہ ہے کہ آدمی ان تمام چیزوں سے بے رغبتی اختیار کرے جو آخرت میں کسی کام نہیں آئیں گی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا: ((اَلزُّهْدُ تَرْكُ مَا لَا يَنْفَعُ فِي الْآخِرَةِ))

''زہد ان چیزوں کو چھوڑ دینے کا نام ہے جو آخرت میں کوئی فائدہ نہ دیں۔''

۲۔ اس چیز سے بے رغبت ہو جا جو لوگوں کے پاس ہے لوگ تجھ سے محبت کریں گے، کیونکہ جو شخص لوگوں سے مانگے یا ان کے پاس موجود چیزوں کی حرص رکھے لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اور اسے ناپسند جانتے ہیں کیونکہ فطرتاً انسان کے دل میں مال کی محبت رکھ دی گئی ہے:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ﴾ [آل عمران : ٣/ ١٤]

''لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت مزین کر دی گئی ہے، عورتوں سے، بیٹوں سے، سونے چاندی کے جمع کردہ خزانوں سے، نشان والے گھوڑوں اور چوپاؤں اور کھیتی سے۔''

اب جو شخص لوگوں سے ان کی محبوب چیز مانگے وہ اس سے محبت کس طرح کر سکتے ہیں، ہاں ان کے مال و متاع سے بے نیاز ہو جائے تو لوگ عزت اور محبت کرتے ہیں۔

③ ایک اعرابی نے لوگوں سے پوچھا: ''اہل بصرہ کا سردار کون ہے۔'' لوگوں نے بتایا: ''حسن بصری!'' اس نے پوچھا: ''وہ ان کا سردار کیسے بن گیا؟'' بتایا گیا کہ لوگ اس کے علم کے محتاج ہیں اور وہ ان کی دنیا سے مستغنی ہے۔'' (توضیح الاحکام)

④ لوگوں کی محبت کی خواہش اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کوئی بری چیز نہیں، یہ مستحب بلکہ فرض ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا))

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم مومن نہیں ہو گے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہیں کرو گے۔''

پھر آپ ﷺ نے اس کا طریقہ بتایا کہ آپس میں سلام کثرت سے کیا کرو۔ اسی طرح آپ نے باہمی محبت حاصل کرنے کے لیے ہدیہ دینے کی تلقین فرمائی۔ [صحیح مسلم، کتاب الایمان : ٥٤]

اللہ تعالیٰ کس سے محبت کرتا ہے

١٣٩٠/٧۔ ((وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : إِنَّ اللّٰهَ

يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے:
''یقیناً اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جو پرہیز گار، غنی، چھپا ہوا ہو۔'' (مسلم)

تخریج:

[مسلم، الزهد : ١١]

فوائد:

۱۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، بدری صحابی ہیں، جنگ قادسیہ کے امیر اور فاتح ایران ہیں، جب مسلمانوں کی باہمی لڑائیاں شروع ہوئیں تو یہ گوشہ نشین ہو گئے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ان ایام میں ان کے بیٹے عمر بن سعد ان کے پاس آئے۔ سعد رضی اللہ عنہ انہیں دیکھتے ہی کہنے لگے: ((أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا الرَّاكِبِ)) ''میں اس سوار کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔'' وہ سواری سے اترے اور کہنے لگے کہ آپ نے اپنے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں میں ہی ڈیرا لگا رکھا ہے اور لوگوں کو اس حال میں چھوڑ رکھا ہے کہ وہ حکومت کے لیے آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں تو سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: ''خاموش ہو جاؤ، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اس بندے سے محبت کرتا ہے جو پرہیز گار، غنی، چھپا ہوا ہو۔'' [مسلم، الزهد : ١١]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محبت اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے بعض لوگ اس کی تاویل کرتے ہیں کہ اللہ کی محبت سے مراد یہ ہے کہ وہ بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے ہدایت دیتا ہے، اس پر رحمت کرتا ہے اور اللہ کے بغض اور دشمنی سے مراد ان چیزوں کا الٹ ہے گویا

ان حضرات کے نزدیک اللہ تعالیٰ نہ محبت کرسکتا ہے نہ عداوت، اسی لیے انھوں نے تاویل کی، مگر ان حضرات کی بات درست نہیں۔ قرآن میں بے شمار جگہ اللہ کی صفت حب اور صفت عداوت بیان فرمائی گئی ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴾ [البقرة : ٢/١٩٥]

﴿ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ﴾ [آل عمران : ٣/٣١]

﴿ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ﴾ [البقرة: ٩٨]

ہر شخص جانتا ہے کہ محبت اور عداوت کیا ہوتی ہے، محبت کا معنی ارادۂ خیر یا ہدایت یا رحمت ہرگز نہیں ہوتا بلکہ یہ صفات اپنی جگہ مستقل صفات ہیں، ان حضرات کو یہ تاویل کرنے کی ضرورت اس لیے پڑی کہ انھوں نے اللہ کی محبت کو انسانی محبت کی طرح سمجھا جو بعض اوقات انسانی کمزوری ہوتی ہے۔ اسی طرح ان لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر بھی نہیں بلکہ سمیع و بصیر کا مطلب ہے کہ وہ علم رکھتا ہے، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ علم الگ چیز ہے اور دیکھنا اور سننا الگ چیزیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی یہ صفت اور دوسری تمام صفات کسی مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں بلکہ اس طرح ہیں جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ اگر یہ لوگ اس بات کو اپنے سامنے رکھتے تو کبھی صفات کا انکار یا ان کی تاویل نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ [الشورى : ٤٢/١١]

''اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع ہے بصیر ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ کہیں یہ سوچ کر اللہ تعالیٰ کی صفت سمع اور صفت بصر کا انکار نہ کر بیٹھنا کہ انسان بھی سمیع و بصیر ہے، اگر اللہ تعالیٰ کو سمیع و بصیر مان لیا تو وہ مخلوق کے مشابہ ہو جائے گا۔ فرمایا اللہ کی مثل

کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے، یعنی اللہ کا سننا دیکھنا مخلوق کے مشابہ نہیں ہیں۔ اسی طرح وہ محبت بھی کرتا ہے اور عداوت بھی رکھتا ہے، مگر ایسی جو مخلوق کی محبت و عداوت کے مشابہ نہیں ہے۔ غور فرمایئے! ایسا پروردگار کس کام کا جو نہ سنتا ہو نہ دیکھتا ہو، نہ اپنے دوستوں سے محبت کرتا ہو نہ دشمنوں سے عداوت رکھتا ہو؟

۲۔ "اَلتَّقِیَّ" پرہیزگار جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل کرنے والا اور ان کی منع کی ہوئی چیزوں سے باز رہنے والا ہو۔

۳۔ "اَلْغَنِیَّ" دولت مند، بے پروا یعنی اسے اللہ پر اتنا اعتماد ہے کہ وہ مخلوق سے بے نیاز ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ الْغِنٰى بِكَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ))

[صحيح البخاري : ٦٤٤٦]

"دولتمندی دنیا کا سازوسامان زیادہ ہونے سے نہیں بلکہ اصل دولت مندی نفس کا (مخلوق سے) غنی ہونا ہے۔"

اَلْغَنِیَّ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ ہاتھ کی کمائی سے ضرورت کی اشیاء مہیا رکھتا ہے تاکہ اسے مخلوق کا محتاج نہ ہونا پڑے، جیسا کہ سعد رضی اللہ عنہ ان ایام میں اونٹ اور بھیڑ بکریاں پالنے میں مشغول رہتے تھے۔

۴۔ "اَلْخَفِیَّ" چھپا ہوا، ناموری و شہرت سے بچ کر اللہ کی عبادت میں مشغول، کیونکہ شہرت اپنے ساتھ کئی آفات بھی لاتی ہے، مثلاً ریاکاری، فتنوں میں شمولیت، اللہ کی بندگی کے لیے وقت نہ بچنا، جب کہ گمنامی میں آدمی کو عبادت کے لیے کھلا وقت مل جاتا ہے، اس کا دل اللہ کی یاد سے مانوس ہوتا ہے، وہ فتنوں سے اور ریاکاری سے محفوظ رہتا ہے، اس کے تمام کام صرف اور صرف

اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں۔

آدمی کے اسلام کی خوبی بے مقصد چیزوں کو چھوڑ دینا ہے

۱۳۹۱/۸۔ «وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ» [رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ حَسَنٌ]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے اس کا اس چیز کو چھوڑ دینا ہے جو اس کے مقصد کی نہیں۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حسن ہے)

تخریج:

[حسن۔ ترمذی: ۲۳۱۷] ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ یہ حدیث علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے مرسل بھی آئی ہے۔ شیخ البانی نے فرمایا: "حدیث صحیح۔" [مشکوۃ، حدیث: ۴۸۳۹] اور دیکھیے تحفۃ الاشراف: ۹/۳۸۱، ۱۱/۳۱۲]

مفردات:

عَنَاهُ الْأَمْرُ يَعْنُوْهُ وَ يَعْنِيْهِ اَهَمَّهُ جب کوئی کام آدمی کو فکر میں ڈالے، وہ اس کا خاص اہتمام کرے اور وہ اس کا مطلوب اور مقصد بن جائے۔

فوائد:

۱۔ یہ حدیث جوامع الکلم سے ہے، الفاظ کم ہیں، مگر معانی بہت وسیع ہیں۔

۲۔ اس حدیث میں بے مقصد اور بے فائدہ اقوال کا ترک بھی شامل ہے اور بے فائدہ اعمال و عقائد کا ترک بھی، اگر آدمی ہر بات اور ہر کام سے پہلے یہ سوچ کہ مجھے اس کام کا دنیا یا آخرت میں کیا فائدہ ہے تو بے شمار باتیں اور بے شمار کام خود بخود اس سے چھوٹ جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ »

[البخاری : باب حفظ اللسان : ٦٤٧٥، مسلم]

”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔“

زیر بحث حدیث سے معلوم ہوا کہ بے فائدہ باتیں ہی نہیں بے فائدہ کام بھی چھوڑے گا تو یہ اس کے اسلام کی خوبصورتی کا ایک حصہ ہے جس کے بغیر اس کا اسلام خوبصورت نہیں ہو سکتا۔

۳۔ جب بے مقصد باتیں، بے مقصد کام اور بے مقصد نظریات ترک کر دیے جائیں تو ظاہر ہے کہ وہ اقوال، عقائد اور اعمال تو بدرجہ اولیٰ ترک ہو جائیں گے جو حرام یا مکروہ یا مشتبہ ہیں۔

۴۔ یہ مرتبہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جب انسان ہر وقت اسی طرح رہے گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ اللہ کو نہیں دیکھ رہا تو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس دھیان سے اس میں اللہ تعالیٰ سے حیا پیدا ہو گی اور وہ کوئی لایعنی، بے مقصد اور بے فائدہ کام نہیں کرے گا۔ اسی مرتبہ کو رسول اللہ ﷺ نے احسان قرار دیا اور اس حدیث میں اسے آدمی کے اسلام کا حسن قرار دیا۔

۵۔ بعض فقہاء مختلف احکام میں ایسے فرضی سوالات بنا بنا کر ان کے جوابات کا تکلف کرتے ہیں جو ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئے بلکہ ان کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں اور اسے علم کا کمال سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بے فائدہ اور بے مقصد کام ہے اور سراسر تکلف۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ ﴾ [ص : ۳۸/ ۸۶]

’’کہہ دے! میں تم سے اس پر کسی مزدوری کا سوال نہیں کرتا اور میں تکلف کرنے والوں سے نہیں ہوں۔‘‘

اس تکلف کی ایک مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قوم کی امامت وہ شخص کرائے جو ان میں سے قرآن کا زیادہ قاری ہے، اگر وہ قراءت میں برابر ہوں تو جو ان میں سے سنت کا زیادہ علم رکھتا ہے اور اگر وہ سنت کے علم میں برابر ہوں تو جس کی ہجرت قدیم ہے اور اگر وہ ہجرت میں برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہے۔‘‘ [مسلم، عن ابی مسعود الانصاری : ۶۷۳]

اگر اس سے زیادہ ضرورت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ ضرور بیان فرما دیتے۔ اب بعض حضرات نے اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے مزید صورتیں پیدا کیں اور ان کا جواب اپنے پاس سے دیا جب کہ انھیں شریعت بنانے کا حق اللہ تعالیٰ نے ہرگز نہیں دیا تھا۔

۶۔ اس حدیث کی رو سے بے فائدہ دیکھنا، سننا، پڑھنا، بولنا، کھیلنا، سونا اور دوسرے تمام بے فائدہ کام آدمی کے اسلام کی خوبی کے خلاف ہیں، مثلاً ناول، افسانے، گیت، اخبارات کا بیشتر حصہ، بے فائدہ کتابیں، اکثر کھیل، تاش وغیرہ، ضرورت سے زیادہ وقت سونے میں صرف کر دینا بے مقصد اور لایعنی کام ہیں، ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

پیٹ بھر کر کھانے کی مذمت

۱۳۹۲/۹۔ ((وَ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا مَلَأَ ابْنُ آدَمَ

وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنِهِ)) [أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ حَسَّنَهُ]

''مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابن آدم نے کوئی برتن نہیں بھرا جو اس کے پیٹ سے برا ہو۔''

تخریج:

[صحیح۔ ترمذی : ۲۳۸۰۔ حاکم : ۱۲۱/۴۔ احمد : ۱۳۲/۴۔ ابن حبان : ۱۳۴۹]

مسند احمد میں اس کی سند یوں ہے:

((حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ قَالَ حَدَّثَنَا، سُلَيْمَانُ بْنُ سُلَيْمٍ الْكِنَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَابِرٍ الطَّائِيُّ قَالَ سَمِعْتُ الْمِقْدَامَ بْنَ مَعْدِيكَرِبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

شیخ البانی نے اس سند کو صحیح متصل اور حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے ارواء الغلیل (۷/۴۱، ۴۲) ترمذی نے فرمایا حسن صحیح ہے، حاکم نے اس پر سکوت فرمایا، ذہبی نے فرمایا: ''قلت: صحیح''

اس حدیث کا بقیہ حصہ یہ ہے:

((بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَ ثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَ ثُلُثٌ لِلنَّفَسِ))

''ابن آدم کو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں سو اگر اسے ضروری کھانا ہو تو تیسرا حصہ کھانے کے لیے اور تیسرا پینے کے لیے اور تیسرا سانس کے لیے۔''

صحیح ابن حبان میں ہے:

((فَإِنْ كَانَ فَاعِلاً لَا مَحَالَةَ...... الخ))

اور ابن ماجہ میں ہے:

((فَإِنْ غَلَبَتْ لِآدَمِيِّ نَفْسُهُ فَثُلُثٌ لِلطَّعَامِ وَ ثُلُثٌ لِلشَّرَابِ وَ ثُلُثٌ لِلنَّفَسِ)) [صحيح ابن ماجه : ٢٧٠٤]

"سو اگر آدمی پر اس کا نفس غالب آ جائے تو تیسرا حصہ کھانے کے لیے کرے، تیسرا پینے کے لیے اور تیسرا سانس کے لیے۔"

فوائد:

۱۔ اس حدیث میں پیٹ بھر کر کھانے کی مذمت بیان کی گئی ہے، کیونکہ آدمی کے بدن کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور اس کے دین کے لیے بھی، ضرورت سے زائد کھانا مختلف بیماریوں کا باعث ہے، انسان کی طبیعت کو بوجھل کرتا ہے، جس سے وہ آسانی سے ساتھ اللہ کے احکام ادا نہیں کر سکتا۔

۲۔ ابن رجب نے فرمایا: "ابن ابی ماسویہ طبیب نے یہ حدیث پڑھی تو کہنے لگا اگر لوگ اس پر عمل کریں تو بیماریوں سے محفوظ رہیں اور ہسپتال اور دوا فروشوں کی دکانیں بے کار ہو جائیں۔
(توضیح) عرب کے مشہور طبیب حارث بن کلدہ نے کہا: "معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز علاج کا اصل ہے۔"

۳۔ زیادہ کھانے سے پانی زیادہ پینے کی ضرورت پڑتی ہے، جس کے نتیجے میں نیند زیادہ آتی ہے، پیشاب اور پاخانے کی حاجت زیادہ ہوتی ہے، آدمی کی عمر عزیز کا بیشتر حصہ انھی چیزوں میں برباد ہو جاتا ہے۔

۴۔ زیادہ کھانے سے حرص بڑھتی ہے، جسے پورا کرنے کے لیے آدمی زیادہ سے زیادہ وقت کھانے پینے کی چیزیں مہیا کرنے میں صرف کرتا ہے، سب سے پہلے تو اتنی آمدنی ہو کہ نفس کی حرص پوری ہو سکے پھر چیزیں خریدنا پھر لذیذ سے لذیذ کھانوں کی تیاری، غرض اس برے برتن کو بھرتے بھرتے ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

۵۔ زیادہ کھانے سے پیٹ میں فضول مادے جمع ہو جاتے ہیں، فاسد بخارات پیدا ہو کر دماغ کو چڑھتے ہیں، معدے اور آنتوں میں زہریلے مادے اور خمیر پیدا ہو کر مختلف امراض کا باعث بنتے ہیں، شوگر، بلڈ پریشر، السر، دل کی شریانوں میں رکاوٹ وغیرہ بسیار خوری کا ہی نتیجہ ہیں۔ آہستہ آہستہ پیٹ پھولنے لگتا ہے اور جسم موٹا ہو جاتا ہے جو خود ایک بیماری اور مصیبت ہے۔ معنوی نقصان یہ ہوتا ہے کہ طبیعت سست ہو جاتی ہے، دل کی روشنی بجھ جاتی ہے، ہمت پست ہو جاتی ہے اور موٹا ہونے کے باوجود کمزور ہو جاتا ہے۔

۶۔ مقوی اور لذیذ کھانے زیادہ سے زیادہ کھانے کے نتیجے میں شہوت بڑھتی ہے حرص کی وجہ سے طبیعت پر پہلے ہی ضبط نہیں ہوتا، چنانچہ ہر وقت گناہ میں مبتلا ہونے کے خطرے سے دوچار رہتا ہے۔

۷۔ ان تمام بیماریوں کا علاج کم کھانا ہے، جس سے حرص کم ہوتی ہے، طبیعت ہوشیار، دماغ بیدار، دل روشن، جسم ہلکا پھلکا اور قوی ہو جاتا ہے، اکثر بیماریاں قریب نہیں پھٹکتیں، اللہ کی اطاعت کے لیے بہت سا وقت نکل آتا ہے، تہجد اور دوسرے اعمال آسانی سے کر سکتا ہے، گناہوں کی رغبت کم ہو جاتی ہے، نفس امارہ مایوس رہتا ہے۔

۸۔ رسول اللہ ﷺ نے انسان کے لیے چند لقمے ہی کافی قرار دیے اور وہ بھی چھوٹے کیونکہ ایک روایت میں لُقَيْمَاتٌ کا لفظ بھی آیا ہے۔ [صحیح ابن ماجہ : ٢٧٠٤]

أُكُلَاتٌ یا لُقَيْمَاتٌ جمع مؤنث سالم ہے جو نکرہ ہے اور الف لام سے خالی ہے۔ عام طور

پر یہ جمع قلت کے لیے استعمال ہوتی ہے، جس کا اطلاق تین سے دس تک ہوتا ہے، اگر صبر ہو سکے تو یہ بہترین مقدار ہے جو آدمی کے لیے کافی ہے، اگر نفس غالب ہو تو آخری حد یہ بیان فرمائی کہ ایک حصہ کھانے سے، ایک پینے سے پر کرنے کے بعد تیسرا حصہ سانس کے لیے خالی رکھے۔ اس سے زیادہ کھائے گا تو یہ اسراف ہے۔

۹۔ بعض صوفیاء نے بھوک کی فضیلت بیان کرتے کرتے بات یہاں تک پہنچا دی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ہی ترک کر دیا۔ کسی نے دودھ پینا چھوڑ دیا، کسی نے لذیذ کھانا چھوڑ دیا، یہ طریقہ بھی اسوۂ رسول کے خلاف ہے:

﴿ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴾ [الاعراف : ۷/ ۳۱]

''کھاؤ، پیو اور اسراف نہ کرو، یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''

یہ بھی اسراف ہے کہ اپنے نفس کو بھوک کے عذاب میں رکھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) [بخاری]

''یقیناً تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔'' اور یہ افراط ہے کہ اس برے برتن کو بھرتا ہی رہے۔''

خطا کرنے والوں میں سب سے بہتر توبہ کرنے والے ہیں

۱۳۹۳/۱۰۔ ((وَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءٌ ، وَ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ)) [أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَهْ ، وَ سَنَدُهُ قَوِيٌّ]

''انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدم کی تمام اولاد بہت خطا

کرنے والی ہے اور بہت خطا کرنے والوں میں سب سے بہتر بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔" (اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور اس کی سند قوی ہے)

تخریج:

[حسن] (ترمذی : ۲٤۹۹۔ ابن ماجہ : ٤۲٥۱۔ البانی نے صحیح الترمذی میں اسے حسن قرار دیا ہے نیز دیکھیے تحفۃ الاشراف : ۳٤۰/۱]

فوائد:

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطا سے کوئی انسان بھی خالی نہیں ہے، کیونکہ وہ پیدا ہی کمزور کیا گیا ہے: ﴿ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ﴾ [النساء: ۲۸] "اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔" اس سے اللہ کے احکام کی ادائیگی اور اس کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب میں کچھ نہ کچھ غفلت ہو ہی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ منشا نہیں کہ انسان سے کوئی خطا سرزد نہ ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خطا ہونے پر پلٹ آئے، توبہ واستغفار کرے۔ بندے کی توبہ پر اللہ تعالیٰ اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو جنگل میں سواری گم ہونے پر موت کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک اس کی سواری مع سازو سامان اسے دوبارہ مل گئی اور وہ خوشی سے بے خود ہو کر یہ کہہ اٹھا کہ "یا اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب۔" [مسلم عن انس رضی اللہ عنہ]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمھیں لے جائے اور ایسی قوم لے آئے جو گناہ کرے پھر استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ انھیں بخشے۔" [مسلم : ۲۷٤۹، التوبۃ: ۲]

۲۔ گناہ سرزد ہونے کے بعد توبہ و استغفار سے بندے کو قرب کا وہ مقام حاصل ہوتا ہے جو کوئی گناہ سرزد نہ ہونے سے اسے حاصل نہ ہوتا:

﴿ فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴾

[الفرقان : ۲۵/۷۰]

''یہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

آدم علیہ السلام کو منع کردہ پودا کھانے کے بعد استغفار سے اور یونس علیہ السلام کو بغیر اجازت جانے پر مچھلی کے پیٹ میں:

﴿ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴾

پڑھنے سے درجات کی مزید بلندی ہی حاصل ہوئی۔ توبہ و استغفار کی وجہ سے یہ خطائیں ان کے مقام میں کسی کمی کا باعث نہیں بن سکیں۔

خاموشی دانائی ہے

۱۳۹۴/۱۱۔ ((وَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلصَّمْتُ حِكْمَةٌ وَ قَلِيْلٌ فَاعِلُهُ))

[أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الشُّعَبِ بِسَنَدٍ ضَعِيْفٍ وَ صَحَّحَ أَنَّهُ مَوْقُوْفٌ مِنْ قَوْلِ لُقْمَانَ الْحَكِيْمِ]

''انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خاموشی دانائی ہے اور اسے

(اختیار) کرنے والے کم ہیں۔" (اسے بیہقی نے شعب الایمان میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور صحیح یہ بات قرار دی ہے کہ یہ لقمان حکیم کا قول ہے جو انس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے)

تخریج:

[ضعیف۔ شعب الایمان للبیهقی : ۵۰۲۰۷۔ البانی نے اسے ضعیف الجامع الصغیر : ۳۵۵۷میں ذکر کیا ہے]

شعب الایمان میں جو الفاظ مجھے ملے ہیں، یہ ہیں: ((اَلصَّمْتُ حُكْمٌ وَ قَلِيلٌ فَاعِلُهُ))

زین الدین عراقی نے احادیث احیاء العلوم کی تخریج میں فرمایا کہ بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن حبان نے روضۃ العقلاء میں انس رضی اللہ عنہ تک صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یہ لقمان حکیم کا قول ہے۔ (توضیح)

فوائد:

۱۔ شعب الایمان (۵۰۲۶) میں اس کا سبب یہ بیان ہوا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لقمان رحمہ اللہ داؤد علیہ السلام کے پاس تھے اور داؤد علیہ السلام ہاتھوں کے ساتھ زرہ بنا رہے تھے، لقمان کو انھیں دیکھ کر تعجب ہو رہا تھا اور ارادہ بن رہا تھا کہ ان سے پوچھیں، مگر ان کی دانائی پوچھنے سے مانع تھی۔ جب داؤد علیہ السلام زرہ بنا چکے تو اپنے جسم پر پہن کر فرمانے لگے لڑائی کے لیے یہ قمیص اچھی ہے۔ لقمان رحمہ اللہ نے فرمایا: "خاموشی دانائی سے ہے اور اسے (اختیار) کرنے والے کم ہیں، میرا ارادہ آپ سے پوچھنے کا تھا، مگر میں خاموش رہا یہاں تک کہ آپ نے خود ہی مجھے بتا دیا۔"

خلاصہ یہ کہ یہ حکایت حدیث نبوی سے ثابت نہیں البتہ انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے، جس میں انھوں نے

لقمان حکیم کا مقولہ ذکر فرمایا ہے۔ اب آگے انس رضی اللہ عنہ تک لقمان حکیم کی یہ بات کس ذریعے سے پہنچی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

۲۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، مگر خاموشی کی تعریف کئی صحیح احادیث میں بھی آئی ہے اور عقلمندوں اور شاعروں نے مختلف انداز میں اس کی مدح کی ہے۔

⌘ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴾ [ق : ۱۸]

"آدمی جو بات بھی منہ سے بولتا ہے اس کے پاس ایک تیار نگہبان موجود ہوتا ہے۔"

⌘ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَمَتَ نَجَا)) [ترمذی عن عبداللہ بن عمرو، سلسلة الاحادیث الصحیحة : ۵۳۶]

"جو خاموش رہا نجات پا گیا۔"

مراد ایسی باتوں سے خاموشی ہے جن کا کوئی فائدہ نہیں۔

⌘ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "نجات کیا ہے؟" فرمایا:

((أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ)) "اپنی زبان اپنے آپ پر روک کر رکھ۔"

[صحیح الترمذی، ۱۹۶۱، باب حفظ اللسان]

⌘ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو اس کے دو جبڑوں اور دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی زبان اور شرمگاہ) میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔"

[بخاری : ۶۴۷۴، ۶۸۰۷]

✽ اور معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''کیا ہم جو کچھ کہتے ہیں اس پر بھی مؤاخذہ ہوگا۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھاری ماں تمھیں گم کرے زبان کی کاٹی ہوئی باتوں کے علاوہ لوگوں کو نتھنوں کے بل آگ میں کون سی چیز گرائے گی؟'' [صحیح الترمذی : ۲۱۱۰]

✽ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ)) ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔'' [بخاری : ۶۱۳۸، ۶۴۷۵]

۳۔ زبان کی آفات شمار سے باہر ہیں، باطل اور گندے کاموں کے تذکرے پر چل پڑی تو اللہ کی نافرمانوں کا تذکرہ مزے لے لے کر بیان کرے گی۔ معشوقوں سے ملاقات اور گناہ کی مجلسوں کے تذکرے، زنا کے قصے، نافرمانوں کی باتیں، بدکاروں کی گھاتیں، دولت مندوں کی فضول خرچیاں، ظالم و جابر لوگوں کی چیرہ دستیاں، ان کے مذموم رسوم و رواج خوبصورت بنا کر پیش کرے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ مجلسوں کی رونق، سینماؤں کی آبادی، افسانوں اور ناولوں کی دلچسپی انھی حرام کاموں کے تذکرے سے ہے جو مسلمان کے لیے سرے سے جائز ہی نہیں۔

علاوہ ازیں غیبت، چغلی، دنگا، فساد، ٹھٹھا، مذاق، گالی گلوچ، بدزبانی، جھوٹ، کفر اور بدعہدی سب زبان کی آفات ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں سب سے محفوظ رکھے۔

۴۔ خاموشی جو نجات کا باعث ہے یہ ہے کہ حرام، مکروہ، بے کار اور بے فائدہ باتوں سے خاموش رہے، ورنہ زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، کیونکہ یہی انسان کے دل کی بات کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ ایمان و اسلام، تلاوت و ذکر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تعلیم و تعلم، اہل و عیال اور دوستوں سے خوش کلامی سب اسی کے ذریعے سرانجام پاتے ہیں، اس لیے اس امت میں

مکمل خاموشی یا چپ کا روزہ رکھنا حرام ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی کھڑا ہے، آپ نے اس کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے بتایا یہ ابو اسرائیل ہے، اس نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑا ہی رہے گا نہ بیٹھے گا نہ سائے میں جائے گا نہ ہی بات کرے گا اور یہ کہ وہ روزہ رکھے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اسے کہو کہ بات کرے، سائے میں چلا جائے، بیٹھ جائے، ہاں روزہ پورا کر لے۔" [صحیح بخاری: ٦٧٠٤] اس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنے کی نذر بھی مان لی ہو تو پوری کرنی جائز نہیں۔

بَابُ التَّرْهِيْبِ مِنْ مَسَاوِي الْاَخْلَاقِ

حسد کے نقصانات

١٣٩٥/١- « عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِيَّاكُمْ وَ الْحَسَدَ، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ »
[أَخْرَجَهُ أَبُوْدَاوُدَ وَلِابْنِ مَاجَةَ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ نَحْوُهُ]

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حسد سے بچو! کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے، جس طرح آگ ایندھن کو۔" (اسے ابوداود نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے انس رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے)

تخریج:

[ضعیف۔ ابوداؤد : ٤٩٠٣] ابوداؤد کی سند میں جد ابراہیم مجہول ہے، باقی راوی موثق ہیں، بخاری نے فرمایا یہ صحیح نہیں۔ [دیکھیے سلسلة الاحادیث الضعیفة للالبانی : ١٩٠٢] اور ابن ماجہ میں انس رضی اللہ عنہ کی روایت (٤٢١٠) میں ایک راوی عیسیٰ بن ابی عیسیٰ حناط ہے جس کے متعلق تقریب میں ہے کہ وہ متروک ہے، اس لیے یہ سند بھی بہت ہی ضعیف ہے۔

[سلسلة ضعيفة : ١٩٠١]

فوائد:

ا۔ یہ روایت اگرچہ کمزور ہے، مگر حسد کی ممانعت کی صحیح احادیث بھی موجود ہیں، چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا تَبَاغَضُوا وَ لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا)) "ایک دوسرے کے مقابلے میں بغض نہ رکھو ایک دوسرے کے مقابلے میں حسد نہ کرو، ایک دوسرے کے مقابلے میں قطع تعلق نہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔" [صحيح بخاري : ٦٠٦٥]

اس حدیث میں حسد کرنے والے کے مقابلے میں اس پر حسد کرنا منع فرمایا گیا ہے تو اس شخص پر حسد کرنا بدرجہ اولیٰ حرام ہوا جو تم پر حسد نہیں کرتا۔" (فتح)

۲۔ حسد کا معنی ہے کسی شخص پر اللہ کی نعمت کے زوال کی تمنا کرنا کہ یہ نعمت اسے کیوں ملی، یہ اس سے چھن جانی چاہیے پھر خواہ وہ حسد کرنے والے کو ملے یا نہ ملے۔

قباحت کے لحاظ سے حسد کے کئی درجے ہیں، سب سے بدتر یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمت دی ہے اس سے چھن جانے کی تمنا کے ساتھ ساتھ یہ کوشش بھی کرے کہ وہ نعمت اس سے چھن جائے، پھر بعض کی کوشش ہوتی ہے کہ اس سے چھن کر مجھے مل جائے اور بعض کو اس سے غرض نہیں ہوتی بلکہ وہ اسی پر خوش ہوتے ہیں کہ اس کے پاس یہ نعمت نہیں رہی۔

دوسرا یہ کہ عملی طور پر تو اسے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے لیکن دل میں یہ خواہش رکھے کہ اس کے پاس یہ نعمت نہ رہے۔

یہ دونوں صورتیں حرام ہیں اور سورۂ فلق میں ایسے حاسدوں کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی

گئی ہے: ﴿ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴾ ''اور حاسد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جب وہ حسد کرے۔''
یعنی حسد کے تقاضے کے مطابق زوال نعمت کی خواہش رکھے یا اس کے لیے عملی کوشش بھی کرے۔

حسد کی ایک صورت یہ ہے کہ دل میں خیال آتا ہے کہ اس شخص کو یہ نعمت کیوں ملی مگر آدمی اس خیال کو دل سے ہٹا دیتا ہے۔ نہ اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے نہ ہی ایسا ارادہ و خواہش رکھتا ہے کہ اس سے وہ نعمت چھن جائے اس پر مؤاخذہ نہیں۔ ایسے خیالات آ ہی جاتے ہیں، کیونکہ انسان کی طبیعت میں یہ بات رکھ دی گئی ہے کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کا کوئی ہم جنس کسی خوبی میں اس سے بڑھ کر ہو تو جو شخص ایسے خیال آنے پر انھیں دور کرنے کی کوشش کرے اور محسود کے ساتھ احسان کرے، اس کے لیے دعا کرے، اس کی خوبیاں عام بیان کرنا شروع کر دے تا کہ دل میں اس بھائی کے ساتھ حسد کی بجائے اس سے محبت پیدا ہو جائے تو یہ اس کے ایمان کے اعلیٰ درجہ کی علامت ہے۔

۳۔ حسد کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حاسد دراصل اللہ تعالیٰ پر ناراض ہوتا ہے کہ اس نے اسے وہ نعمت کیوں دی، پھر بندے پر اس کے کسی جرم کے بغیر ناراض ہوتا ہے کیونکہ اس نعمت کے حصول میں اس کا کچھ اختیار نہیں، تو حاسد دراصل اللہ کا بھی دشمن ہے، اللہ کے بندوں کا بھی دشمن ہے۔

۴۔ حسد کا علاج یہ ہے کہ یہ سوچے کہ حسد کا نقصان دین و دنیا میں حسد کرنے والے کو ہی ہے محسود کو کوئی نقصان نہیں، نہ دنیا میں نہ دین میں، بلکہ اسے دین و دنیا میں حاسد کے حسد سے فائدہ ہی ہوتا ہے۔

دین میں فائدہ یہ ہے کہ وہ مظلوم ہے، خصوصاً جب حاسد قول یا عمل سے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، قیامت کو اسے ظلم کا بدلا ملے گا اور ظالم حاسد نیکیوں سے مفلس رہ جائے گا اور دنیاوی

فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کے دشمن غم، فکر اور عذاب میں مبتلا رہیں اور حاسد جس عذاب اور مصیبت میں گرفتار ہے اس سے بڑی مصیبت کیا ہو سکتی ہے، وہ ہر وقت حسد کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے، اطمینان اور دلی سکون سے محروم ہوتا ہے۔

۵۔ حسد سے نجات پانے کے لیے مفید عمل یہ ہے کہ حسد کے تقاضے کے برعکس اس شخص کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے، اس کے لیے دعا کرے، اس کی تعریف کرے، یہ سمجھ کر کہ یہ جذبہ کبر کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے تواضع اختیار کرے، اللہ کی رضا پر راضی رہے، تو اس سے ان شاء اللہ اس بیماری کا علاج ہو جائے گا، گو یہ علاج مشکل اور تلخ ہے مگر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور نفس امارہ کا مقابلہ کرے تو آسان ہو جاتا ہے۔

۶۔ حسد آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے، کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی نافرمانی حسد ہی کی وجہ سے واقع ہوئی۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کو حسد کی وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، پھر سب سے پہلے قتل کا باعث بھی یہی بنا کہ قابیل نے ہابیل کو حسد کی بنا پر قتل کر دیا۔ برادران یوسف علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام اور ان کے والدین پر جو ظلم کیا اس کا باعث بھی یہی حسد تھا، یہودی لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں ایمان نہ لائے تو اس کا باعث بھی یہی حسد تھا:

﴿ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ [النسا: ۴/ ۵۴]

”بلکہ یہ لوگوں پر اس چیز میں حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ﴾

[البقرة: ۲/ ۱۰۹]

''بہت سے اہل کتاب کی خواہش ہے کہ تمھیں تمھارے ایمان کے بعد دوبارہ کافر بنا لیں اپنے نفسوں کے حسد کی وجہ سے۔''

۷۔ بعض اوقات حسد کا لفظ غبطہ یعنی رشک اور ریس کے معنی میں بھی آجاتا ہے یعنی کسی شخص پر اللہ تعالیٰ کی نعمت دیکھ کر یہ خواہش کرے کہ مجھے بھی یہ نعمت مل جائے لیکن یہ خواہش نہ ہو کہ اس سے یہ نعمت چھن جائے، یہ حرام نہیں، مگر صرف دو چیزوں پر ریس کرنا پسندیدہ ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَ آنَاءَ النَّهَارِ وَ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''حسد (ریس) نہیں مگر دو چیزوں میں، ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا تو وہ رات کی گھڑیوں اور دن کی گھڑیوں میں اس کے ساتھ قائم رہتا ہے اور ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو وہ رات اور دن کی گھڑیوں میں اس سے خرچ کرتا رہتا ہے۔'' (متفق علیہ)

اصل پہلوان وہ ہے جو غصے پر قابو پائے

۱۳۹۶/۲۔ ((وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بہت زیادہ طاقتور وہ نہیں جو (مقابل کو) بہت زیادہ پچھاڑنے والا ہے، بہت زیادہ طاقتور صرف وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔'' (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری : ۶۱۱۴۔ مسلم، البر والصلۃ : ۱۰۷، وغیرھما اور دیکھیے تحفۃ الاشراف : ۹/ ۲۳۲، ۱۰/ ۴۱]

مفردات:

''اَلصُّرَعَۃُ'' صاد کے ضمہ اور راء اور عین کے فتحہ کے ساتھ بروزن ''ھُمَزَۃٌ'' جو اپنی قوت سے دوسروں کو پچھاڑ دے، اگر راء کے سکون کے ساتھ اَلصُّرْعَۃُ ہو، تو اس کا معنی ہوگا وہ شخص جسے دوسرے پچھاڑ دیں، اسی طرح ضُحَکَۃٌ، خُدَعَۃٌ وغیرہ جس پر دوسرے ہنسیں، جسے دوسرے دھوکا دیں۔ ''تاء'' صفت مشبہ میں مبالغہ کے لیے ہے، تانیث کے لیے نہیں۔

فوائد:

۱۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے غصے پر قابو پانے والوں کی تعریف فرمائی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴾

[الشوریٰ : ۴۲/ ۳۷]

''وہ لوگ جو بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب غصے میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ ﴾

[آل عمران: ۳/ ۱۳۴]

''وہ لوگ جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پی جانے والے ہیں۔''

۲۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو کشتی کر رہے تھے۔ فرمایا: ''کیا ہو رہا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''فلاں آدمی جس سے بھی کشتی کرتا ہے اسے پچھاڑ (گرا) دیتا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''میں تمھیں اس سے زیادہ طاقت والا آدمی نہ بتاؤں؟ وہ آدمی جس سے کسی آدمی نے (غصہ دلانے والی) بات کی تو وہ اپنے غصے کو پی گیا، پس اس پر غالب آگیا، اپنے شیطان پر غالب آگیا اور اپنے ساتھی کے شیطان پر غالب آگیا۔''

[رواہ البزار بسند حسن فتح الباری: ۱۰، کتاب الادب، باب: ۷۶]

صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنے آپ سے "الصُّرَعَةُ" پچھاڑنے والا کسے شمار کرتے ہو؟'' انھوں نے کہا: ''جسے آدمی پچھاڑ نہ سکیں۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پچھاڑنے والا صرف وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔''

۳۔ غصے پر قابو پانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی طریقے سکھائے ہیں، سب سے پہلے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ غصے کو بھڑکانا، اصل میں شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا علاج بھی یہی ہے کہ شیطان سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾

[الأعراف: ۷/ ۲۰۰]

''اگر تمھیں شیطان کی طرف سے چوکا لگے (یعنی شیطان غصے کو مشتعل کر دے) تو اللہ کی پناہ مانگ یقیناً وہی سننے والا، جاننے والا ہے۔''

سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا تھا، دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کر رہے تھے ان میں سے ایک کا چہرہ سرخ ہو گیا اور گلے کی رگیں پھول گئیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے کہ اگر یہ وہ کلمہ کہہ لے تو اس کی یہ حالت ختم ہو جائے اگر یہ کہہ لے ((أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ)) تو جو کچھ اس پر گزر رہی ہے ختم ہو جائے۔ الحدیث [بخاری : ۳۲۸۲] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ)) ”جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو خاموش ہو جائے۔“ [احمد، صحیح الجامع : ٦٩٣]

ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ ”جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر غصہ ختم ہو جائے تو بہتر ورنہ لیٹ جائے۔“ [احمد، ابوداؤد، ابن حبان۔ صحیح الجامع : ٦٩٤]

۴۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی قوت جسمانی قوت نہیں بلکہ معنوی قوت ہے، تو جس طرح اجنبی دشمنوں سے جو اللہ کے دین کی مخالفت کریں، مقابلہ ضروری ہے اور اس کے لیے قوت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح نفس جب اللہ کے احکام کی مخالفت پر اتر آئے خصوصاً جب وہ غصے میں مشتعل ہو چکا ہو اور شیطان اس کو برابر بھڑکا رہا ہو۔ زبان سے گالی گلوچ، ہاتھ سے مارنے اور قتل کرنے پر آمادہ ہو، چہرہ سرخ بلکہ سیاہ ہو چکا ہو، جسم پر کپکپی طاری ہو، رگیں پھول چکی ہوں، دل بغض اور کینے سے بھر چکا ہو، اس وقت اس کا مقابلہ اور اس پر قابو پانا اجنبی دشمن پر قابو پانے سے بھی مشکل ہے اس لیے جو اس پر قابو پائے اس نے گویا کئی حریفوں کو زیر کیا، اس لیے اصل بہادر اور پہلوان وہ ہے۔

د۔ غصہ ایک طبعی خصلت ہے اسے روکنے اور اس پر قابو پانے کا حکم اس وقت ہے جب اس کی وجہ سے اللہ کے احکام کی مخالفت لازم آرہی ہو، ہاں اللہ کے احکام کی حفاظت کے لیے، اللہ کی نافرمانی کو روکنے اور اللہ کے دشمنوں سے لڑنے کے لیے غصہ آئے تو قابل تعریف ہے اور اللہ کی عطا کی ہوئی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ کے احکام کی پامالی کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ بھی سخت غصے میں آجاتے تھے۔ امام بخاری نے صحیح میں اس سلسلے میں پانچ احادیث بیان کی ہیں دیکھیے:
((كِتَابُ الْأَدَبِ بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْغَضَبِ وَ الشِّدَّةِ لِأَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى))

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾

[التحریم: ۹/۶۶۔ التوبۃ: ۷۳]

''اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کر اور ان پر سختی کر۔''

ظلم کا انجام

۱۳۹۷/۳۔ ((وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))
[مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ظلم، قیامت کے دن کئی اندھیرے ہوگا۔'' (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری : ۲٤٤۷۔ مسلم، البر والصلة : ۵۷۔ دیکھیے تحفة الاشراف : ٥/٤٥٨]

فوائد:

۱۔ اکثر اہل لغت اور علماء کے نزدیک ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کی اصل جگہ کے علاوہ رکھنا، مثلاً کسی کا حق دوسرے کو دے دینا، علاوہ ازیں حق بات جو دائرے کے مرکزی نقطے کی طرح صرف اور صرف ایک ہوتی ہے، اس سے تجاوز کو بھی ظلم کہا جاتا ہے، خواہ وہ تجاوز کم ہو یا زیادہ، اس لیے بڑا گناہ ہو یا چھوٹا سب پر ظلم کا لفظ بولا جاتا ہے، دیکھیے آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی تو انھیں ظالم کہا گیا اور ابلیس کو بھی ظالم کہا گیا، حالانکہ دونوں میں بے حد فرق ہے۔ (مفردات راغب)

۲۔ ظلم کی تین قسمیں ہیں:

(ا) اللہ تعالیٰ کے متعلق ظلم:

اس کی سب سے بڑی قسمیں کفر، شرک اور نفاق ہے کیونکہ مشرک اللہ کا حق مخلوق کو دیتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴾ [لقمان : ۳۱/۱۳]

''یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴾

[هود : ۱۱/۱۸]

''اور گواہ کہیں گے یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا خبردار! اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔''

ب: لوگوں پر ظلم:

ان آیات میں یہی مراد ہے:

﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ [الشوریٰ: ٤٢/٤٠]

''برائی کا بدلا برائی ہے اس جیسی۔''

اور فرمایا:

﴿ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِينَ ﴾ [الشوریٰ: ٤٢/٤٠]

''یقیناً وہ ظالموں سے محبت نہیں رکھتا۔''

﴿ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ ﴾ [الشوریٰ: ٤٢/٤٢]

''صرف ان لوگوں پر گرفت ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔''

لوگوں پر ظلم خواہ ان کی جان پر ہو یا مال پر یا عزت پر ہر طرح حرام ہے۔

ج: اپنی جان پر ظلم:

ان آیات میں یہی مراد ہے:

﴿ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ﴾ [الفاطر: ٣٥/٣٢]

''پھر ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ﴾ [القصص : ۲۸/۱۶]

''میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔''

اور فرمایا:

﴿ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ [البقرة : ۲/۳۵]

''پس تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔''

ان تینوں قسموں میں درحقیقت انسان اپنے آپ پر ہی ظلم کرتا ہے کیونکہ ان سب کا وبال اس کی جان پر ہی پڑنے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴾ [الأعراف ۷/۱۶۰]

''اور انھوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے آپ پر ہی ظلم کیا کرتے تھے۔''

۳۔ ظلم قیامت کے دن کئی اندھیرے ہوگا، اندھیروں سے مراد یا تو حقیقی اندھیرے ہیں یعنی ظالم کو قیامت کے دن روشنی نصیب نہیں ہوگی، جس سے وہ صحیح راستہ معلوم کر سکے جبکہ اہل ایمان کا حال یہ ہوگا:

﴿ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ ﴾ [التحریم : ۶۶/۸]

''ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔''

یا قیامت کے دن کی سختیاں مراد ہیں جیسا کہ:

﴿ قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾ [الأنعام : ۶/۶۳]

''کہہ دیجیے! کون ہے، جو تمھیں خشکی اور سمندروں کے اندھیروں سے نجات دیتا ہے۔''

اس آیت میں مذکور ظلمات کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد سختیاں ہیں یا قیامت کے دن

ظلم کی جو سزائیں ملیں گی وہ مراد ہیں۔ (سبل)

۳۔ ظلم قیامت کے دن کئی اندھیرے ہوگا، کیونکہ اگر وہ کفر و شرک کی صورت میں ہے تو اس کے مرتکب پر جنت حرام ہے:

﴿ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ﴾

[المائدة : ٥/٧٢]

"پکی بات یہ ہے کہ جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا آگ ہے۔"

اور اگر بندے پر ظلم ہے تو اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيهِ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهَا فَإِنَّهُ لَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَ لَا دِرْهَمٌ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُؤْخَذَ لِأَخِيهِ مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَخِيهِ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ))

[بخاری : ٦٥٣٤، ٢٤٤٩]

"جس شخص نے اپنے بھائی پر کوئی ظلم کیا ہو وہ اس سے معاف کروا لے کیونکہ وہاں درہم و دینار نہیں اس سے پہلے پہلے کہ اس کے بھائی کے لیے اس کی نیکیاں لے لی جائیں، اگر نیکیاں نہ ہوں تو اس کے بھائی کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں۔"

اب ظاہر ہے جب نیکیاں چھن جائیں گی تو نور کہاں سے آئے گا پھر تو اندھیرے ہی اندھیرے رہ جائیں گے۔

ظلم اور کنجوسی سے بچو

۱۳۹۸/٤۔ ((وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِتَّقُوا الظُّلْمَ ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ))
[أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

"جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن کئی اندھیرے ہوگا اور حرص سے بھری ہوئی کنجوسی سے بچو کیونکہ اس نے تم سے پہلوں کو برباد کر دیا۔" (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

تخریج:

[مسلم، البر والصلة : ٥٦ دیکھیے تحفة الاشراف : ۲/۲۱۸]

فوائد:

۱۔ شدید حرص جس کے ساتھ کنجوسی بھی ہو اور وہ آدمی کی عادت بن چکی ہو "اَلشُّحُّ" کہلاتی ہے۔

۲۔ صحیح مسلم میں پوری حدیث اس طرح ہے:

((وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَ هُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ))

"اور حرص سے بھری ہوئی شدید بخیلی سے بچو کیونکہ اس شدید بخیلی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا اس نے ابھار کر انھیں اس بات پر آمادہ کر دیا کہ انھوں نے اپنے خون بہا

دیے اور اپنے آپ پر حرام چیزیں حلال کر لیں۔"

شدید بخل اور شدید حرص کے نتیجے میں جب وہ دوسرے کے اموال و حقوق غصب کرنے لگے تو ہر طرف فتنہ و فساد اور لڑائی جھگڑے پھیل گئے پھر نہ اپنوں کی پروا رہی نہ غیروں کی، نہ حلال کی تمیز رہی نہ حرام کی، نتیجہ دنیا میں بھی بربادی اور آخرت میں بھی تباہی کی صورت میں نکلا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے بخل اور حرص کی مذمت فرمائی ہے:

﴿ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ [الحشر : ۵۹/۹]

"جو شخص اپنے نفس کی شدید حرص سے بچا لیا گیا تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ ﴾ [محمد : ۴۷/۳۸]

"اور جو شخص بخل کرے اس کے بخل کا وبال خود اسی پر ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ [آل عمران : ۳/ ۱۸۰]

"وہ لوگ جو اس چیز میں بخل کرتے ہیں جو انھیں اللہ نے دی ہے، ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ایسا کرنا ان کے لیے بہتر ہے بلکہ وہ ان کے لیے بہت ہی برا ہے عنقریب قیامت کے دن ان کے گلے میں اس چیز کا طوق ڈالا جائے گا جس میں انھوں نے بخل کیا تھا۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((شَرُّ مَا فِي رَجُلٍ شُحٌّ هَالِعٌ وَ جُبْنٌ خَالِعٌ))

[أبوداود عن أبي هريرة: ٢٥١١، صحيح أبي داود: ٢١٩٢]

''آدمی میں بدترین خصلت سخت گھبراہٹ میں ڈال دینے والی حد سے بڑھی کنجوسی ہے اور دل نکال دینے والی بزدلی ہے۔''

۴۔ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَ أَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَ أَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَ عَذَابِ الْقَبْرِ)) [بخاري عن سعد: ٦٣٧٤]

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں بخل سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں نکمی عمر سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنے سے اور قبر کے عذاب سے۔''

۵۔ بخل کیا ہے؟ عام طور پر ہر آدمی اپنے آپ کو سخی اور دوسرے کو بخیل سمجھتا ہے اور بعض اوقات آدمی ایک کام کرتا ہے تو کوئی اسے بخل قرار دیتا ہے، کوئی کہتا ہے یہ بخل نہیں ہے، تو وہ بخل جو باعث ہلاکت ہے اس کا ضابطہ کیا ہے؟

صاحب سبل فرماتے ہیں کہ سخاوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر جو چیزیں واجب فرمائی ہیں انھیں ادا کرے، واجب کی دو قسمیں ہیں ایک واجب شرعی مثلاً زکوۃ، ان لوگوں کے اخراجات جن کا نفقہ اس کے ذمے ہے اور دیگر مقامات جہاں اللہ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، دوسرا وہ واجب جو وعدے کی وجہ سے ضروری ٹھہرتا ہے یا انسانی شرافت اور مودت اس کا تقاضا کرتی ہے۔ جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کی ادائیگی سے ہاتھ کھینچے وہ بخیل ہے اور جو شخص اللہ کے حقوق مثلاً زکوۃ اور اہل و عیال کا نفقہ وغیرہ خوش دلی سے ادا کرے اور لوگوں سے معاملات میں معمولی معمولی چیزوں پر

تنگدلی اور باریک پڑتال سے بچ کر فراخ دلی کا معاملہ کرے یہ سخی ہے۔

۶۔ بخل کی بیماری کے دو سبب ہیں، پہلا ان خواہشات کی محبت جو مال اور لمبی امیدوں کے بغیر پوری نہیں ہو سکتیں۔ دوسرا خود مال سے محبت ہو جانا کہ یہ میرے پاس رہے، مثلاً روپے پیسے سے محبت تو اس لیے تھی کہ اس کے ذریعے ضروریات اور خواہشات پوری ہوتی ہیں، پھر جب معاملہ اور بڑھا تو خود روپے پیسے سے محبت ہو گئی، ضرورتیں اور خواہشیں بھول گئیں، روپیہ خود ضرورت اور خواہش بن گیا، یہ آدمی کے لیے انتہائی بدبختی کی بات ہے کیونکہ جب ضرورت میں خرچ ہی نہیں کرنا تو سونے اور پتھر میں کیا فرق ہے۔

۷۔ حرص اور بخل کا علاج یہ ہے کہ خواہشات کی محبت سے جان چھڑانے کے لیے اتنے پر قانع اور راضی ہو جائے جو اللہ نے اسے دیا ہے اور اسی پر صبر کرے۔ لمبی امیدوں کا علاج یہ ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کرے۔ اپنے ساتھیوں کی موت کی طرف توجہ کرے اور دیکھے کہ انھوں نے مال جمع کرنے، مکان اور جائداد بنانے میں کتنی محنت کی پھر کس طرح وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ بعض لوگ اپنے بچوں کے لیے مال میں بخل کرتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا کیا ہے، وہی انھیں رزق دے گا، خود اپنے آپ کو دیکھے بعض اوقات والدین اس کے لیے ایک پیسہ چھوڑ کر نہیں جاتے، پھر کون ہے جو اسے اس مقام پر پہنچاتا ہے۔

بخل کے علاج کے لیے قرآن مجید کی وہ آیات جو بخل سے روکتی ہیں، رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اللہ کے محبوب بندوں کی زندگی کو دیکھے، پھر بخل کے انجام پر غور کرے، کیونکہ جو بھی مال جمع کرتا ہے، لازماً آفات اور مصیبتوں کا نشانہ بنتا ہے۔

غرض سخاوت ہی دنیا اور آخرت میں انسان کے لیے خیر و برکت کا باعث ہے بشرطیکہ حد اعتدال

میں رہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴾

[الفرقان : ٢٥/٦٧]

''اور (رحمان کے بندے وہ ہیں) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ حد سے بڑھتے ہیں نہ بخیلی کرتے ہیں اور ان کا خرچ اس کے درمیان پورا پورا ہوتا ہے۔''

شرک اصغر......ریا

١٣٩٩/٥ـ ((وَ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ: الرِّيَاءُ)) [أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ]

''محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے زیادہ خوف والی چیز جس سے میں تم پر ڈرتا ہوں چھوٹا شرک ریا یعنی دکھاوا ہے۔'' (اسے احمد نے حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے)

تخریج:

[اسناد حسن ہے] مسند احمد: ٥/٤٢٨، ٤٢٩ میں پوری حدیث اس طرح ہے:

((إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَمَا الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ؟ قَالَ : الرِّيَاءُ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى يَقُوْلُ يَوْمَ تُجَازَى الْعِبَادُ بِأَعْمَالِهِمْ: اِذْهَبُوْا إِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ

تُرَاءُوْنَ بِأَعْمَالِكُمْ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَآءً؟))

''سب سے زیادہ خوف والی چیز جس کا مجھے تم پر ڈر ہے شرک اصغر ہے۔'' لوگوں نے پوچھا: ''یا رسول اللہ (ﷺ)! شرک اصغر کیا ہے؟'' فرمایا: ''دکھاوا، جس دن بندوں کو ان کے اعمال کا بدلا دیا جائے گا اس دن اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: ''جاؤ! ان لوگوں کے پاس جنھیں دکھانے کے لیے تم عمل کرتے تھے اور دیکھو! تمھیں ان کے ہاں کوئی بدلا ملتا ہے؟''

البانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ اسناد جید ہے، اس کے تمام راوی ثقہ اور شیخین کے راوی ہیں البتہ محمود ابن لبید صرف مسلم کے راوی ہیں۔'' حافظ (ابن حجر رحمہ اللہ) نے فرمایا: ''وہ صغیر صحابی ہیں، ان کی اکثر روایت صحابہ سے ہے۔'' میں کہتا ہوں: ''مسند میں ان سے کئی روایات رسول اللہ ﷺ سے بیان ہوئی ہیں۔'' انتہی [سلسلة الاحاديث الصحيحة : ٩٥١]

مفردات:

اَلرِّيَاءُ باب مفاعلۃ کا مصدر ہے: ((رَاْءٰى يُرَائِيْ مُرَاءَاةً وَ رِئَاءً)) جیسا کہ ((قَاتَلَ يُقَاتِلُ مُقَاتَلَةً وَ قِتَالًا)) یہ مہموز العین ہے کیونکہ یہ رؤیۃ سے مشتق ہے۔ تخفیف کر کے ہمزہ کو یاء سے بدل کر پڑھنا بھی درست ہے یعنی ریاء۔

لغت میں اس کا معنی یہ ہے کہ کسی کے سامنے اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرے جیسا وہ حقیقت میں نہیں ہے اور شرع میں یہ ہے کہ غیر اللہ کو مدنظر رکھ کر کوئی نیکی کرے یا کسی گناہ سے اجتناب کرے یا کوئی دنیوی مقصد حاصل کرنے کے لیے اپنا عمل لوگوں کو بتائے یا اس مقصد کے لیے کرے کہ لوگوں کو معلوم ہو۔ (سبل السلام)

فوائد:

۱۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر ریا کی مذمت کی ہے اور اسے منافقین کی صفت قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ [النساء : ٤/ ١٤٢]

''منافقین اللہ کو دھوکا دیتے ہیں اور وہ انھیں دھوکا دینے والا ہے اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کے لیے دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر کم۔''

اور فرمایا:

﴿ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴾ [الكهف : ١٨/ ١١٠]

''تو جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو وہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔''

یہاں عمل صالح سے مراد وہ عمل ہے جو کتاب و سنت کے مطابق ہو اور رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی عبادت مخلوق میں سے کسی کو دکھانے کے لیے نہ کرے اپنے عمل کو ریا سے برباد نہ کرے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ ﴾ [الماعون : ١٠٧/ ٤-٦]

''پس ویل ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔''

حدیث میں بھی ریا کے متعلق بہت وعید آئی ہے، ریا کار درحقیقت غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔
ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: ''ہمارا پروردگار اپنی پنڈلی ظاہر کرے گا تو ہر مومن مرد اور مومن عورت اس کو سجدہ کریں گے صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو دنیا میں ریا اور سُمْعَه (دکھانے اور سنانے) کے لیے سجدہ کرتے تھے، وہ سجدہ کرنے لگیں گے تو ان کی پیٹھ تختہ بن جائے گی (سجدہ نہیں کر سکیں گے)۔'' [بخاری، کتاب التفسیر، باب یوم یکشف عن ساق: ۴۹۱۹]

۲۔ حدیث میں ریا کو شرک اصغر کہا گیا ہے اس سے ریا کی قباحت ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ﴾ [النساء: ۴/ ۴۸]

''اللہ تعالیٰ یہ بات ہرگز معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ جسے چاہے گا بخش دے گا۔''

ہمیں ہر کام صرف اور صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرنا چاہیے اور اسی بات پر قانع رہنا چاہیے کہ ہمارا پروردگار جس کے لیے ہم ساری جدو جہد کر رہے ہیں ہمیں دیکھ رہا ہے، کسی دوسرے سے نہ کسی فائدے کی امید ہے نہ نقصان کا خوف اور اعمال میں اخفاء کی حتی الوسع کوشش کرنی چاہیے تاکہ ریا سے بچ سکیں۔

۳۔ ریا کی چند صورتیں:

پہلی یہ کہ صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے نیکی کا کوئی عمل کرے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی نیت ہی نہ ہو، مثلاً نماز صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے پڑھے جیسا کہ منافقین پڑھتے تھے، صدقہ صرف اس لیے

کرے کہ اسے بخیل نہ کہا جائے۔ یہ ریا کی بدترین صورت ہے اور یہ حقیقت میں مخلوق کی عبادت اور

اللہ کے ساتھ شرک ہے۔

دوسری یہ کہ اصل مقصد بندوں کو دکھانا اور ان سے کچھ حاصل کرنا ہو، ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے

ثواب کی نیت بھی ہو یا بندوں کو اور اللہ کو دکھانے کا ارادہ یکساں ہو یہ عبادت بھی غیر اللہ کو شریک بنانے

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو قبول نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَ شِرْكَهُ)) [مسلم عن أبي هريرة، الزهد : ٤٦]

”میں تمام حصہ داروں میں حصے سے زیادہ غنی ہوں جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس میں میرے

ساتھ میرے غیر کو بھی حصہ دار بنائے، میں اس کو اور اس کے حصے کو چھوڑ دیتا ہوں۔“

ابن ماجہ میں یہ روایت ان الفاظ سے آئی ہے:

((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ فَمَنْ عَمِلَ لِيْ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيهِ غَيْرِي فَأَنَا مِنْهُ بَرِيءٌ وَ هُوَ لِلَّذِي أَشْرَكَ))

”میں تمام حصہ داروں میں حصے سے زیادہ مستغنی ہوں سو جو شخص میرے لیے کوئی ایسا عمل

کرے جس میں میرے غیر کو حصہ دار بنائے تو میں اس سے بری ہوں اور وہ اسی کے لیے

ہے جسے اس نے حصہ دار بنایا۔“

۳۔ بعض اوقات آدمی صرف اللہ تعالیٰ سے ثواب کی نیت سے کوئی عمل کرتا ہے، مگر لوگوں کو اس لیے

دکھا کر کرتا ہے کہ وہ بھی اس پر عمل کریں تو یہ جائز ہے بلکہ اس کو دیکھ کر عمل کرنے والوں کے

ثواب میں بھی وہ شریک ہوگا اگرچہ چھپا کر کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس میں ریا کا امکان ہی

نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾

[البقرة: ٢/٢٧١]

"اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو وہ بہت ہی اچھا ہے اور اگر انھیں چھپاؤ اور فقراء کو دو تو وہ تمھارے لیے سب سے بہتر ہے۔"

۵۔ بعض اوقات آدمی خالص اللہ کے لیے کوئی عمل کرتا ہے، مگر کسی بزرگ مثلاً استاد، والد یا کسی نیک آدمی کے سامنے اس لیے کرتا ہے کہ وہ خوش ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے اور اس لیے کہ ان کے خوش ہونے پر بھی اللہ تعالیٰ خوش ہوگا، خود ان سے نہ کسی صلے کی نیت ہو نہ کسی دنیاوی فائدے کی تو یہ ریا نہیں بلکہ انہیں خوش کرنے میں بھی یہی مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ قُرُبَاتٍ عِندَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۚ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

[التوبة: ٩/٩٩]

"بعض اعرابی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی خرچ کی ہوئی چیزوں کو اللہ کے ہاں قریب ہونے کا اور رسول کی دعائیں حاصل کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں، یاد رکھو! یقیناً یہ ان کے لیے قریب ہونے کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خوب مزین کر کے قرآن پڑھنے کے ارادے کا اظہار کیا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ریا قرار نہیں دیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

کی آواز بہت ہی اچھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''ابوموسیٰ! یقیناً تمھیں آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا ہے (یعنی تمھیں داؤد علیہ السلام جیسی خوبصورت اور سریلی آواز دی گئی ہے جس کے ساتھ پہاڑ اور پرندے بھی تسبیح کرتے تھے)۔'' [بخاری، فضائل القرآن: ٥٠٤٨]

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کاش! تم مجھے اس وقت دیکھتے جب گزشتہ رات کان لگا کر میں تمھاری قراءت سن رہا تھا یقیناً تمھیں آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا ہے۔''

ابویعلیٰ نے سعید بن ابی بردہ سے انھوں نے اپنے باپ سے، انھوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مزید مفصل بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور عائشہ رضی اللہ عنہا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، وہ اپنے گھر میں قرآن پڑھ رہے تھے، دونوں کھڑے ہو کر ان کی قراءت کان لگا کر سننے لگے، پھر چلے گئے۔ صبح ہوئی تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا: ''اے ابوموسیٰ! کل رات میں تمھارے پاس سے گزرا اور میرے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں تم اس وقت اپنے گھر میں قرآن پڑھ رہے تھے ہم نے کھڑے ہو کر تمھارا قرآن سنا، ابوموسیٰ نے عرض کیا:

((أَمَا إِنِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! لَوْ عَلِمْتُ لَحَبَّرْتُ لَكَ تَحْبِيْرًا))

''یارسول اللہ ﷺ! اگر مجھے معلوم ہو جاتا تو میں آپ کی خاطر قرآن کو بہت ہی مزین کر کے پڑھتا۔'' [مسند ابو یعلی: ٦/١٤٠١ حدیث: ٧٢٤٢]

ابن سعد رحمہ اللہ نے انس رضی اللہ عنہ سے ایسی سند کے ساتھ جو مسلم کی شرط پر ہے، روایت کیا ہے کہ ایک رات ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، تو نبی کریم ﷺ کی بیویوں نے ان کی آواز سنی، ان کی آواز بہت میٹھی تھی تو وہ کھڑی ہو گئیں اور کان لگا کر سننے لگیں، جب صبح ہوئی تو انھیں یہ بات

بتائی گئی۔ کہنے لگے: "اگر مجھے معلوم ہو جاتا تو ان کے لیے اسے خوب مزین کر کے پڑھتا۔"

رویانی نے یہی روایت مالک بن مغول عن عبداللہ بن بریدہ عن ابیہ کی سند سے سعید بن ابی بردۃ (یعنی ابویعلی والی روایت) کی طرح بیان کی ہے، اس میں ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا:

((لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ لِقِرَاءَ تِيْ لَحَبَّرْتُهَا تَحْبِيْرًا))

"اگر مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری قراءت پر کان لگائے ہوئے ہیں تو میں اسے خوب مزین کر کے پڑھتا۔"

اس روایت کا اصل احمد کے ہاں موجود ہے۔[فتح الباری شرح حدیث : ۵۰۴۸]

۔ بعض اوقات آدمی نیکی کا کام کرنے والوں کے ساتھ مل کر زیادہ خوش دلی سے عبادت کر لیتا ہے۔ اسے خیال گزرتا ہے کہ یہ تو ریا ہے، ممکن ہے کبھی ایسا بھی ہو جب اس کی نیت خراب ہو جائے لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر صاحب ایمان کے دل میں نیکی کی رغبت ہوتی ہے، مگر مختلف مصروفیات، دنیاوی خواہشات اور غفلتوں کی وجہ سے نیکی نہیں کر پاتا جب دوسروں کو نیکی کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو شوق بھڑک اٹھتا ہے، غفلت کا پردہ اترتا ہے اور نیکی کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

جب وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کے لیے نیکی کر رہا ہے تو اسے ریا نہیں کہا جا سکتا، جماعت کے ساتھ مل کر رہنے میں اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں دوسرے فوائد کے علاوہ یہ فائدہ بھی ہے کہ اس سے نیکیوں میں مقابلے کا جذبہ برقرار رہتا ہے اور آدمی سست نہیں ہوتا:

﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ﴾ [البقرۃ : ۱۴۸] "پس تم نیکیوں میں سبقت کرو۔"

ہے۔ اگر کوئی شخص خالص اللہ کے لیے عمل کرے مگر اللہ تعالیٰ اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے، وہ اس کی تعریف کریں تو یہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے، اگر اس پر اسے خوشی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ "ایک آدمی اللہ کے لیے نیک عمل کرتا ہے اور اس پر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ)) "یہ مومن کو جلدی مل جانے والی بشارت ہے۔"
[مسلم، ح: ٢٦٤٢، ص: ٢٠٣٤]

منافق کی علامات

٦/١٤٠٠۔ ((وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَ إِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَ إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) [وَلَهُمَا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: وَ إِذَا خَاصَمَ فَجَرَ] [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "منافق کی نشانیاں تین ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ کہے، جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کو امانتدار سمجھا جائے تو خیانت کرے۔" (بخاری و مسلم)

"اور ان دونوں کے لیے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے: "اور جب جھگڑے تو بد زبانی کرے۔"

تخریج:

[ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، بخاری : ۳۳۔ مسلم : الایمان: ۵۹، وغیرھما] عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث بخاری : ۳۴۔ مسلم:الایمان : ۵۸۔ وغیرھما]

صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت اس طرح ہے:

((آیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ وَ إِنْ صَامَ وَ صَلّٰی وَ زَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ))

''منافق کی نشانیاں تین ہیں خواہ وہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور گمان رکھے کہ وہ مسلم ہے۔''

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ صحیح بخاری میں اس طرح ہیں:

((أَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَ مَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا، إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَ إِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَ إِذَا خَاصَمَ فَجَرَ))

''چار چیزیں ہیں جس شخص میں وہ ہوں خالص منافق ہوتا ہے اور جس شخص میں ان خصلتوں میں سے کوئی ایک ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ جب اسے امانتدار سمجھا جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ کہے، جب عہد کرے تو اسے توڑ ڈالے اور جب جھگڑے تو بدزبانی کرے۔''

مفردات:

مُنَافِقٌ نَافَقَاءُ سے مشتق ہے جو جنگلی چوہے (یربوع) کے بل کا ایک منہ ہوتا ہے اور وہ

اسے اس طرح بناتا ہے کہ اس جگہ مٹی کی صرف اتنی تہہ رہنے دیتا ہے کہ سر مارے تو کھل جائے، اس منہ کو وہ چھپا کر رکھتا ہے، دوسرا منہ ظاہر کر دیتا ہے، منافق بھی چونکہ اپنا کفر چھپاتا اور ایمان ظاہر کرتا ہے اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ (توضیح)

آيَةٌ اصل میں أَيَيَةٌ تھا، یاء متحرک اور اس کا ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے یاء کو الف سے بدل دیا۔

أُوْتُمِنَ باب افتعال سے ماضی مجہول ہے۔ اِئْتَمَنَهُ اس نے اس کو امین سمجھا۔

فوائد:

۱۔ نفاق کا اصل یہ ہے کہ منافق کفر کو چھپاتا ہے اور ایمان کو ظاہر کرتا ہے۔ دل میں کفر کے باوجود ایمان کا دعوی کرتا ہے:

﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ [المنافقون : ۱]

''اور اللہ تعالی شہادت دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ نفاق کی اصل بنیاد جھوٹ ہے۔

۲۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴾

[النحل : ۱۶/ ۱۰۵]

''جھوٹ صرف وہ لوگ باندھتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ اصل جھوٹے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹ ایمان کی ضد ہے۔

۳۔ ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما دونوں کی روایت کو جمع کریں تو منافق کی پانچ علامتیں بنتی ہیں:

۱۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔

۲۔ وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے۔

۳۔ عہد کرے تو توڑ ڈالے۔

۴۔ امانتدار سمجھا جائے تو خیانت کرے۔

۵۔ جھگڑے تو بدزبانی کرے۔

اگر غور کریں تو جھگڑتے وقت بدزبانی کرنا پہلی علامت یعنی "بات کرے تو جھوٹ بولے" میں شامل ہے اور اس کی ہی ایک خاص صورت ہے کیونکہ عموماً جھوٹ باندھے بغیر بدزبانی مشکل ہے، عہد کرے تو توڑ ڈالے۔ دوسری علامت یعنی وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے، میں شامل ہے۔" اگرچہ عہد وعدہ کی نسبت زیادہ پختہ ہوتا ہے اور بعض اوقات اس میں قسم بھی ہوتی ہے، مگر بنیادی طور پر ملتے جلتے ہیں۔

اب اصل علامتیں تین ہی رہ گئیں جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان تینوں علامتوں کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دیانت ہر طرح سے ختم ہو گئی ہے، کیونکہ دیانت تین طرح کی ہوتی ہے، قول میں دیانت، فعل میں دیانت اور نیت میں دیانت:

(الف) "جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔" یہ زبان کی بددیانتی ہے، لڑتے وقت بدزبانی بھی زبان کی بددیانتی ہے۔

(ب) "جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے۔" یہ نیت کی بددیانتی کا اور جھوٹی نیت کا نتیجہ ہے، کیونکہ آدمی گناہ گار اس وقت ہے جب وعدہ یا عہد کرتے وقت اس کی نیت ہی وفا کی نہ ہو یا

بعد میں وفا کی نیت پر قائم نہ رہے، اگر نیت وعدہ وفا کرنے کی ہے، مگر حالات کے ہاتھوں بے اختیار ہونے کی وجہ سے وعدہ وفا نہ کر سکا تو اس پر مواخذہ نہیں۔ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ "اللہ تعالیٰ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا، مگر اس کی طاقت کے مطابق۔" [البقرة:٢٨٦]

(۸) "جب اسے امین سمجھا جائے تو خیانت کرے" یہ فعل کی بددیانتی اور عملی جھوٹ ہے، گو اس کے ساتھ زبان اور نیت کی بددیانتی بھی شامل ہو جاتی ہے۔

(۹) یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ علامتیں تو بعض اوقات مسلمان میں بھی پائی جاتی ہیں، تو کیا اسے منافق قرار دیا جائے گا؟ اس سوال کا جواب کئی طریقے سے دیا گیا ہے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں ایک اعتقادی نفاق یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اس کا ایمان ہی نہیں صرف زبانی کلمہ پڑھا ہے، لوگ اسے مسلمان سمجھ رہے ہیں حالانکہ وہ دل سے مسلمان ہی نہیں، یہ نفاق اکبر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسی نفاق والوں کو کافر قرار دیا گیا اور انھیں آگ کے درک اسفل میں ہونے کی وعید سنائی گئی۔ اب بھی کئی کمیونسٹ، سیکولر، ڈیموکریٹ دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتے، صرف مسلمان معاشرے میں اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں۔

دوسرا عملی نفاق کہ انسان ظاہر یہ کرے کہ وہ اچھے عمل کا مالک ہے مگر حقیقت میں اچھے عمل والا نہ ہو، اس نفاق کی بنیادی چیزیں اس حدیث میں ذکر کی گئی ہیں کہ جب یہ تمام جمع ہو جائیں تو عمل سرے سے ہی فاسد ہو جاتا ہے یعنی بات کرتے وقت ظاہر یہ کر رہا ہے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے حالانکہ اس کا باطن اس کے خلاف ہے اور وہ خلاف واقع بات کر رہا ہے۔

ظاہر اس کا یہ ہے کہ لوگ اسے امین سمجھ رہے ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ امین نہیں۔ وعدہ کرتے

ہوئے اسے پورا کرنے کا تاثر دے رہا ہے، مگر نیت پورا کرنے کی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس حدیث میں عملی نفاق کی علامات ذکر کی گئی ہیں اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ فرمایا جس میں ایک علامت ہوگی، اس میں نفاق کی ایک علامت ہوگی اور سب ہوں گی تو خالص منافق ہوگا۔ اعتقادی نفاق والے میں یہ درجہ بندی نہیں ہوتی وہ تو اللہ کے ہاں سرے سے ہی کافر ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ایک آدھ دفعہ ان گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھے تو آدمی منافق ہو جاتا ہے، کیونکہ مومن سے بھی گناہ سرزد ہو سکتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ گناہ اس کی عادت بن جائیں روزمرہ کا وتیرہ ہی یہ ہو تو وہ منافق ہے۔ جب یہ علامتیں پوری جمع ہو جائیں تو ممکن ہی نہیں کہ اس کا اللہ اور اس کے رسول پر دل سے ایمان ہو، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اس کی عادت ہر بات میں جھوٹ کی ہو جائے، کوئی وعدہ پورا نہ کرے، کسی امانت میں امین نہ رہے تو صرف عملی ہی نہیں اعتقادی منافق بھی ہوگا کیونکہ بات کرنے اور وعدہ کرنے میں ایمان کا اقرار بھی شامل ہے، اس میں بھی جھوٹ بولے تو یہ صرف عملی منافق کیسے رہا، جھوٹ تو اہل ایمان کا شیوہ ہی نہیں۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴾

[النحل : ۱۶/۱۰۵]

”جھوٹ صرف وہ لوگ باندھتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ اصل جھوٹے ہیں۔“

اور ہر بات، ہر عمل اور نیت میں جھوٹ ہی جھوٹ ہو تو ایمان کیسے باقی رہ سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ وَ إِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ)) [البخاري : ٦٠٩٤]

''جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ حق سے ہٹ جانے کی طرف لے جاتا ہے اور حق سے ہٹ جانا آگ کی طرف لے جاتا ہے۔''

مسلمان کو گالی دینے اور اس سے لڑنے پر وعید

۱۴۰۱/۷۔ ((وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ، وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کو گالی دینا فسوق (نافرمانی) ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔'' (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاري : ٦٠٤٤۔ مسلم : الايمان /٦٤ وغيرهما، ديكهے تحفة الاشراف : ٧/ ٣٥۔ ٧/ ٥٥، ٧/ ٣٩، ٧/ ١٣٠، ٧/ ١٣٥، ٧/ ١٢٩، ٧/ ٣١٤، ٧/ ٣٤٩]

مفردات:

سِبَابٌ، سَبَّ يَسُبُّ (نَصَرَ يَنْصُرُ) کا مصدر، سَبٌّ اور سِبَابٌ دونوں طرح آتا ہے۔ گالی دینا۔ بعض نے فرمایا یہاں سباب باب مفاعلہ میں سے ہے یعنی دونوں جانب سے گالی گلوچ

کرنا، اَلْمَسَبَّۃُ جسے گالی دی جائے دبر کو بھی مَسَبَّۃٌ کہا جاتا ہے کیونکہ گالی دیتے وقت اسی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ابراہیم حربی نے فرمایا سباب، سب سے زیادہ سخت اور تکلیف دہ گالی کو کہتے ہیں کیونکہ سباب کا مطلب ہے کہ کسی آدمی کے ان عیوب کا ذکر کیا جائے جو اس میں ہیں اور ان کا بھی جو اس میں نہیں ہیں۔

قِتَالٌ باب مفاعلہ کا مصدر ہے، ایک دوسرے سے لڑنا۔

فُسُوْقٌ، نَصَرَ یَنْصُرُ کا مصدر ہے، فَسَقَ یَفْسُقُ فِسْقًا وَ فُسُوْقًا لغت میں اس کا معنی "نکلنا ہے۔" اور شرع میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے نکلنا مراد ہے۔ شرع میں یہ عصیان سے سخت ہے: ﴿ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ﴾ [الحجرات : ۴۹/۷] "اور اس نے کفر، فسوق اور عصیان کو تمھارے لیے ناپسند بنا دیا۔" (فتح)

فوائد:

۱۔ مسلمان کو گالی دینا اللہ کے حکم کی نافرمانی ہے، مقابلے میں بھی گالی دینے سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ مقابلے میں بھی زیادتی سے بچنا مشکل ہے۔

۲۔ اگر کوئی گالی دینے میں ابتدا کرے تو اس سے بدلا لینا جائز ہے، اگرچہ بہتر صبر ہے۔ ﴿ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ﴾ [الشوریٰ : ۴۱] "جو شخص ظلم کیے جانے کے بعد بدلا لے لے تو ان لوگوں پر کوئی گرفت نہیں۔" ﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴾ [الشوریٰ : ۴۱] "اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً یہ ہمت کا کام ہے۔"

۳۔ بدلا لینے میں شرط یہ ہے کہ صرف اتنی گالی دے جتنی اسے دی گئی ہے، زیادتی نہ کرے اور نہ...

بات کرے جو جھوٹ ہو، اس صورت میں دونوں کا گناہ گالی کی ابتدا کرنے والے پر ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِي مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ)) [مسلم عن ابی ھریرۃ : ۲۵۸۷] ''دو گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ بھی کہیں اس کا گناہ پہل کرنے والے پر ہے، جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے۔''

اگر دونوں ہی ایک دوسرے پر جھوٹ باندھیں تو دونوں گناہ گار ہیں اگرچہ پہل کرنے والا پہل کا مجرم بھی ہے، عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُسْتَبَّانِ شَيْطَانَانِ يَتَهَاتَرَانِ وَ يَتَكَاذَبَانِ))

[صحیح ابن حبان : ۵۶۹۶]

''آپس میں گالی گلوچ کرنے والے دونوں شیطان ہیں کہ ایک دوسرے کے مقابلے میں بد زبانی کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر جھوٹ باندھتے ہیں۔''

۳۔ ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو گالی دے سکتا ہے خصوصاً جب وہ محارب (حالت جنگ میں) ہو، اس وقت اسے ذلیل کرنے کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے، جیسا کہ عروہ بن مسعود نے حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ آپ کے ارد گرد ادھر ادھر کے لوگ جمع ہیں، جب جنگ ہوئی تو یہ سب بھاگ جائیں گے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: ((اِمْصَصْ بَظْرَ اللَّاتِ أَنَحْنُ نَفِرُّ عَنْهُ)) [بخاری، الشروط : ۱۵] ''(جاؤ جا کر) لات کی شرم گاہ کو چوسو، کیا ہم آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟''

۵۔ ''اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔'' لڑائی کرنا گالی دینے سے سخت ہے، اس لیے اس پر حکم بھی سخت ہے۔

۶۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے انسان مومن نہیں رہتا بلکہ ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان سے لڑائی کو کفر قرار دیا ہے اور یہ بھی فرمایا:
((لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ)) [بخاری العلم : ۱۲۱]

''میرے بعد دوبارہ کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

خارجی لوگوں کا یہی موقف ہے اور اسی بنا پر انھوں نے علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی لوگوں کو بزعم خویش کبیرہ کا مرتکب ہونے کی بنا پر کافر قرار دیا، مگر ان احادیث سے یہ مطلب نکالنا درست نہیں، بلکہ شریعت کے قواعد اور قرآن و حدیث کی صریح نصوص کے خلاف ہے۔

۷۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں کفر دو معنوں میں استعمال ہوا ہے ایک وہ کفر جس سے مراد خروج عن الاسلام ہے اور جس کا مرتکب اسلام سے خارج اور ابدی جہنمی ہے، یہ کفر جحود اور بڑا کفر ہے، یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کوئی بات ماننے سے انکار کر دینا۔ یہ جانتے ہوئے کہ یہ بات واقعی اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے فرمائی ہے اور اس انکار کو درست سمجھنا۔

کفر کی دوسری اقسام امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ نے كُفْرٌ دُوْنَ كُفْرٍ ''بڑے کفر سے کم تر کفر قرار دیا ہے'' یعنی اسلام میں رہ کر کفر کے کسی کام کا ارتکاب کرنا، اس کفر کے ارتکاب سے آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے مطابق ''ایمان کی ساٹھ یا ستر سے زیادہ شاخیں ہیں جن میں سب سے چھوٹی شاخ راستے سے تکلیف...

کو دور کرتا ہے اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔" [صحیح مسلم، الایمان : ۱۲]
ایمان کی ان تمام شاخوں کی ضد جتنے کام ہیں سب کفر کے کام ہیں، مگر کفر کے ہر کام کے
ارتکاب سے آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا، مثلاً اگر کوئی شخص اسلام قبول کر لینے، توحید و رسالت کی
شہادت ادا کرنے، نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور عملی طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تابع فرمان
ہو جانے کے بعد کسی گناہ مثلاً قتل، زنا، چوری وغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے، مگر ان کاموں کو جائز نہیں
سمجھتا، نہ ہی اللہ اور اس کے رسول کی کسی بات کا انکار کرتا ہے تو یہ شخص گناہ گار مسلم ہے یہ نہ اسلام
سے خارج ہے نہ ابدی جہنمی۔ ہاں! اس نے جو گناہ کیا ہے وہ کفر اور جاہلیت کا کام ہے، اس لیے اس
کے متعلق اگر کہیں کافر کا لفظ استعمال ہوا ہے تو اس کا معنی بھی کفر کے کام کا ارتکاب کرنے والا ہے، یہ
نہیں کہ وہ ملت اسلام سے خارج ہے اور نہ یہ کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اس کی بخشش کی صورت
نہیں، اس تفصیل کی دلیل کے لیے چند آیات واحادیث پر غور کریں:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ﴾
[النساء : ٤/٤٨]

"یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے
اور اس کے علاوہ چیزیں جسے چاہے گا بخش دے گا۔"
اس سے معلوم ہوا کہ مشرک جو شرک پر فوت ہو اس کی بخشش کی کوئی صورت نہیں ہاں مومن کے
گناہ اللہ چاہے گا تو بخش دے گا، چاہے تو سزا دے کر جہنم سے نکال لے گا۔
(ب) شفاعت کی تمام احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والا ملت
اسلام کا فرد ہے اور اسے اللہ چاہے گا تو شفاعت کے ذریعے جہنم سے نکال دے گا اور چاہے گا تو
محض اپنے فضل و کرم سے بغیر کسی شفاعت کے جہنم سے نکال دے گا۔

(ع) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ﴾ [الحجرات : ۹/۴۹]

”اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کروادو۔“

اس کے بعد والی آیت میں فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ﴾ [الحجرات : ۱۰/۴۹]

”مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروادو۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان آپس میں لڑائی کے باوجود مومن ہیں ان کی ایمانی اخوت ختم نہیں ہوئی کہ وہ ملت اسلام سے خارج ہو جائیں، اسی طرح قصاص کی آیات میں قاتل کو اور مقتول کے وارثوں کو بھائی قرار دیا فرمایا:

﴿ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ﴾

[البقرۃ : ۱۷۸/۲]

”تو جس شخص کو اپنے بھائی کی طرف سے کوئی چیز معاف کر دی جائے تو پیچھا کرنا ہے اچھے طریقے سے اور اس کی طرف ادا کرنا ہے، احسان کے ساتھ۔“

معلوم ہوا کہ قتل کے باوجود قاتل مسلمان ہے اور مقتول کے وارثوں کا دینی اور ایمانی بھائی۔ یہی سبب ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان یا طلحہ و زبیر و عائشہ رضی اللہ عنہم اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان حتیٰ کہ علی رضی اللہ عنہ اور خوارج کے درمیان جو جنگیں ہوئیں، اپنے بالمقابل لڑنے والے کسی شخص کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کافر قرار نہیں دیا۔ نہ ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنایا نہ ان کے مال کو مال غنیمت۔ اگر وہ انہیں کافر قرار دیتے تو مسیلمہ کذاب کے پیروکاروں کی طرح ان کے اموال کو غنیمت بناتے اور ان

کے بچوں اور عورتوں کو لونڈی غلام بناتے۔

ان آیات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت ہوا کہ حدیث میں مسلمان سے لڑنے کو جو کفر قرار دیا گیا ہے اور آپس میں لڑنے والوں کو کافر قرار دیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان سے لڑنا کفر کا کام ہے ایمان کا نہیں اور اس کا ارتکاب کرنے والا کفر کے کام کا ارتکاب کرنے والا ہے۔ یہ نہیں کہ مسلمان سے لڑنا اسلام سے خارج ہونا ہے اور نہ یہ کہ مسلمان سے لڑنے والا ملت اسلام سے خارج ہے۔

۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کئی صحابہ سے قتل، زنا، چوری، بہتان، شراب نوشی اور دوسرے گناہوں کا صدور ہوا، آپ نے ان پر اللہ کی مقرر کردہ حدیں لگائیں مگر نہ کسی کو کافر قرار دیا نہ ملت اسلام سے خارج قرار دیا، نہ ہی کسی کو مرتد قرار دے کر اس پر ارتداد کی حد (قتل) لگائی۔

۹۔ مسلمان کو گالی دینے کو فسق اور اس سے لڑنے کو کفر قرار دینے سے ان گناہوں کی قباحت اور شناعت صاف ظاہر ہے، اہل ایمان کو فسق اور کفر کا ارتکاب کسی طور پر زیب نہیں دیتا۔

۱۰۔ بعض علماء نے "مسلمان سے لڑائی کرنا کفر ہے" کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ اسے مجازاً کفر قرار دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کی نعمت، اس کے احسان کی ناشکری اور اخوت اسلامی کی بے قدری ہے، یہ وہ کفر نہیں جو ایمان سے انکار پر لازم آتا ہے، اسے کفر اس لیے قرار دیا گیا کہ اس گناہ میں بڑھتے بڑھتے دل پر زنگ لگ جانے کی وجہ سے بعض اوقات انسان بڑے کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ!)

بدگمانی سے بچو

۱۴۰۲/۸۔ ((وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ ﴾ [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گمان سے بچو کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔'' (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری، ٦٠٦٦۔ مسلم، البر والصلة : ٢٨، وغیرهما، دیکھیے تحفة الاشراف: ١٠/ ١٧٢]

صحیح بخاری میں پوری حدیث اس طرح ہے:

﴿ وَ لَا تَحَسَّسُوْا وَ لَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَ لَا تَحَاسَدُوْا وَ لَاتَبَاغَضُوْا وَ لَا تَدَابَرُوْا وَ كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا ﴾

''اور نہ ٹوہ لگاؤ، نہ جاسوسی کرو، نہ دھوکے سے (خرید وفروخت میں) بولی بڑھاؤ، نہ ایک دوسرے پر حسد کرو، نہ ایک دوسرے سے دل میں کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے قطع تعلق کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔''

فوائد:

۱۔ قرطبی نے فرمایا کہ اس جگہ ظن سے مراد ایسی تہمت ہے جس کا کوئی سبب نہ ہو مثلاً ایک آدمی کے بدکار یا شرابی ہونے کا خیال دل میں جمالینا حالانکہ اس سے ایسی کوئی بات سرزد نہیں ہوئی کہ اسے ایسا سمجھا جائے، اس لیے اس کے ساتھ ہی فرمایا:﴿ وَ لَا تَجَسَّسُوْا ﴾ ''جاسوسی مت

کرو۔'' کیونکہ جب کسی شخص کے برے ہونے کا خیال دل میں جگہ پکڑ لیتا ہے حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہوتی تو آدمی وہ بات ثابت کرنے کے لیے جاسوسی کرتا ہے، ٹوہ لگاتا ہے، کان لگاتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ یہ حدیث اس آیت سے بہت ملتی جلتی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ [الحجرات : ۱۲/۴۹]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت گمان سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کرو اور نہ تم میں سے بعض دوسرے کی غیبت کرے۔''

آیت میں مسلمان کی عزت کو محفوظ رکھنے کی بہت ہی زیادہ تاکید کی گئی ہے، چنانچہ پہلے تو کسی بھی مسلم بھائی کے معاملے میں خواہ مخواہ کے گمان سے منع فرمایا جس کا کوئی باعث اور کوئی سبب نہ ہو، اگر گمان کرنے والا کہے کہ میں اس گمان کی تحقیق کے لیے جستجو کرتا ہوں تو اسے کہا گیا: ﴿ وَلَا تَجَسَّسُوْا ﴾ ''جاسوسی مت کرو۔'' اگر وہ کہے جاسوسی کے بغیر ہی مجھے یہ بات ثابت ہو گئی ہے تو کہا گیا: ﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ ''ایک دوسرے کی غیبت (دوسرے بھائی کی عدم موجودگی میں وہ بات جو اسے ناپسند ہو خواہ اس میں وہ موجود ہی ہو) مت کرو۔'' (فتح الباری)

۲۔ ظن کی دو قسمیں ہیں، ایک ظن غالب جو کسی دلیل یا مضبوط علامت کے ساتھ قوی ہو جائے، اس پر عمل کرنا درست ہے۔ شریعت کے اکثر احکام اسی پر مبنی ہیں اور دنیا کے تقریباً تمام کام اسی پر چلتے ہیں، مثلاً عدالتوں کے فیصلے، گواہوں کی گواہی، باہمی تجارت، ٹیلی فون اور خطوط کے ذریعے اطلاعات اور خبر واحد کے راویوں کی روایت وغیرہ ان سب چیزوں میں غور و فکر، جانچ پڑتال اور پوری کوشش سے حاصل ہونے والا علم بھی ظن غالب ہے اور اس پر عمل واجب ہے، اسے ظن اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی جانب مخالف ادنیٰ سا امکان رہتا ہے، مثلاً ہو سکتا ہے گواہ کی گواہی

درست نہ ہو، اطلاع دینے والا جھوٹ بول رہا ہو، راوی کو غلطی لگی ہو وغیرہ لیکن اس امکان کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اگر اس امکان پر جائیں تو دنیا کا کوئی کام ہو ہی نہ سکے۔ اس لیے اپنی پوری کوشش کے بعد دلائل سے جو علم حاصل ہو، ظن غالب ہونے کے باوجود اس پر عمل واجب ہے۔

دوسرا ظن وہ ہے جو دل میں آ جاتا ہے، مگر اس کی کوئی دلیل نہیں ہوتی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے دل میں اس کے ہونے یا نہ ہونے کی بات برابر ہوتی ہے اسے شک بھی کہتے ہیں یا اس کے ہونے کا امکان اس کے نہ ہونے سے بھی کم ہوتا ہے، یہ وہم کہلاتا ہے۔ ظن کی یہ صورتیں مذموم ہیں اور ان سے اجتناب واجب ہے۔ ﴿ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ﴾ "بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔" سے یہی مراد ہے اور ﴿ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴾ [یونس: ٣٦] "بے شک گمان حق کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دیتا۔" اور ﴿ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ ﴾ [النجم: ٢٣] "یہ لوگ صرف اپنے گمان کی اور اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔" میں اسی ظن کا ذکر ہے۔

٣۔ جیسا کہ اوپر گزرا حدیث میں ایسے ظن (گمان) سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جو بے دلیل ہو مثلاً ایک آدمی جو ظاہر میں صالح ہے، اس کے عیوب پر اللہ کی طرف سے پردہ پڑا ہوا ہے، عام مشاہدہ میں وہ عفیف اور امانتدار ہے اس کی بددیانتی یا گناہ گار ہونے کی کوئی دلیل یا علامت نہیں، اس کے متعلق بدگمانی کرنا حرام ہے۔ ہاں اگر گمان کرنے کی کوئی واقعی دلیل یا علامت موجود ہو تو اس وقت گمان منع نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر گمان سے منع نہیں فرمایا بلکہ فرمایا: ﴿ اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ﴾ "زیادہ گمان سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔"

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں فرمایا: ((مَا يَجُوزُ مِنَ الظَّنِّ)) "جو گمان جائز ہیں۔" اور اس میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا أَظُنُّ فُلَانًا وَفُلَانًا يَعْرِفَانِ مِنْ دِينِنَا شَيْئًا)) "میں فلاں اور فلاں کے متعلق گمان نہیں کرتا کہ وہ

ہمارے دین میں سے کچھ بھی جانتے ہیں۔" لیث نے فرمایا: "یہ دونوں آدمی منافق تھے۔" انتہی، اس جائز گمان سے وہ گمان مراد ہے جس کی علامات اور دلیلیں واضح ہوں۔

۴۔ اگر دل میں کسی شخص کے برا ہونے کا خیال آئے مگر آدمی اسے اپنے دل میں جگہ نہ دے نہ ہی اس کا پیچھا کرے نہ اس کی غیبت کرے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِيْ عَمَّا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ بِهِ)) [مسلم، الإيمان : ۵۸]

"اللہ تعالیٰ نے میری امت کو وہ باتیں معاف کر دی ہیں جو وہ اپنے دل سے کریں جب تک ان پر عمل نہ کریں یا زبان پر نہ لائیں۔"

۵۔ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی کے متعلق بدگمانی کرتا ہے تو وہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ وہ شخص ایسا ایسا ہے، چونکہ حقیقت میں وہ شخص ایسا نہیں ہوتا، اس لیے اس کے اس فیصلے کو جھوٹ کہا گیا اور بدترین اس لیے کہ اس نے بغیر کسی قرینے یا سبب کے محض نفس اور شیطان کے کہنے پر اسے برا قرار دے لیا، جب کہ اس کے برا ہونے کی سرے سے کوئی بنیاد ہی نہیں۔

اپنی رعیت کو دھوکا دینے والے پر جنت حرام ہے

۱۴۰۳/۹۔ ((وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً يَمُوْتُ يَوْمَ يَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بھی بندہ جسے اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا حاکم بنا دے اسے جس دن موت آئے وہ اس حال میں مرے کہ اپنی رعیت کو دھوکا دینے والا ہو تو اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔'' (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری : ۷۱۵۰۔ مسلم : الایمان : ۱۴۲، وغیرھما۔ دیکھیے تحفۃ الاشراف : ۸/ ۴۶۴۔ ۸/ ۴۶۱]

فوائد:

۱۔ بخاری رحمہ اللہ نے حسن رحمہ اللہ سے یہ روایت بیان کی ہے، اس میں ایک قصہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کرنے کے لیے آئے، یہ اس بیماری کا واقعہ ہے جس میں معقل رضی اللہ عنہ فوت ہوئے۔ عبید اللہ، معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید کے زمانے میں بصرے کے عامل تھے تو اس موقع پر معقل رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ حدیث سنائی۔

بلوغ المرام میں مذکور الفاظ مسلم کی ایک روایت کے ہیں، مسلم کی دوسری روایت یہ ہے کہ فرمایا:

((مَا مِنْ أَمِيرٍ يَلِي أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ وَ يَنْصَحُ إِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ)) [مسلم، الایمان : ۶۳]

''جو کوئی امیر مسلمانوں کی حکومت کا والی بنے، ان کے ساتھ نہ پوری کوشش کرے نہ ان کی خیر خواہی کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

۲۔ اس حدیث میں ان حکمرانوں کے لیے سخت وعید آئی ہے، جو اپنی رعایا کی بہتری کے لیے پوری کوشش نہیں کرتے، نہ ان کی خیر خواہی کرتے ہیں بلکہ انھیں دھوکا دیتے ہیں، وہ توبہ کیے بغیر اسی

حالت میں دنیا سے چلے جاتے ہیں کہ ان کے لیے جنت حرام ہے، کیونکہ اتنے بندوں کے حق وہ قیامت کے دن کہاں سے ادا کریں گے؟ اللہ تعالیٰ بھی اپنی طرف سے بندوں کو راضی نہیں کرے گا کہ ان کے حقوق اپنے پاس سے ادا کرے اور ان کو دھوکا دینے والے اور ظالم حکمرانوں کو جنت میں بھیج دے بلکہ انھیں ضرور ہی ان حقوق کے بدلے جہنم میں پھینکے گا۔

جنت حرام ہونے کا مطلب اس حدیث میں یہ ہے کہ جہنم میں جانے کے بغیر شروع میں ہی جنت میں داخل ہو جانا ان پر حرام ہے، یہ مطلب اس لیے کیا گیا ہے کہ ہمیشہ کے لیے جنت صرف کفار کے لیے حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ﴾

[المائدة : ٥/٧٢]

"یقیناً جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا آگ ہے۔"

اور جنت کے پانی اور رزق کے متعلق فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴾ [الأعراف : ٧/٥٠]

"اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔"

اس لیے کسی مسلمان کے متعلق اگر یہ الفاظ آئیں کہ اس پر جنت حرام ہے تو اس سے مراد ہوگا کہ جنت میں شروع میں داخلہ اس پر حرام ہے۔

زیر بحث حدیث میں مسلم کی دوسری روایت اس مطلب کی تائید کرتی ہے کہ آپ نے فرمایا: ((لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ)) "اپنی رعیت کی خیر خواہی نہ کرنے والا ان کے ساتھ جنت میں نہیں جائے گا۔" البتہ اپنے گناہوں اور زیادتیوں کی سزا پانے کے بعد کسی وقت جنت میں چلا جائے

تو الگ بات ہے۔

۳۔ رعایا کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے، ان کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کرے، ان کی عقل برباد کرنے کی ہر کوشش ناکام کرے۔ اس مقصد کے لیے قتل، ڈاکے، چوری، زنا، بہتان، شراب نوشی پر اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی حدیں نافذ کرے، بے حیائی کو پھیلنے سے روکے، مظلوم کی فریاد سنے، رعایا سے علیحدگی اور فاصلہ اختیار نہ کرے، فیصلہ کرتے وقت اپنی خواہش کی بجائے حق کے مطابق فیصلہ کرے، اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے جہاد جاری رکھے، ان کی تربیت کے لیے قرآن و سنت کی تعلیم کا اہتمام کرے اور ان کے تمام معاملات پر صرف ان لوگوں کو ذمہ دار مقرر کرے جو اس کی پوری محنت، کوشش اور جستجو کے بعد اسے دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ اس کام کے اہل معلوم ہوئے ہوں، اموال اور دوسرے فوائد کی تقسیم میں عدل کرے، ایسا حکمران اللہ کے ہاں بہت ہی بلند درجے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔“ ان میں سب سے پہلا شخص جو آپ نے شمار فرمایا امام عادل ہے۔ [بخاری، الاذان : ۳۶]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَّمِيْنِ الرَّحْمَانِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ كِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ الَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِي الْحُكْمِ وَ أَهْلِيْهِمْ وَ مَا وَلُوْا)) [مسلم، الإمارة : ۱۸]

”انصاف کرنے والے اللہ کے ہاں رحمان عزوجل کے دائیں ہاتھ نور کے منبروں پر ہوں

گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو فیصلے میں عدل کرتے ہیں اور اپنے گھر والوں میں اور جس کے بھی ذمہ دار ہیں عدل کرتے ہیں۔"

۴۔ خیر خواہی کے مقابلے میں دھوکا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر کام میں اپنی خواہش نفس کو مقدم رکھے، رعایا کی جان و مال اور آبرو برباد کرے، حدود اور جہاد کو باطل کرے، مسلمانوں کے مال میں اپنی مرضی سے ناحق تصرف کرے، ان پر ظلم کا مداوا نہ کرے، ناجائز ٹیکس لگا کر ان کی زندگی تنگ کر دے، مفسدوں کو رعایا پر ظلم کی کھلی چھٹی دے دے، حکومت کی ذمہ داریوں پر اہل لوگوں کی بجائے اپنی خوشامد کرنے والے، جا و بیجا حمایت کرنے والے نااہل مفسد لوگوں کو مقرر کرے، مسلمانوں کے دشمنوں سے ساز باز کر کے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائے، ایسے حکمرانوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت حرام ہونے کی وعید سنائی ہے۔

امت پر مشقت ڈالنے والے حاکم کے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا

۱۰/۱۴۰۴۔ ﴿ وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ مَنْ وَّلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ ﴾ [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

"عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! جو شخص میری امت کے کام میں سے کسی چیز کا ذمہ دار بنا پھر اس نے ان پر مشقت ڈالی تو تو اس پر مشقت ڈال۔" (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم، الامارۃ : ۱۹ ۔ دیکھیے تحفة الاشراف : ۴۷۷/۱۱]

صحیح مسلم میں مکمل حدیث اس طرح ہے کہ عبدالرحمن بن شماسہ فرماتے ہیں کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی بات پوچھنے کے لیے ان کے پاس حاضر ہوا، انھوں نے فرمایا: ''تم کن لوگوں سے ہو؟'' میں نے کہا: ''میں ایک مصری آدمی ہوں۔'' فرمانے لگیں: ''تمھاری اس لڑائی میں تمھارا ساتھی (امیر) تمھارے لیے کیسا رہا؟'' اس نے کہا: ''ہم نے اس کی کسی بات کو ناپسند نہیں کیا، اگر کسی آدمی کا اونٹ مرجاتا تو وہ اسے اونٹ دے دیتا، غلام فوت ہو جاتا تو غلام دے دیتا تھا اور خرچے کی ضرورت ہوتی تو خرچہ دے دیتا تھا۔'' فرمانے لگیں: ''اس نے میرے بھائی محمد بن ابی بکر کے متعلق جو کچھ کیا وہ مجھے تم سے وہ حدیث بیان کرنے سے مانع نہیں ہو سکتا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اس گھر میں بیان کرتے ہوئے سنی:

((اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ))

[مسلم، الأمارۃ : ۱۹]

''اے اللہ! جو شخص میری امت کے کام میں سے کسی چیز کا ذمہ دار بنا پھر ان پر مشقت ڈالی تو تو اس پر مشقت ڈال اور جو شخص میری امت کے کام میں کسی چیز کا ذمہ دار بنا پھر ان کے ساتھ نرمی کی تو تو اس کے ساتھ نرمی کر۔''

فوائد:

۱۔ اس حدیث میں مسلمانوں کے بادشاہوں، وزیروں، افسروں، ججوں، فوجی، کمانڈروں، اساتذہ

کرام اور کسی بھی قسم کی ذمہ داری رکھنے والوں کو مسلمانوں کے ساتھ نرمی کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور ان پر سختی کرنے اور مشقت ڈالنے سے منع فرمایا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت پر مشقت ڈالنے والے کے حق میں بددعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ڈالے اور نرمی کرنے والے کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ نرمی کرے۔

امت مسلمہ پر حکمرانوں کی ڈالی ہوئی چند مشقتیں:

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت مسلمان حکمرانوں نے اپنی رعایا پر بے شمار مشقتیں ڈال رکھی ہیں، وہ اپنی رعایا کو ملاقات کا موقع ہی نہیں دیتے، لوگ روزانہ آ کر کھڑے رہ رہ کر ملاقات سے محروم واپس چلے جاتے ہیں، ان کی درخواستیں مہینوں بلکہ سالوں تک فائلوں میں ہی دبی رہتی ہیں، افسر اور کلرک اپنی خوش گپیوں میں مصروف رہتے ہیں اور کام کے لیے آنے والوں کو ہر روز کل آنے کے لیے کہہ کر ناکام واپس بھیج دیتے ہیں، خواہ کوئی کتنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہو، افسر صاحب میٹنگ یا باتھ سے ہی فارغ نہیں ہوتے۔

برسر اقتدار لوگ اپنی رعایا کو روزگار میں سہولت میسر کرنے کی بجائے ہر کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ کوئی صنعت لگانا چاہے یا کاروبار کرنا چاہے تو لائسنس کی پابندی ہے، لائسنس حاصل کرنے کے لیے بے شمار محکموں کے دفتروں میں دربدر پھرنا اور افسروں کے نخرے اٹھانا پڑتے ہیں، اگر کاروبار شروع کر بیٹھیں تو مختلف ٹیکس اور اتنے ظالمانہ اور حد سے بڑھے ہوئے کہ یا وہ جھوٹ بول کر اپنی اصل آمدنی چھپا کر یا رشوت دے کر جان چھڑائیں اور اگر رشوت نہ دیں یا سچ کہیں تو اپنا تمام سرمایہ ٹیکس میں دینے اور کاروبار ختم کرنے کے باوجود گورنمنٹ کے نادہندہ اور پولیس کو مطلوب رہیں، حکومت کو صرف پیسے بٹورنے اور اپنا اقتدار مضبوط کرنے سے غرض ہے، ڈاکے مارنے والوں،

دہشت گردوں، قاتلوں، عزتیں لوٹنے والوں کو کھلی چھٹی ہے وہ بے شک جدید ترین اسلحہ استعمال کریں، مگر اپنی حفاظت کے لیے اسلحہ رکھنے والوں پر لائسنس کی پابندی ہے، اگر لائسنس نہ لے سکیں تو صرف گھر رکھنے پر ہی لمبی قید یا پھانسی کے لیے تیار رہیں۔

اگر کسی پر ظلم کیا جائے، اس کی جائداد چھین لی جائے اور وہ انصاف کے لیے عدالت میں جانا چاہے تو حکمرانوں نے اس کے لیے اتنی مشقتیں تیار کر رکھی ہیں کہ اگر وہ سمجھ دار ہو تو عدالت کی مشقتیں برداشت کرنے کی بجائے اپنی پہلی مظلومیت پر ہی صبر شکر کر لے۔

سب سے پہلے تو وہ جس عدالت میں جا رہا ہے اس میں اللہ کے قانون جو کہ سراسر آسانی اور رحمت ہے کے بجائے کفار کے قانون کے مطابق فیصلہ ہو گا جو کہ سراسر مشقت اور فطرت کے خلاف ہے، پھر اس عدالت میں وہ اپنی زبان میں اپنا مدعا پیش نہیں کر سکتا، کیونکہ عدالت کی زبان انگریزی ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ وکیل کرے اور جس کا گھر پہلے ہی لٹ چکا ہو وہ وکیل کی فیس کہاں سے لائے گا۔ پھر عدالت سے انصاف حاصل کرنے کے لیے اسے پیسے دینے پڑیں گے، انصاف خریدنا پڑے گا، اگر عدالت کی فیس نہیں دے سکتا تو یہ شخص انصاف کا حقدار نہیں۔ عدالت کی فیس، وکیل کی فیس اور دوسرے واجبات ادا کرنے کے بعد درخواست دے کر اب اسے انتظار کرنا پڑے گا کہ اس کے مقدمے کی ساعت کب شروع ہوتی ہے۔ کبھی جج گرمیوں کی چھٹیوں پر ہے، کبھی ہفتہ وار چھٹی ہے، کبھی وکیل فارغ نہیں، کبھی جج دوسرے مقدموں میں مصروف ہے۔ لمبی مدت انتظار کرنے کے بعد اگر ساعت شروع ہوئی تو تاریخیں ملنی شروع ہو گئیں، اگر فیصلہ ہو گیا تو پھر ہائی کورٹ میں نئے سرے سے وہی چکر شروع ہو گیا، اس کے بعد سپریم کورٹ کا مرحلہ باقی ہے اور ہر عدالت کے لیے نئی فیس، نیا وکیل اور انتظار کا نیا حوصلہ چاہیے، کتنے ہی لوگ ہیں جو اس انتظار میں زندگی سے [illegible] جاتے ہیں۔

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

اگر کوئی بے گناہ پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تو اسے اپنی صفائی کے لیے ان تمام مراحل سے گزرنا پڑے گا یا واقعی اس سے کوئی غلطی ہوگئی تو بجائے اس کے کہ فوراً اس کی تحقیق کرکے اسے سزا دے کر فارغ کر دیا جاتا وہ اپنی سزا بھگتنے کے لیے سالہا سال تک جیل میں سڑتا رہتا ہے اور پولیس کے وہ کارندے اور عدالت کے وہ جج جن کی غفلت یا تغافل سے وہ اس عذاب میں بلاوجہ مبتلا رہا کوئی انھیں پوچھنے والا نہیں۔

پھر صرف ملزم ہی پر مشقت کے پہاڑ نہیں توڑے جاتے بلکہ اصل مشقت اس کے گھر والوں کے لیے تیار کی گئی ہے، اگر اسلام پر عمل ہوتا تو جلد از جلد فیصلہ کرکے حد لگا کر یا تعزیر لگا کر گھر بھیج دیا جاتا۔ اب ہر جرم کے لیے چوری ہو یا کوئی اور جیل یا جرمانے کی سزا ہے، جو حقیقت میں اس کے لیے کم ہے اور اس کے وارثوں کے لیے زیادہ ہے۔ ماں باپ بوڑھے ہیں، کما نہیں سکتے، بچے کمائی کے قابل نہیں، بیوی کو ضرورت ہے کہ خاوند اس کے پاس رہے، مگر گھر کا یہ کفیل اپنی سزا بھگتنے کے لیے جیل میں ہے یا سزا بھگتنے کے لیے۔ نہ ماں کی خدمت کر سکتا ہے، نہ بیوی کے حقوق ادا کر سکتا ہے، نہ بچوں کی تربیت کر سکتا ہے، نہ انھیں کما کر دے سکتا ہے۔ اگر اللہ کے دین پر عمل کرتے تو ہر ایک کے لیے بے حد آسانی تھی۔ جرم کی سزا دے کر اسے گھر بھیج دیا جاتا۔ مگر کفار کی تقلید میں ان سزاؤں کو وحشیانہ قرار دیا جو صرف مجرم کے لیے ہیں اور جن سے گناہ رکتے ہیں اور ایسی سزائیں نافذ کیں جن سے مجرم کا کچھ نہیں بگڑتا۔ جیل میں رہ کر اس کا ذوق جرم مزید بڑھتا ہے اور وہ تربیت یافتہ اور عادی مجرم بن جاتا ہے۔ ماں باپ، بیوی بچوں اور صالح معاشرے سے کٹ کر رہ جانے اور جیل میں ہونے والے

ذلت آمیز سلوک کی وجہ سے وہ چڑچڑا وحشی اور خونخوار بن جاتا ہے اور اصل سزا اس کے ماں باپ، بیوی بچوں اور بہن بھائیوں کو ملتی ہے۔

امت مسلمہ پر نرمی کرنے کی برکات:

اگر امت اسلامیہ کے حکمران اپنی رعایا کے لیے آسانیاں پیدا کرتے، اپنے اور ان کے درمیان دیواریں کھڑی نہ کرتے، ان پر ہونے والے ظلم کا ازالہ کرتے، انھیں چوروں، ڈاکوؤں سے بچاتے، انھیں اسلحہ کی تربیت دے کر اور اسلحہ رکھنے کی اجازت بلکہ حکم دے کر چوروں، ڈاکوؤں اور کفار کے مقابلے میں کھڑا کر دیتے، کاروبار میں سہولت دیتے، انھیں کافر کی یلغار سے بچانے کے لیے جہاد کرتے، ہر قسم کا ٹیکس ختم کر کے معیشت کی بنیاد زکوٰۃ، خراج اور غنیمت پر رکھتے۔ کفار کا نظام عدل جو حقیقت میں سراسر ظلم ہے، ختم کر کے اسلام کا نظام عدل جو سراسر رحمت ہے، نافذ کرتے تو اللہ بھی ان کے لیے بے شمار آسانیاں مہیا فرما دیتا۔ ان کے لیے زمین و آسمان کے خزانوں کے منہ کھول دیے جاتے۔ مجرموں کو جیلوں میں سڑنے کے لیے چھوڑ دینے کی بجائے اگر ان پر اللہ کی حدود نافذ کرتے تو ایک ایک حد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کی وہ فراوانی اور کشادگی ہوتی جو چالیس چالیس دن تک مسلسل ہونے والی رحمت کی بارش سے بھی نہ ہوتی۔

[نسائی، ابن ماجہ بحوالہ سلسلة الاحادیث الصحیحة : ۴۰۹/۱]

قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۠ ﴾ [الأعراف : ۹۶/۷]

”اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے

بہت سی برکتیں کھول دیتے لیکن انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے انھیں ان کے کاموں کی وجہ سے پکڑ لیا۔"

مسلم رعایا پر مشقت ڈالنے کے وبال:

مسلم ممالک کے حکمرانوں نے جب اللہ کے حکم کے برعکس اپنی رعایا پر بے حد مشقتیں ڈالیں (جن کی تھوڑی سی تفصیل اوپر گزر چکی ہے) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی بددعا کے مطابق ان پر بے شمار مشقتیں ڈال دیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

(ا) وہ اپنی بداعمالیوں اور ظلم وستم کی وجہ سے ہر وقت حکومت چھن جانے کے خوف میں مبتلا رہتے ہیں اور حکومت قائم رکھنے کے لیے اپنوں پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے یہود ونصاریٰ اور دوسرے کفار پر بھروسا کرتے اور ان کی مدد کے محتاج رہتے ہیں، ان کے نتیجے میں ان کی ہر جائز، ناجائز فرمائش پوری کرنے پر مجبور ہیں۔

(ب) وہ جس قدر لوگوں کے مقدمات کو طول دے کر جیلوں میں بند رکھتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق انھیں شکنجوں میں کس کر اور بے شمار قسم کی دفعات لگا کر ان کی زندگی اجیرن کرتے ہیں، اسی قدر قتل، خونریزی ڈاکے اور دہشت گردی میں اضافہ ہوتا اور حکمرانوں کی نااہلی اور بے بسی نمایاں ہوتی ہے۔

(ج) وہ جس قدر ملت اسلامیہ پر ٹیکسوں اور تاوانوں کی مشقت بڑھاتے ہیں اور سود کے خونی پنجے میں جکڑتے ہیں اسی قدر دنیا بھر کے کفار کے مقروض ہوتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ انھیں تنخواہیں ادا کرنے کے لیے بھی یہودیوں کے بنکوں سے سود پر روپیہ لینا پڑتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اتنی زبردست گرفت میں پھنسے ہوئے ہیں کہ قرض لی ہوئی رقموں کا سود ادا کرنے کے لیے مزید سود

پر قرض لیتے ہیں اور زمینی اور آسمانی برکات کی بجائے نیچے اوپر سے آفات کا نشانہ بنے ہوتے ہیں۔

کاش! یہ حکمران امت پر آسانی اور اس کے ساتھ نرمی کرتے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے لیے آسانی مہیا فرماتا اور ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتا۔

حدیث میں مذکور امیر اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی سے اس کا سلوک:

اس حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبدالرحمٰن بن شماسہ سے جس امیر کے متعلق پوچھا تھا وہ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ صحابی تھے، جن کی امارت میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بلاد مغرب میں کفار سے کئی جنگیں لڑی گئیں اور جنگوں میں انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا تھا۔ [الاعلام النبلاء : ۲/ ۳۷، ۳۸]

عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے حاکم تھے، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ان سے مصر چھیننے کے لیے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ فوج بھیجی تھی، انھوں نے معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے لڑنے کے لیے بھیجا۔

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کیا، مگر ان کے ساتھی انھیں چھوڑ کر بکھر گئے۔ محمد اکیلے ایک کھنڈر میں چھپ گئے، مگر آخر کار پکڑے گئے اور معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کر دیا۔

[تفصیلات کے لیے دیکھیے البدایة والنہایة : ۷/ ۳۲۶]

عائشہ رضی اللہ عنہا کا انصاف اور حدیث پہنچانے کا جذبہ:

اس حدیث سے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا کمال تقویٰ اور انصاف بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے بھائی کے قاتل کی اچھی صفت سن کر اس کی فضیلت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو چھپایا نہیں

بلکہ اپنی دلی کیفیت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کا فرمان امت تک پہنچا دیا، علاوہ ازیں اس سے ام المومنین کا حدیث رسول کو امت تک پہنچانے کا زبردست جذبہ اور اس کا اہتمام بھی صاف ظاہر ہے۔

مسلمان کو چہرے پر مارنے کی ممانعت

١٤٠٥/١١ـ ((وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص لڑے تو چہرے سے بچے۔" (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاري : ٢٥٥٩ـ مسلم، البر والصلة : ١١٢ـ دیکھیے تحفة الاشراف : ٢٠٤/١٠]

فوائد:

١ـ چہرے پر مارنے کی ممانعت والی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے چہرے پر کوئی چیز بھی مارنا منع ہے، حتیٰ کہ اپنے غلام، خادم یا شاگرد کو ادب سکھانے کے لیے یا سزا دیتے وقت بھی منہ پر کوئی چیز مارنا حرام ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت میں یہ لفظ آئے ہیں: ((إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ

خَادِمَهُ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ)) [صحیح الادب المفرد حدیث : ۱۳۰] "جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو مارے تو چہرے سے بچے۔" آپس میں لڑائی ہو جائے تو غصہ اور جذبات کتنے ہی مشتعل کیوں نہ ہوں مسلمان کے منہ پر ہتھیار چھوڑ کر تھپڑ بھی نہ مارے۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

((إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلَا يَلْطِمَنَّ الْوَجْهَ))

[مسلم، البر والصلة : ۱۱٤]

"جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو منہ پر تھپڑ نہ مارے۔"

۲۔ سزا دیتے وقت بھی منہ پر نہ مارے۔ ایک روایت میں قَاتَلَ کی جگہ ((إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ)) کے لفظ ہیں: [مسلم، البر والصلة : ۱۱۲] یعنی صرف لڑائی ہی نہیں کسی وجہ سے بھی مارے تو چہرے پر مارنے سے بچے۔

۳۔ باکسنگ میں چونکہ ایک دوسرے کے چہرے کو نشانہ بنایا جاتا ہے اس لیے اس حدیث کی رو سے یہ وحشیانہ کھیل حرام ہے۔

۴۔ چہرے پر مارنا کیوں منع ہے؟

چہرے پر مارنے کی حرمت کی ایک وجہ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ انسانی حسن و جمال کا مظہر ہے اور آدمی کے اکثر حواس مثلاً دیکھنا، سننا، چکھنا اور سونگھنا چہرے میں ہی پائے جاتے ہیں، چہرے پر مارنے کی صورت میں ان تمام حواس کا یا ان میں سے کسی ایک کا ختم ہو جانا یا خراب ہو جانا عین ممکن ہے اور شکل بگڑنے کا بھی اندیشہ ہے۔ کسی مسلم بھائی کے ساتھ اتنی زیادتی کسی صورت بھی جائز قرار نہیں دی جا سکتی۔

دوسری وجہ خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے، صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت

میں یہ الفاظ ہیں:

((إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَإِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ)) [البر و الصلة : ١١٥]

"جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو چہرے سے بچے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔"

اس حدیث میں مارنے سے ممانعت کی وجہ انسانی چہرے کی تکریم قرار دی گئی ہے۔ بعض لوگ اس حدیث کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس (آدم) کی صورت پر پیدا فرمایا، مگر ابن ابی عاصم نے "کتاب السنۃ" میں ابو یونس عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے بھی روایت ان الفاظ میں بیان کی ہے: ((مَنْ قَاتَلَ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَإِنَّ صُورَةَ وَجْهِ الْإِنْسَانِ عَلَى صُورَةِ وَجْهِ الرَّحْمٰنِ)) "جو شخص لڑے وہ چہرے سے بچے کیونکہ انسان کے چہرے کی صورت رحمان کے چہرے کی صورت پر ہے۔" [فتح الباری میں اس مفہوم کی اور روایات بھی لکھی ہیں، دیکھیے : ٥/٢٥٥٩]

اسحاق بن راہویہ اور احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا جس میں ہے کہ اللہ نے آدم کو رحمان کی صورت پر پیدا فرمایا۔ (فتح الباری، حوالہ مذکورہ)

البتہ یہ بات خاص طور پر مدنظر رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ [الشوری : ١١]

"اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے۔"

اسی طرح اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا مگر اس سے مراد کیا ہے؟ اس کی اصل حقیقت

اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اتنی بات یقینی ہے کہ اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں، مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔

۵۔ کافر کو چہرے پر مارنے کا حکم:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جہاد میں بھی چہرے پر مارنا جائز نہیں، مگر یہ بات درست نہیں۔ اصل یہ ہے کہ کفار اپنے کفر کی وجہ سے شرف انسانی سے محروم ہیں ان کی کوئی تکریم نہیں: ﴿ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ﴾ [الأعراف: ۱۷۹] ''یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر گمراہ۔''

قیامت کے دن اس حقیقت کا اظہار اس طرح ہوگا کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر کا چہرہ انسان کی بجائے بجو کا کر دیا جائے گا۔ [بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۸]

عزت و تکریم صرف مومن کے لیے ہے: ﴿ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ ﴾ [المنافقون: ۸] ''عزت صرف اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا: ﴿ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴾ [الانفال: ۱۲] ''ان کی گردنوں کے اوپر مارو اور ان کے ہر پور پر مارو۔''

اب ظاہر ہے گردنوں سے اوپر کھوپڑی اور چہرہ ہی ہے اور اتنی نفاست سے مارنا کہ صرف کھوپڑی پر لگے اور چہرے پر نہ لگے، ممکن ہی نہیں اور فرمایا کہ فرشتے کفار کو فوت کرتے وقت ﴿ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴾ [محمد: ۲۷] ''ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہیں۔''

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ حنین میں جب کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپ اپنے خچر سے اتر پڑے پھر آپ نے زمین سے مٹی کی ایک مٹھی پکڑی اور اسے ان

کے چہروں کی طرف پھینک کر فرمایا: ((شَاهَتِ الْوُجُوهُ)) ''چہرے بگڑ جائیں۔'' تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کی آنکھوں کو مٹی سے بھر دیا، وہ پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے اور اللہ نے انھیں شکست دے دی۔ [مسلم، کتاب الجهاد و السیر : ۸۱] دیکھیے آپ ﷺ نے ان کے چہروں کو نشانہ بنایا اور ان کے چہروں کے بگڑنے کے لیے خاص بددعا کی۔

۲۔ بدلے کی صورت میں چہرے پر مارنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ ﴾

[البقرة : ۱۹۴/۲]

''جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر اس کی مثل زیادتی کرو جو اس نے کی۔''

اور فرمایا:

﴿ وَكَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ﴾ [المائدة : ۴۵/۵]

''ہم نے ان پر اس (تورات) میں لکھ دیا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلا ہے۔''

غصے سے اجتناب کا حکم

۱۴۰۶/۱۲۔ ((وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَوْصِنِيْ، قَالَ : لَا تَغْضَبْ، فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ : لَا تَغْضَبْ))

[أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: ''یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے وصیت

کیجیے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "غصہ مت کر۔" اس نے کئی مرتبہ (سوال) دہرایا آپ نے (یہی) فرمایا: "غصہ مت کر۔" (اسے بخاری نے روایت کیا ہے)

تخریج:

[بخاری : ٦١١٦]

فوائد:

ا۔ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟:

نبی کریم ﷺ سے یہ سوال مختلف اوقات میں کئی صحابہ نے کیا اور آپ نے انھیں یہی جواب دیا۔ فتح الباری میں جاریہ بن قدامہ، سفیان بن عبد اللہ ثقفی، ابو الدرداء اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے یہ سوال اور نبی کریم ﷺ کا یہی جواب مذکور ہے، ان میں سے بعض نے یہ کہہ کر سوال کیا کہ آپ مجھے تھوڑی سی بات بتا دیجیے، جس سے مجھے نفع ہو اور بعض نے کہا مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ نے یہی جواب دیا کہ "غصہ مت کر۔" تمام روایات کی تفصیل کے لیے دیکھیے۔ [فتح الباری، حدیث ٦١١٦]

۲۔ طالب وصیت کو آپ ﷺ کا جواب:

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اور وصیتیں بھی فرمائی ہیں، بعض سے فرمایا: ((قُلْ رَبِّيَ اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ)) "تو کہہ میرا رب اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہ۔" [صحیح الترمذی، الزھد/ ٤٧] بعض سے فرمایا: ((لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ)) "تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔" [ترمذی : ٥/ ٤٥٨ اور صحیح ابن ماجہ: ٢/ ٣١٧]

اہل علم فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک ماہر طبیب ہر مریض کے مزاج اور بیماری کو مدنظر رکھ کر علاج

اور غذا تجویز کرتا ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ جو سب سے بڑے روحانی معالج تھے ہر شخص کو اسی عمل کی وصیت فرماتے جو اس کے لیے ضروری اور اس کے حالات کے مطابق ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات میں غصہ زیادہ تھا اس لیے آپ ﷺ نے انھیں بار بار سوال کے باوجود غصہ سے اجتناب کی ہی وصیت فرمائی، چونکہ تقریباً تمام لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ غصے میں آکر اعتدال سے نکل جاتے ہیں اس لیے آپ کی وصیت تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔

۳۔ غصہ کے نقصانات:

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں غصہ سے بچنے کا حکم دے کر بے شمار قباحتوں سے بچانے کا اہتمام فرمایا، کیونکہ غصے کی آگ سے انسان کا چہرہ آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں بلکہ شکل ہی بدل جاتی ہے، غصے کے ساتھ ہی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے، آدمی وحشیانہ حرکتیں کرنے لگتا ہے، مارنے کو دوڑتا ہے، قتل تک سے دریغ نہیں کرتا، بس نہ چلے تو اپنے ہی کپڑے پھاڑ دیتا ہے، اپنے آپ کو ہی مارنا شروع کر دیتا ہے، زبان سے واہی تباہی بکنے لگتا ہے، برتن توڑ دیتا ہے، کبھی کسی بے گناہ کو مارنا شروع کر دیتا ہے، غرض ایسے ایسے کام کرتا ہے کہ اگر ہوش کی حالت میں اپنے آپ کو دیکھے تو شرمندہ ہو جائے، یہ تو ظاہری نقصان تھا، دل کا نقصان اس سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے، غصے کی وجہ سے دل بغض، کینے، حسد اور آتش انتقام سے بھرا رہتا ہے، سکون اور اطمینان رخصت ہو جاتے ہیں، انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر تل جاتا ہے اور دوستوں، رشتہ داروں اور اہل ایمان بھائیوں سے قطع تعلق کر لیتا ہے، اب آپ رسول اللہ ﷺ کی اس حکیمانہ وصیت پر غور فرمائیں کہ آپ نے اس چھوٹے سے جملے میں کتنی حکمت کی باتیں سمو دی ہیں، اس پر عمل کرنے سے انسان کو کتنے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور وہ کتنے نقصانات سے محفوظ رہتا ہے۔

۴۔ ''غصہ مت کر'' کا مطلب؟:

ظاہر ہے کہ غصہ ایک فطری چیز ہے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ غصہ نہ آئے بلکہ اللہ کے دین کی خاطر غصے ہونا قابل تعریف ہے اور اسی سے جذبہ جہاد پروان چڑھتا ہے، اس لیے ''غصہ مت کر'' کا مطلب یہ ہے کہ جہاں غصے ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں وہاں غصہ مت کرو۔ ایسے مقامات پر ''غصہ مت کرو'' کی دو حالتیں ہیں، ایک غصہ آنے سے پہلے دوسری غصہ آنے کے بعد۔

غصہ آنے سے پہلے ((لَا تَغْضَبْ)) کا مطلب یہ ہے کہ کوشش کرو غصہ نہ آئے یعنی کہ غصہ نہ کرنے کی عادت بن جائے۔ اس کے لیے وہ اسباب اختیار کرنا ہوں گے، جن سے آدمی حسن اخلاق کا مالک بن جاتا ہے، مثلاً بردباری، حیا، سوچ سمجھ کر کام کرنا، زیادتی برداشت کرنا، کسی کو تکلیف نہ پہنچانا، عفو و درگزر، غصہ کو پی جانا اور ہر ایک کو کھلے چہرے اور خندہ پیشانی سے ملنا، جب ان چیزوں کی عادت ہو جائے گی تو غصے کے موقع پر آدمی اس عادت کی وجہ سے غصے میں آنے سے بچ جائے گا۔ غصہ آ جانے کے بعد ((لَا تَغْضَبْ)) کا مطلب یہ ہے کہ غصے کے کہنے پر عمل مت کرو۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے یہ حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا: ''غصے میں آنے کے بعد کوئی ایسا کام مت کرو جس سے تمھیں منع کیا گیا ہے۔'' مطلب یہ ہے کہ غصے پر قابو پانے کی کوشش کرو اور اس کے کہنے میں آ کر اللہ کی نافرمانی مت کرو، کیونکہ اصل پہلوان اور طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے اور اللہ کی نافرمانی کا کوئی کام نہیں کرتا۔

جب غصہ آ جائے تو اسے دور کرنے کا طریقہ کیا ہے، اس کے لیے دیکھیے اسی باب کی [حدیث ۱۳۹۶/۲ کی تشریح]

اللہ کے مال میں ناحق دخل اندازی کا انجام

١٣/١٤٠٧۔ «وَعَنْ خَوْلَةَ الْأَنْصَارِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِي مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ، فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» [أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ]

''خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کچھ لوگ اللہ کے مال میں حق کے بغیر دخل اندازی کرتے ہیں تو ان کے لیے قیامت کے دن آگ ہے۔''

(اسے بخاری نے روایت کیا)

تخریج:

[بخاری: ٣١١٨، وغیرہ۔ دیکھیے تحفۃ الاشراف: ٣٠٠/١١]

مفردات:

يَتَخَوَّضُوْنَ خَاضَ يَخُوْضُ کا اصل معنی پانی میں داخل ہونا ہے پھر یہ لفظ کسی بھی کام میں دخل دینے اور اس میں اپنی مرضی کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

فوائد:

اللہ کے مال میں ناحق دخل اندازی کی صورتیں:

اللہ کے مال سے مراد مال غنیمت ہے بیت المال کے دوسرے اموال مثلاً زکوۃ خراج وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں، ان میں نہ امیر کو ناحق دخل اندازی جائز ہے نہ رعایا کو، امیر کی ناحق دخل اندازی

کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسے اللہ کا مال سمجھ کر اللہ ہی کی بتائی جگہوں پر عدل و انصاف کے ساتھ خرچ کرنے کی بجائے ذاتی مال سمجھ کر اپنی مرضی اور خواہش نفس کے مطابق خرچ کرے یا اپنی جائداد بنانی شروع کر دے، مال غنیمت کے پانچ حصوں میں چار حصے مجاہدین میں تقسیم نہ کرے، خمس کو اللہ اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی جگہوں پر خرچ نہ کرے، زکوٰۃ کو اس کی مدوں میں صرف نہ کرے، حقداروں میں تقسیم کرنے کی بجائے خویش پروری اور اقرباء نوازی کرے، ایسا کرنے والے کے لیے آگ کی وعید ہے۔ رعایا کی ناحق دخل اندازی کی ایک صورت یہ ہے کہ مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے اس میں سے کوئی چیز لے لے یا مسلمانوں کے مال سے کوئی چیز امیر کی اجازت کے بغیر لے لے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غلام جس کا نام مدعم تھا بطور ہدیہ دیا، ایک دفعہ مدعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کا پالان اتار رہا تھا کہ اچانک ایک نامعلوم تیر آیا جس نے اسے قتل کر دیا۔ لوگ کہنے لگے: ''اسے جنت مبارک ہو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ چادر جو اس نے خیبر کے دن غنیمت کی اشیاء میں سے تقسیم سے پہلے اٹھائی تھی آگ بن کر اس پر شعلے مار رہی ہے، لوگوں نے یہ سنا تو ایک آدمی ایک یا دو تسمے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے فرمایا: ''یہ ایک یا دو تسمے آگ کے ہیں۔''

[متفق علیه، مشکوة باب قسمة الغنائم]

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو جو مال دیا ہے وہ بھی درحقیقت اللہ کا مال ہے، انسان اس کا امین ہے اور صرف ان جگہوں سے لینے کا اور انھیں جگہوں پر خرچ کرنے کا پابند ہے، جہاں اللہ کا حکم ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾

[التوبة : ۹/۱۱۱]

''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔''

اب اگر وہ مال کمانے یا اسے خرچ کرنے میں اللہ کی مرضی کی بجائے اپنی مرضی کرے گا تو اس کا انجام بھی آگ ہے۔

ایک دوسرے پر ظلم مت کرو

۱۴۰۸/۱۴۔ ((وَ عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْمَا یَرْوِیْهِ عَنْ رَبِّهٖ قَالَ : یَا عِبَادِیْ إِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ، وَ جَعَلْتُهٗ بَیْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا))
[أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی ان احادیث میں سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے فرمایا: ''اے میرے بندو! یقیناً میں نے ظلم اپنے آپ پر حرام کر لیا ہے اور اسے تمھارے درمیان حرام کر دیا ہے، تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم، البر والصلة : ۵۵، وغیرہ دیکھیے تحفة الاشراف : ۱۶۹/۹]

فوائد:

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ پر حرام کر لیا ہے کہ کسی پر ظلم کروں۔ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ﴾ [الكهف : ۱۸/ ۴۹]

''اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔''

اور فرمایا:

﴿ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴾ [ق : ۵۰/ ۲۹]

''اور میں بندوں پر ذرہ برابر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔''

۲۔ کیا اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) تھوڑا ظلم کر لیتا ہے؟:

بعض اوقات یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بندوں پر ظَلَّام یعنی بہت زیادہ ظلم کرنے والا نہیں ہوں تو اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ تھوڑا بہت ظلم وہ کر سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴾ [آل عمران : ۳/ ۱۰۸]

''اللہ تعالیٰ جہان والوں پر ظلم کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔''

جب اللہ تعالیٰ معمولی سے ظلم کا ارادہ بھی نہیں کرتا تو وہ ظالم کیسے ہو سکتا ہے چہ جائیکہ وہ ظلام ہو۔ مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ظلم میں مبالغہ کی نفی نہیں بلکہ ظلم کی نفی میں مبالغہ مراد ہے۔یعنی ''میں بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں۔'' ظلم کی تعریف اور مزید تشریح کے لیے اسی باب کی حدیث (۳/ ۱۳۹۷) دیکھیے۔

غیبت کیا ہے؟

۱۵/ ۱۴۰۹۔ ((وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ؟ قَالُوْا: اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ أَعْلَمُ! قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيْ أَخِيْ مَا أَقُوْلُ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَ إِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''تمھارا اپنے بھائی کا ذکر ایسی چیز کے ساتھ کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔'' عرض کیا گیا: ''آپ یہ بتائیں کہ اگر میرے بھائی میں وہ چیز موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں۔'' (تو کیا پھر بھی غیبت ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر اس میں وہ چیز موجود ہے جو تم کہہ رہے ہو تو یقیناً تم نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ چیز اس میں موجود نہیں تو تم نے اس پر بہتان باندھا۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم، البر والصلة : ۷۰۔ دیکھیے تحفة الاشراف : ۱۰/۲۲۳]

۱۔ غیبت مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے۔ اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ﴾

[الحجرات : ۱۲/۴۹]

''تم میں سے کوئی شخص دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم اسے برا جانتے ہو۔''

مطلب یہ ہے کہ جس طرح مردہ کا گوشت کھایا جائے تو وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا اسی طرح وہ شخص جس کی غیبت کی جا رہی ہو، پاس موجود نہ ہونے کی وجہ سے اپنی عزت کا دفاع نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مردار کھانے کو حرام قرار دیا ہے اور اگر وہ مردہ انسان کا گوشت ہو اور انسان بھی وہ جو بھائی ہے تو اس کی حرمت کس قدر زیادہ ہو گی؟

۲۔ نبی ﷺ نے غیبت کا مفہوم خود بتانے کی بجائے صحابہ سے کیوں پوچھا؟: رسول اللہ ﷺ نہایت دانا اور حکیم معلم تھے، اس لیے آپ تعلیم دیتے وقت صحابہ کو کسی نہ کسی طرح متوجہ کر کے ان میں علم کی طلب پیدا کر لیتے تھے تاکہ بات اچھی طرح ان کے ذہن میں بیٹھ جائے اور اگر ان کے ذہن میں کوئی اشکال ہے تو وہ بھی صاف ہو جائے۔

ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے تمھیں قرآن کی سب سے بڑی سورت بتاؤں گا۔'' جب آپ مسجد سے نکلنے لگے تو صحابی نے ہاتھ پکڑ کر وعدہ یاد دلایا تو آپ نے فرمایا: ''وہ سورۂ فاتحہ ہے۔'' [بخاری: ٤٤٧٤، ٤٦٤٧]

معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''یقیناً اے معاذ! مجھے تم سے محبت ہے۔'' یہ تعلق جتانے کے بعد فرمایا: ''کسی نماز میں یہ دعا مت چھوڑنا:

«رَبِّ أَعِنِّيْ عَلَى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ»

[صحیح النسائی: ۱۲۳۶، السہو: ۶۰]

اگر غور کریں تو طریق تعلیم پر جدید ماہرین کے لکھے ہوئے ہزاروں صفحات اس ایک نکتے کی معمولی سی تشریح ہیں جو رسول اللہ ﷺ ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔

۳۔ غیبت کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے غیبت کی ایسی واضح اور جامع تعریف فرمائی ہے کہ اس میں

کوئی ابہام باقی نہیں چھوڑا: ((ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ)) ”تمھارا اپنے بھائی کو اس چیز کے ساتھ ذکر کرنا جس (کے ساتھ ذکر کیے جانے) کو وہ ناپسند کرتا ہے۔“

امام نووی نے الاذکار میں اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی ہے، خلاصہ یہ ہے:

”خواہ وہ چیز اس کے بدن سے تعلق رکھتی ہو یا دین سے یا دنیا سے، اس کی شکل و صورت کے بارے میں ہو یا اخلاق کے، اس کے مال، اولاد، والدین، بیوی بچوں کے متعلق ہو یا اس کے لباس، چال، ڈھال، بول چال، خندہ پیشانی یا ترش روئی کے متعلق غرض اس سے تعلق رکھنے والی کسی بھی چیز کا ذکر جو اسے ناپسند ہو غیبت ہے، پھر خواہ یہ ذکر زبان سے کیا جائے یا تحریر سے، اشارے سے ہو یا کنائے سے، تمام صورتوں میں غیبت ہے۔ اشارہ خواہ آنکھ سے ہو، ہاتھ سے، سر کے ساتھ ہو یا جسم کے کسی حصے کے ساتھ، غیبت میں شامل ہے۔“

بدن کی غیبت مثلاً: اس کی تنقیص کے لیے اندھا، لنگڑا، کانا، گنجا، ٹھگنا، لمبوترا، کالا، کبڑا یا اس قسم کا کوئی اور لفظ استعمال کرے۔ دین کے بارے میں غیبت یہ ہے کہ اسے فاسق، چور، خائن، ظالم، نماز میں سست، پلید، ماں باپ کا نافرمان، بدمعاش وغیرہ کہے۔ دنیا کے بارے میں مثلاً: نکما، باتونی، پیٹو وغیرہ کہے، اخلاق کے متعلق مثلاً: اسے بدخلق، متکبر، ریاکار، جلد باز، بزدل، مزیل قرار دے، اس کے والد کے متعلق مثلاً: جولاہا، موچی، کالا، حبشی وغیرہ کہہ کر اس کی تنقیص کرے۔ پھر زبان، ہاتھ، جسم کے ساتھ غیبت کی ایک صورت اس کی نقل اتارنا ہے، مثلاً: اس کے اٹک اٹک کر بات کرنے یا ناک میں بولنے، لنگڑا کر چلنے، کبڑا ہونے یا چھوٹے قد کا ہونے کی نقل اتارے۔ غرض قاعدہ یہ ہے کہ کوئی بھی حرکت جس کا مقصد کسی مسلم بھائی کی تنقیص ہو غیبت ہے اور حرام ہے۔

۴۔ کیا غیبت کسی صورت میں جائز بھی ہوتی ہے؟ بعض اوقات مسلم بھائی کی غیبت جائز بھی ہو جاتی ہے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کا عیب بیان کیا جا سکتا ہے۔

قاعدہ اس کا یہ ہے کہ جب دین کا کوئی ضروری مقصد اس کے بغیر نہ ہو سکتا ہو تو اس وقت یہ جائز ہے۔نووی نے اور ان سے پہلے غزالی نے غیبت کے جواز کے چھ مواقع گنائے ہیں:

ا۔ظلم پر فریاد:

مظلوم کو حق ہے کہ ظالم کے خلاف بات کرے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ﴾

''اللہ تعالیٰ بری بات کے ساتھ آواز بلند کرنا پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم کیا جائے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا)) ''حق والے کو بات کرنے کی گنجائش ہے۔'' [بخاری: ح ۲۳۹۰]

بہتر یہ ہے کہ بادشاہ یا قاضی یا ایسے شخص کے پاس اپنی مظلومیت کا تذکرہ کرے جو اس کی مدد کر سکتا ہو۔

② کسی گناہ یا برے کام کو روکنے کے لیے ایسے لوگوں کو اطلاع دینا جو اس کے ساتھ مل کر یا خود اسے روک سکیں، اگر مقصد صرف اس کام کرنے والے کی تذلیل ہو تو یہ جائز نہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آیات و احادیث اس کی دلیل ہیں۔

③ فتویٰ لینے کے لیے مفتی کے سامنے کسی کے نقص کا ذکر کرے تو یہ جائز ہے، مثلاً ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو، کیا میں اس کے علم کے بغیر اس کے مال میں سے لے لیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ''تمھارے بچوں کے لیے جتنا کافی ہو معروف

طریقے کے ساتھ سے لیا کرو۔" [بخاری: ۲۲۱۱، البیوع: ۹٤]
رسول اللہ ﷺ نے ہند رضی اللہ عنہا کو اپنے خاوند کا عیب بیان کرنے سے منع نہیں فرمایا کیونکہ اس کا مقصد مسئلہ پوچھنا تھا۔

④ مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے اور انھیں شر سے بچانے کے لیے کسی کی برائی سے آگاہ کرے تو یہ جائز ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا، آپ ﷺ نے فرمایا:
((إِئْذَنُوْا لَهُ بِئْسَ أَخُو الْعَشِيْرَةِ)) [البخاری: ٦٠٥٤]
"اسے اجازت دے دو، یہ خاندان کا بہت برا آدمی ہے۔" (حدیث لمبی ہے)
رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس شخص کی برائی سے آگاہ کرنا ضروری خیال فرمایا، مسلمانوں کی خیر خواہی میں اور انھیں شر سے بچانے میں بہت سی چیزیں آ جاتی ہیں:

ا: حدیث کے راویوں پر اور مقدمے کے گواہوں پر جرح جائز بلکہ واجب ہے اور اس پر امت کا اتفاق ہے۔

ب: جب کوئی شخص کسی کے ساتھ رشتہ کرنے یا امانت رکھنے یا مشارکت کرنے یا ہمسائیگی اختیار کرنے، کاروبار یا کوئی اور معاملہ کرنے کے متعلق مشورہ پوچھے تو صحیح صحیح بات بتا دے۔

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابوجہم رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: "معاویہ تو کنگال ہے اس کے پاس کچھ نہیں اور ابوجہم عورتوں کو بہت مارتا ہے، تم اسامہ سے نکاح کر لو۔" [صحیح مسلم: ۱٤۸۰، الطلاق: ٦]
اور یہ مومن کا حق ہے ((وَ إِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ)) "جب وہ تم سے مشورہ مانگے تو اس کی خیر خواہی کر۔" [صحیح مسلم، ۲۱٦۲، الأدب: ۳]

۵۔ جو شخص کھلم کھلا اللہ کی نافرمانی کرتا ہو، لوگوں کو لوٹتا ہو، علانیہ شراب پیتا ہو تو اس کے گناہوں کا ذکر جائز ہے جن کو چھپانے کی وہ ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا اور جن کا ذکر کیا جائے تو اسے برا محسوس ہی نہیں ہوتا کیونکہ غیبت ان چیزوں کا ذکر ہے جسے وہ ناپسند کرے۔

۶۔ کوئی شخص کسی لقب کے ساتھ مشہور ہو اس کے بغیر اس کی پہچان نہ ہوتی ہو اور وہ اسے برا بھی نہ جانتا ہو تو اسے اس لقب سے ذکر کرنا جائز ہے، خواہ اس میں اس کا کوئی نقص ہی بیان ہو رہا ہو۔ مثلاً: أَعْمَش (جس کی آنکھیں چندھیائی ہوئی ہوں) أَعْرَج (لنگڑا) أَصَم (بہرا) أَعْمیٰ (نابینا) وغیرہ شرط یہ ہے کہ مقصد اس کی تنقیص نہ ہو۔

۵۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا غیر مسلم کی غیبت جائز ہے؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ﴾ مسلمان ایک دوسرے کی غیبت نہ کریں، اسی طرح ((ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ)) سے بھی ظاہر ہے کہ صرف مسلمان کی غیبت ناجائز ہے، کیونکہ کافر ہمارا دینی بھائی نہیں۔

اخوت ایمانی کو نقصان پہنچانے والی اشیاء کی ممانعت

١٦/١٤١٠ـ ((وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا تَحَاسَدُوْا وَ لَا تَنَاجَشُوْا ، وَ لَا تَبَاغَضُوْا، وَ لَا تَدَابَرُوْا، وَ لَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ، وَ كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا، اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ : لَا يَظْلِمُهُ، وَ لَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ، اَلتَّقْوٰى هَاهُنَا وَ يُشِيْرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ

مَرَّاتٍ، بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: دَمُهُ، وَ مَالُهُ، وَ عِرْضُهُ »
[أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، ایک دوسرے کے مقابلے میں ارادۂ خرید کے بغیر بولی نہ بڑھاؤ، ایک دوسرے سے دلی دشمنی نہ رکھو، ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اور تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے اور نہ اسے حقیر جانتا ہے، تقویٰ یہاں ہے۔" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ فرماتے تھے۔" آدمی کو برا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ اپنے مسلم بھائی کو حقیر جانے، مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت۔" (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم، البر والصلة: ۳۲، وغیرہ۔ دیکھیے تحفة الاشراف: ۱۰/٤٥٦]

مفردات:

بِحَسْبِ امْرِیءٍ میں باء زائدہ ہے اور حسب امریٔ مبتدا ہے اور أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ جملہ بن کر مصدر کی تاویل میں ہو کر اس کی خبر ہے۔

فوائد:

۱۔ « لَا تَحَاسَدُوا » یہ باب تفاعل ہے جو دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے، ایک دوسرے پر

حسد مت کرو، کوئی حسد کرے تو اس کے جواب میں بھی اس پر حسد نہ کرو، حالانکہ برائی کا بدلا برائی سے دینے کی اجازت ہے:

﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ [الشوریٰ : ٤٢/ ٤٠]

''برائی کا بدلا اس جیسی برائی ہے۔''

مگر مسلمان پر حسد کے جواب میں بھی حسد جائز نہیں تو جو تم پر حسد نہیں کرتا اس پر حسد تو بطریق اولیٰ حرام ہے۔ حسد کی تفصیل اور علاج کے لیے دیکھیے اسی باب کی پہلی حدیث۔

٢۔ ((وَلَا تَنَاجَشُوْا)) یہ بھی باب تفاعل ہے، لغت میں نجش کا معنی شکار کو اس کی جگہ سے اٹھانا اور نکالنا ہے تاکہ پھر اسے شکار کیا جا سکے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ جب کوئی سامان فروخت کر رہا ہو، بولی میں اس کی قیمت لگائی جا رہی ہو تو کوئی شخص دوسرے سے بڑھ کر اس کی قیمت لگا دے جب کہ اس کا ارادہ اسے خریدنے کا نہ ہو تاکہ دھوکے میں آ کر کوئی دوسرا شخص اس سے بڑھ کر قیمت لگا کر پھنس جائے۔ یہ دھوکا ایک دوسرے کے مقابلے میں کرنا بھی حرام ہے تو اس شخص کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ حرام ہے، جو آپ سے یہ معاملہ نہیں کرتا۔

٣۔ ((وَلَا تَبَاغَضُوْا)) یہ بھی ((تَحَاسَدُوْا)) کی طرح باب تفاعل ہے اور اس میں بھی وہی نکتہ موجود ہے کہ جو مسلمان تم سے بغض رکھے، تم مقابلے میں بھی اس سے بغض مت رکھو اور اگر کوئی تم سے بغض نہیں رکھتا اس سے بغض رکھنا تو اور زیادہ برا ہے۔ اس حکم کی رو سے وہ کام بھی حرام ٹھہرے جن سے آپس میں دلی عداوت پیدا ہوتی ہے۔

٤۔ ((وَلَا تَدَابَرُوْا)) یہ دُبُرٌ یعنی پیٹھ سے باب تفاعل ہے، ایک دوسرے کی طرف پیٹھ مت کرو، مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو، ایک دوسرے سے بول چال بند نہ کرو،

کیونکہ جب آدمی ایک دوسرے کو چھوڑ دیتے ہیں تو وہ ایک دوسرے سے منہ پھیر لیتے ہیں، یہ حالت تین دن سے زیادہ رکھنا حرام ہے۔ دیکھیے اسی کتاب کی حدیث: ۱۳۷۷۔

۵۔ ایک دوسرے کی بیع پر بیع مت کرو۔ جب دو مسلمانوں کی آپس میں بیع ہو چکے تو کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ بیچنے والے سے کہے کہ تم یہ چیز میرے ہاتھ میں فروخت کرو، میں تمھیں زیادہ قیمت دیتا ہوں۔ نہ خریدنے والے سے یہ کہنا جائز ہے کہ تم یہ چیز مجھ سے خریدو میں تمھیں سستی دیتا ہوں، پہلی بیع فسخ کر دو۔ اس سے آپس میں شدید عداوت پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر دو فریقوں میں نکاح کی بات طے ہو چکی ہے صرف عقد باقی ہے تو کسی تیسرے کو ان کی بات ختم کروا کر اپنا پیغام بھیجنا جائز نہیں، ہاں اگر بیع طے نہیں ہوئی اور اسی طرح ابھی رشتہ طے نہیں ہوا تو ہر شخص خریدنے کے لیے کہہ سکتا ہے کہ میں اتنی قیمت پر خریدتا ہوں، اسی طرح ہر شخص نکاح کا پیغام بھی دے سکتا ہے۔

۶۔ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ، یعنی اللہ کے بندے ہو تو اس کا حکم مانو، بندے کا کیا کام ہے کہ اپنی بات چلائے، پانچ چیزوں سے منع کرنے کے بعد حکم یہ دیا کہ نسبی بھائیوں کی طرح آپس میں بھائی بن جاؤ، تمھارے درمیان سگے بھائیوں کی طرح باہمی شفقت رحمت، محبت، غمخواری، معاونت اور خیر خواہی ہونا چاہیے۔

۷۔ وہ چیزیں جن سے اسلامی اخوت کا اظہار ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، پھر اس اخوت کو ظاہر کرنے والی تین چیزیں بیان فرمائیں:

۱۔ وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، نہ اس کی جان پر نہ مال پر نہ عزت پر۔

۲۔ وہ اس کی مدد نہیں چھوڑتا، اگر وہ مظلوم ہے تو اسے ظلم سے بچاتا ہے، اگر وہ ظالم ہے تو اس کی مدد اس طرح کرتا ہے کہ اسے ظلم سے روکتا ہے۔

۲۔ اسے حقیر نہیں جانتا، کیونکہ مسلمان کو حقیر جاننے کی ابتدا تکبر سے ہوتی ہے اور تکبر ایمان کے منافی ہے۔

صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ)) [صحیح مسلم: ح ۹۱، الإیمان: ۳۹]

''تکبر حق کو چھپانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔''

متکبر آدمی دوسرے کو حقیر جاننے کی وجہ سے انھیں اس لائق ہی نہیں سمجھتا کہ ان کے بھی کچھ حقوق ہیں جنھیں ادا کرنا اس پر فرض ہے۔

۸۔ تقویٰ کیا ہے اور کہاں ہوتا ہے؟:

تقویٰ کا لفظی معنی ڈرنا اور بچنا ہے، اللہ کا تقویٰ یہ ہے کہ اس کے ثواب کی امید کے ساتھ اس کے تمام احکام پر عمل کیا جائے اور اس کے عذاب سے بچنے کے لیے اس کی تمام منع کردہ چیزوں سے اجتناب کیا جائے، تقویٰ دل میں ہوتا ہے اور اس کا اثر تمام اعضا پر ظاہر ہوتا ہے۔

۹۔ مسلمان کو حقیر جاننے کا گناہ:

فرمایا: ''آدمی کو برا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ اپنے مسلم بھائی کو حقیر جانے۔'' کیونکہ اسے حقیر جاننے کی وجہ تکبر ہے اور تکبر اللہ تعالیٰ سے مقابلہ ہے یہ صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَ الْعَظَمَةُ إِزَارِيْ، فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ)) [صحیح أبی داود، ح ۳۴۴۶، اللباس: ۲۸]

''کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے جس شخص نے ان دونوں میں سے کسی

ایک پر مجھ سے مقابلہ کیا، میں اسے آگ میں پھینک دوں گا۔"

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِی قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ کِبْرٍ))

[مسلم]

"وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا۔"

۱۰۔ کُلُّ مُسْلِمٍ اور کُلُّ الْمُسْلِمِ میں فرق:

کُلُّ مُسْلِمٍ کا معنی ہے ہر ایک مسلمان اور کُلُّ الْمُسْلِمِ کا معنی ہے مسلمان کا کل، مسلمان کا ہر ہر حصہ، مسلمان کی ہر چیز، رسول اللہ ﷺ نے خود ہی وضاحت فرما دی کہ مسلمان کی ہر ایک چیز، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

چار بری چیزوں سے بچنے کی دعا

۱۷/۱۴۱۱۔ ((وَعَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِی مُنْکَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ وَالْأَدْوَاءِ))

[أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاکِمُ، وَاللَّفْظُ لَهُ]

"قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے: "اے اللہ! مجھے بری عادتوں، برے کاموں، بری خواہشوں اور بری بیماریوں سے بچا۔" (اسے ترمذی نے

روایت کیا اور حاکم نے صحیح کہا اور یہ لفظ حاکم کے ہیں)

تخریج:

[صحیح۔ ترمذی : ۳۵۹۱۔ حاکم: ۵۳۲۔ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ دیکھیے صحیح الترمذی : ۲۸۴۰]

مفردات:

جَنِّبْ باب تفعیل کا مصدر ہے تجنیب کا معنی دور رکھنا ہے، أَخْلَاق، خُلُق کی جمع ہے، أَهْوَاءُ، هَوٰی کی جمع ہے اور أَدْوَاءُ دَاءٌ کی جمع ہے۔

برے اخلاق، برے اعمال، بری خواہشات اور بری بیماریوں سے مراد ہے آدمی کی وہ عادتیں جو اس کی پیدائشی عادتوں کی طرح پختہ ہو جائیں، اخلاق کہلاتی ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے ۔

كَذَاكَ أُدِّبْتُ حَتّٰى صَارَ مِنْ خُلُقِيْ

إِنِّيْ وَجَدْتُ مِلَاكَ الشِّيْمَةِ الْأَدَبَا

"مجھے اسی طرح ادب سکھایا گیا یہاں تک کہ وہ میری طبعی عادت بن گیا ہے، میں نے تمام خصلتوں کا اصل ادب کو پایا ہے۔"

برے اخلاق وہ ہیں جو شریعت کی نظر میں برے ہیں اور جنھیں انسانی عقل اور فطرت بھی برا جانتی ہے، مثلاً حسد، کینہ، جھوٹ، خیانت، دھوکا، سنگدلی، بخل، بزدلی، بے صبری وغیرہ۔ اس کے مقابلے میں اچھے اخلاق ہیں، مثلاً بردباری، عفو، سخاوت، صبر، رحم، لوگوں کے کام آنا، ان کی تکالیف اٹھانا اور ان سے احسان وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ نے برے اخلاق سے پناہ مانگی اور اچھے اخلاق کے حصول کے لیے دعا کی،

چنانچہ نماز کے افتتاح کی دعا میں ہے:

((وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ))

[صحيح مسلم صلاة المسافرين : ٢٠١]

"اور مجھے بہترین اخلاق کی ہدایت دے (کیونکہ) سب سے اچھے اخلاق کی ہدایت تیرے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا اور برے اخلاق مجھ سے ہٹا دے (کیونکہ) مجھ سے برے اخلاق کو تیرے علاوہ کوئی نہیں ہٹا سکتا۔"

برے اعمال سے مراد وہ تمام کام ہیں جو شریعت کی نظر میں برے ہیں اور فطرت انسانی بھی اگر مسخ نہ ہوگئی ہو تو انہیں برا جانتی ہے، مثلاً قتل ناحق، زنا، چوری، بہتان وغیرہ۔

بری خواہشات وہ ہیں جن کے پیچھے اگر انسان لگ جائے تو دنیا اور آخرت میں اس کا انجام برا ہو، بری بیماریاں جو انسان کو ذہنی یا جسمانی طور پر بے کار کر دیں، لوگوں کو اس سے نفرت دلانے کا باعث ہوں جیسے برص، جذام، عشق، جنون، فالج وغیرہ۔

جھگڑے، مذاق اور وعدہ خلافی کی ممانعت

١٨/١٤١٢ـ ((وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا تُمَارِ أَخَاكَ وَ لَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ)) [أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ]

"ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے بھائی سے جھگڑا

مت کر، نہ اس کے ساتھ مذاق کر اور نہ اس سے ایسا وعدہ کر کہ اس کی خلاف ورزی کرے۔" (اسے ترمذی نے ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا)

تخریج:

[ضعیف۔ ترمذی : ۱۹۹۵] ترمذی نے روایت کر کے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اسے اسی سند سے جانتے ہیں، البانی نے اسے "ضعیف الترمذی" (۳۶۱) اور "ضعیف الجامع" : (٦٢٧٤) میں ضعیف قرار دیا ہے۔

مفردات:

لَا تُمَارِ مَارَى يُمَارِيْ مُمَارَاةً وَ مِرَاءً باب مفاعلہ سے نہی کا صیغہ ہے، مادہ "م ری" جھگڑا مت کر۔

فَتُخْلِفَهُ باب افعال سے فعل مضارع ہے، اس پر نصب اس لیے ہے کہ یہ ((لَا تَعِدْهُ)) نہی کے جواب میں ہے اور اس پر فاء داخل ہوئی ہے، اس فاء کے بعد أَنْ ناصبہ مقدر ہوتا ہے۔

فوائد:

۱۔ اس حدیث کی سند کیسی ہے؟:

اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہیں تقریب میں ہے۔ ((صدوق اختلط اخيرا ولم يتميز حديثه فترك)) "سچا ہے آخر عمر میں اسے اختلاط ہو گیا اور اس کی حدیث کی تمیز نہیں ہو سکی اس لیے اسے ترک کر دیا گیا۔"

۲۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ترمذی نے اسے حسن غریب کیوں فرمایا ہے؟ غریب تو اس لیے کہا کہ

اس کی سند صرف ایک ہے اور راوی کمزور ہونے کے باوجود حسن اس لیے کہہ دیا ہے کہ اس کے مفہوم کی تائید دوسری آیات و احادیث سے ہوتی ہے۔

۳۔ کیا ضعیف حدیث بیان کرنا درست ہے؟ ضعیف حدیث بیان کرنا درست نہیں ہاں اگر ساتھ کہہ دیا جائے کہ یہ ضعیف ہے جیسا کہ یہاں مصنف نے واضح کر دیا ہے تو درست ہے، کیونکہ کسی حدیث کے ضعف کا علم بھی ایک بہت بڑا علم ہے تاکہ لوگ اس سے بچ سکیں، ہاں اگر اس کی تائید دوسری احادیث سے یا قرآن مجید سے ہوتی ہو تو پھر بطور استدلال بھی بیان کی جا سکتی ہے، لیکن شرط یہی ہے کہ اس کا ضعف واضح کر دیا جائے تاکہ اصل استدلال مجموعی مفہوم سے ہو، صرف ضعیف حدیث کے کسی لفظ کو استدلال کی بنیاد نہ بنایا جائے۔

۴۔ مسلمان سے جھگڑا کرنا منع ہے۔ ناجائز "مراء" کی حقیقت یہ ہے کہ تم کسی دوسرے شخص کی بات پر کسی ضرورت اور مقصد کے بغیر اعتراض کرتے رہو اور اس کی خرابی نکالتے رہو، مقصد صرف اسے نیچا دکھانا، ذلیل کرنا اور اس پر اپنی برتری ثابت کرنا ہو۔ (سبل السلام) خواہ مخواہ، جھگڑے کی مذمت صحیح احادیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، آپ نے فرمایا:

((إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ))

[صحیح مسلم، العلم: ۲]

"اللہ کو آدمیوں میں سے زیادہ ناپسند وہ ہے جو ہٹ دھرم، سخت جھگڑالو ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴾ [الزخرف: ۵۸/۴۳]

"انھوں نے اس (ابن مریم) کو آپ کے لیے صرف جھگڑے کے لیے بطور مثال بیان کیا

ہے، بلکہ وہ سخت جھگڑالو لوگ ہیں۔''

۵۔ کیا ہر قسم کا جھگڑا حرام ہے۔ وہ جھگڑا جس کا مقصد حق معلوم کرنا یا حق کو دلیل سے ثابت کرنا ہو، اگر اچھے طریقے سے کیا جائے تو جائز بلکہ ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ [النحل : ١٦/ ١٢٥]

''ان کے ساتھ اس طریقے سے جھگڑا کر جو سب سے اچھا ہے۔''

مناظرہ، مجادلہ اچھے طریقے سے ہو تو یہ انبیاء کی سنت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام سید المناظرین تھے، آپ دیکھیں انھوں نے کس طرح نمرود کے خدائی دعویٰ کو باطل کر کے اسے مبہوت کر دیا، ستارہ، چاند اور سورج پوجنے والوں کو ﴿ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ﴾ کی دلیل سے لاجواب کر دیا، بت پرستوں کو کہہ دیا کہ ''ٹوٹے ہوئے خداؤں سے پوچھ لو یہ سب ان کے بڑے کا کام ہے'' انھیں سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اصل قصور خود تمھارا ہے۔

ہاں اس میں ایک بات مدنظر رہنی چاہیے کہ طریقہ شائستہ ہو، بات حسن ہی نہیں احسن ہو۔ اہل کتاب سے بحث کرتے وقت بھی اس کی تاکید فرمائی:

﴿ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ [العنکبوت : ٢٩/ ٤٦]

''اہل کتاب کے ساتھ جھگڑا مت کرو مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہے۔''

تو اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ بحث کے لیے تو اور بھی اچھا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

۶۔ مزاح کی کون سی صورت حرام ہے؟ وہ مزاح جس کا مقصد کسی مسلم بھائی کی تحقیر، اسے ذلیل کرنا اور اس کی خاک اڑانا ہو حرام ہے۔ اس کی تہہ میں خود بینی، تکبر اور اپنی برتری ثابت کرنا ہوتا ہے اور اس سے دلوں میں بغض پیدا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ﴾ [الحجرات : ٤٩/١١]

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! کوئی قوم کسی قوم سے مذاق نہ کرے، ہو سکتا ہے، وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں ہی عورتوں سے مذاق کریں ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔“

۷۔ مزاح کی جائز صورت کیا ہے؟ جب مزاح صرف خوش طبعی کی حد تک ہو اس میں کوئی غلط یا خلاف واقع بات نہ کی گئی ہو، جس شخص سے مذاق کیا گیا ہے اس کی عزت میں کوئی فرق نہ آئے بلکہ وہ خود بھی لطف محسوس کرے اور اسے خوشی حاصل ہو تو ایسا مذاق جائز ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، مگر اس کے لیے بہت تیز ذہانت کی ضرورت ہے کہ کہیں کسی دوست کی دل شکنی نہ ہو جائے ۔

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ((إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا)) ”آپ ہم سے مزاح کر لیتے ہیں۔“ فرمایا: ((إِنِّيْ لَا أَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا)) ”میں حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتا۔“ [صحيح الترمذي : ١٦٢١]

کتب حدیث میں آپ ﷺ کی خوش طبعی کے کئی واقعات مذکور ہیں، مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ”یا رسول اللہ! مجھے سواری دیجیے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہم تمھیں سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دیں گے۔“ وہ کہنے لگا: ”اونٹنی کے بچے کو میں کیا کروں گا۔“ آپ نے فرمایا: ”اونٹ اونٹنیوں کے بچے ہی

تو ہوتے ہیں۔" [ابوداؤد، ماجاء فی المزاح اور دیکھیے صحیح ابی داؤد: ۴۹۹۸]

۸۔ وعدہ خلافی کے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیے ،اس باب کی حدیث (۱۴۰۰/۶)

بد خلقی اور بخل کی مذمت

۱۴۱۳/۱۹۔ ((وَ عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: خَصْلَتَانِ لَا یَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ: اَلْبُخْلُ، وَ سُوْءُ الْخُلُقِ))

[أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِیُّ، وَ فِیْ سَنَدِهِ ضُعْفٌ]

"ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہوتیں، بخل اور بد خلقی۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا اور اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے)

تخریج:

[اس کی سند میں کچھ ضعف ہے۔ ترمذی: ۲۶۸۴۔ الادب المفرد للبخاری ۲۸۲ وغیرہما]، سند اس طرح ہے عن صدقۃ بن موسیٰ عن مالک بن دینار عن عبداللہ بن غالب عن ابی سعید مرفوعاً۔ ترمذی نے فرمایا: "یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے صدقہ بن موسیٰ کے علاوہ کسی سے نہیں جانتے۔" شیخ البانی نے فرمایا: "وہ اپنے سوء حفظ کی وجہ سے ضعیف ہے۔" مناوی نے فیض القدیر میں فرمایا کہ ذہبی نے کہا "صدقہ" ضعیف ہے۔" اسے ابن معین وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور منذری نے فرمایا ہے وہ ضعیف ہے اور حافظ نے تقریب میں فرمایا:

((صَدُوقٌ لَهُ أَوْهَامٌ انتهی)) [دیکھیے تحفۃ الاشراف : ۴۷۸/۳]

فوائد:

حدیث کی سند میں اگرچہ ضعف ہے مگر بخل اور بدخلقی کی مذمت میں کئی آیات واحادیث آئی ہیں اور انھیں کفار کے اوصاف میں شمار کیا گیا ہے، بخل کی مذمت میں آیات:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۝ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ ﴾

[النساء : ۴/ ۳۶، ۳۷]

”یقیناً اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت نہیں رکھتا جو تکبر کرنے والا فخر کرنے والا ہو، وہ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار رکھا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ ﴾ [الماعون : ۱۰۷/ ۱-۳]

”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت کو جھٹلاتا ہے تو یہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور (خود کھلانا تو دور ہے) مسکین کو کھلانے پر رغبت (بھی) نہیں دلاتا۔“

اور جہنمیوں کے بیان میں جس میں انھوں نے اپنے جہنمی ہونے کے اسباب بیان کیے، ذکر فرمایا:

﴿ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ ﴾ [المدثر : ۷۴/ ۴۴]

"وہ کہیں گے ہم نمازیوں سے نہیں تھے اور ہم مسکین کو کھلاتے نہیں تھے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۝ ﴾

[اللیل : ۹۲/۸ ، ۱۰]

"اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی کی اور جنت کو جھٹلایا ہم اسے مشکل کی طرف جانے کی آسانی دیں گے۔"

دیکھیں ان تمام آیات میں بخل کی صفت کفار کے ضمن میں ہی بیان ہو رہی ہے۔

بد خلقی کی مذمت:

ایسی خصلتیں جو طبیعت میں پختہ ہو جائیں اور اس طرح عادت بن جائیں کہ بغیر سوچے سمجھے خود بخود سرزد ہوتی رہیں خلق کہلاتی ہیں، خصوصاً جن عادات کا تعلق ایک دوسرے سے برتاؤ کے ساتھ ہو، اچھی ہوں تو حسن الخلق اور بری ہوں تو سوء الخلق۔ سورۃ القلم میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے متعلق فرمایا:

﴿ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ ﴾ [القلم : ۶۸/ ۴]

"آپ عظیم خلق کے مالک ہیں۔"

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے خلق کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: ((كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ)) "آپ کا خلق قرآن تھا۔" [مسند احمد: ۶/ ۹۱] یعنی قرآن مجید میں مذکور تمام اوصاف و خصائل آپ کی عادت اور طبیعت بن چکے تھے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اخلاق سیئہ کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان برے اخلاق والے لوگوں کی پیروی آپ ہرگز نہ کریں، فرمایا:

﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ ﴾

[القلم: ۱۰ - ۱۵]

''اور تو کسی ایسے شخص کا کہنا بھی نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا، بے وقار، کمینہ، عیب گو، چغل خور، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھ جانے والا، گناہ گار، سرکش پھر ساتھ ہی مشہور بدنام ہو، اس کی سرکشی صرف اس لیے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے، جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے یہ تو اگلوں کے قصے ہیں۔''

حق یہ ہے کہ یہ اخلاق سیئہ کفار ہی کا حصہ ہیں ایمان مومن کو کبھی اتنی پستی میں نہیں گرنے دیتا۔

گالی میں پہل کرنے والے کے لیے وعید

۲۰/۱۴۱۴۔ ((وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِئِ، مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دوسرے کو گالی دینے والے دو شخص جو کچھ کہیں (اس کا گناہ) پہل کرنے والے پر ہے، جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم، البر والصلة : ٦٨، وغیرہ۔ دیکھیے تحفة الأشراف : ٢٣٢/١٠]

فوائد:

گالی کا بدلا لینے کا جواز: اس حدیث میں اس شخص سے بدلا لینے کو جائز رکھا گیا ہے جو گالی دینے میں پہل کرے بشرطیکہ بدلا لینے والا صرف اتنی گالی پر صبر کرے جتنی اسے دی گئی ہے زیادتی نہ کرے، اس صورت میں دونوں کا گناہ پہل کرنے والے کی گردن پر ہوگا، کیونکہ گالی گلوچ کے اس سلسلے کا اصل باعث وہ بنا ہے:

﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ﴾

[البقرة : ١٩٤/٢]

”تو جو شخص تم پر زیادتی کرے اس پر اتنی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی ہے۔“

جواب میں گالی دینے سے پرہیز کی فضیلت:

لیکن اگر یہ صبر کرے اور برداشت کرے تو یہ افضل ہے اور باعث ثواب ہے کیونکہ جواب شروع ہو جائے تو اکثر اوقات زیادتی ہو جاتی ہے اور شیطان کو دخل دینے کا موقع مل جاتا ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۖ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾

[الشورى : ٤٠/٤٢]

”اور برائی کی جزا اس کی مثل برائی ہے پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ تعالی کے ذمہ ہے۔“

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالی دی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں بیٹھے ہوئے تھے، آپ تعجب کرتے رہے اور مسکراتے رہے۔ جب اس نے زیادہ ہی برا بھلا کہا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی کسی بات کا جواب دے دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آ گئے اور (وہاں) سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے جا کر آپ سے ملے اور کہنے لگے: "یا رسول اللہ! وہ مجھے گالیاں دے رہا تھا اور آپ بیٹھے ہوئے تھے، جب میں نے اس کی کسی بات کا جواب دیا تو آپ غصے سے اٹھ گئے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بات یہ ہے کہ تمھارے ساتھ ایک فرشتہ تھا جو تمھاری طرف سے جواب دے رہا تھا جب تم نے اس کی کسی بات کا جواب دیا تو شیطان آ گھسا، سو میں شیطان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا تھا۔" مسند احمد : ٢/٤٣٦۔ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [ہیثمی۔ البانی نے اسے حسن کہا، دیکھیے صحیح ابی داود : ٤٨٩٧]

مسلمان کو نقصان پہنچانے اور اس کی مخالفت کرنے کا وبال

٢١/١٤١٥۔ ((وَعَنْ أَبِي صِرْمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ ضَارَّ مُسْلِمًا ضَارَّهُ اللّٰهُ، وَ مَنْ شَاقَّ مُسْلِمًا شَقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ)) [أَخْرَجَهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ حَسَّنَهُ]

"ابوصرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کسی مسلم کو تکلیف پہنچائے اللہ تعالیٰ اسے تکلیف پہنچائے گا اور جو شخص کسی مسلم کی مخالفت کرے اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ڈالے گا۔" (اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن کہا)

تخریج:

[سند میں کچھ ضعف ہے، حدیث حسن لغیرہ ھے] ابوداؤد : ٣٦٣٥۔ ترمذی : ١٩٤٠] ترمذی میں "مسلمًا" کا لفظ نہیں ہے، مشہور حدیث لَا ضَرَرَ وَ لَا ضِرَارَ (نہ ابتدا میں تکلیف دینا جائز ہے نہ ضد میں یا مقابلے میں آ کر) اس کی مؤید ہے، مزید شواہد کے لیے۔ دیکھیے ارواء الغلیل: (٨٩٦) اور ملاحظہ فرمائیں، تحفۃ الاشراف: (٩/٢٢٨)

مفردات:

ضَارَّ باب مفاعلہ میں سے ہے، جو شخص ارادے اور قصد سے کسی کو تکلیف پہنچائے اسے مضار کہتے ہیں، اگر کوئی حق وصول کرنے کے لیے یا حد یا تعزیر کے لیے تکلیف پہنچائے یا اس سے بلا ارادہ دوسرے کو تکلیف پہنچ جائے، تو یہ مضار نہیں۔

شَاقَّ یہ شِقٌّ میں سے باب مفاعلہ ہے یعنی کسی کے مقابلے میں مخالفت پر اتر آنا کہ وہ ایک شق (طرف) میں ہو اور یہ اس کے بالمقابل دوسری شق میں ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ﴾ الخ میں بھی یہی معنی مراد ہے۔

فوائد:

مسلمان اللہ کا دوست ہوتا ہے اور اللہ اس کا دوست ہوتا ہے: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور فرمایا: ﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ﴾ اب ظاہر ہے جو شخص اللہ کے دوست کو تکلیف پہنچائے گا اللہ تعالیٰ اسے کس طرح گوارا فرمائے گا اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جس قسم کا عمل ہو اسی قسم کی جزا ہوتی ہے، اس لیے مسلمان کو جان و مال یا عزت کسی بھی چیز میں قصداً تکلیف پہنچانے والے کو اللہ تعالیٰ تکلیف پہنچائے گا اور جو شخص خواہ مخواہ کسی مسلمان کی مخالفت پر اتر

آئے، اس سے عناد رکھے، اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ڈالے گا۔

۱۔ ابو صرمہ رضی اللہ عنہ صحابی اپنی کنیت سے ہی مشہور ہیں نام میں بہت اختلاف ہے، بنو مازن بن نجار سے ہیں، بدر اور اس کے بعد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ (سبل)

بدزبانی کرنے والے بے ہودہ بکنے والے سے اللہ بغض رکھتا ہے

۱۴۱۶/۲۔ ((وَ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيْءَ)) [أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ]

"ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یقیناً اللہ تعالیٰ بدزبان (گالیاں بکنے والے)، بے ہودہ، گندی باتیں کرنے والے سے بغض رکھتا ہے۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے)

تخریج:

(اس کی سند میں کچھ ضعف ہے، حدیث [صحیح لغیرہ] ہے۔ ترمذی (۲۰۰۲) میں مکمل روایت اس طرح ہے:

((عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مَالِكٍ عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلَ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ وَ إِنَّ

اللّٰہَ لَیُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیْءَ»

”ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے، وہ یعلی بن مالک کے واسطے سے ام درداء رضی اللہ عنہا سے اور وہ ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتی ہیں کہ:” نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:” مومن کی میزان میں کوئی چیز اچھے خلق سے زیادہ وزنی نہیں ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ بد زبان (گالیاں بکنے والے) بے ہودہ، گندی باتیں کرنے والے سے بغض رکھتا ہے۔“

شیخ البانی نے فرمایا:” یعلی بن مالک کو ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا اور اس سے ابن ابی ملیکہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی۔ اس لیے حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا” مقبول“ یعنی متابعت کے وقت، شیخ البانی فرماتے ہیں اس کے آخری حصے «وَإِنَّ اللّٰہَ لَیُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیْءَ» کے دو شاہد بھی ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سلسلة الاحادیث الصحیحة : ۸۷٦۔ اور دیکھیے تحفة الاشراف : ۸/ ۲٤٦]

مفردات:

یُبْغِضُ بغض محبت کی ضد ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسے اچھا بدلا دے گا، اسے عزت عطا فرمائے گا اور اس کے بغض کا مطلب یہ ہے کہ اسے سزا دے گا، اسے ذلیل کرے گا، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ محبت اور بغض کا نتیجہ تو ہو سکتا ہے مگر محبت اور بغض کا مطلب یہ ہرگز نہیں۔ محبت اور بغض کا مطلب ہر شخص جانتا ہے، دوستی اور دشمنی۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ کی یہ صفات آئی ہیں، ان پر ایمان لانا واجب ہے، جو لوگ ان کا کوئی اور مطلب بیان کرتے ہیں ان کے نزدیک یہ ماننے سے کہ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے یا دشمنی رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی شان میں فرق آتا ہے، کیونکہ یہ جذبات تو انسانوں میں پائے جاتے ہیں

اور انسان محبت اور دشمنی کے جذبے کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے، اس لیے انھوں نے اللہ کی صفات کی تاویل کی جو درحقیقت اصل صفت حب وبغض کی نفی ہے کیونکہ بدلا دینا، عزت کرنا یہ الگ صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ میں یہ بھی پائی جاتی ہیں اور محبت اور بغض اس کی الگ مستقل صفات ہیں۔

رہی یہ بات کہ حب وبغض کو اللہ کی صفات مانیں تو انسانوں کی مشابہت لازم آتی ہے جب کہ اللہ کی مثل تو کوئی چیز نہیں اس لیے ہم اللہ کی ان صفات کو نہیں مانتے بلکہ ان کا مطلب دوسرا کرتے ہیں تو اس میں قابل غور یہ بات ہے کہ اگر محبت اور بغض انسانوں میں پائے جاتے ہیں تو اچھا برا بدلا دینا، عزت کرنا یا بے عزتی کرنا بھی تو انسانوں میں پایا جاتا ہے، پھر یہ بھی اللہ تعالیٰ میں نہیں ہونا چاہیے اور ان کا مطلب بھی کچھ اور نکالنا چاہیے اور آخر کہاں تک مطلب نکالتے جائیں گے۔ صاف کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ صفات سے خالی ہے، حالانکہ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ نے بالکل آسان فرما دیا ہے، فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ ﴾ [الشورى : ١١/٤٢]

”یعنی اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔“

یعنی تم سنتے اور دیکھتے ہو اور اللہ بھی سنتا ہے اور دیکھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں، تمھارا سننا اور دیکھنا اور اللہ تعالیٰ کا سننا دیکھنا ایک جیسا نہیں، بلکہ اللہ کا سننا اور دیکھنا اس طرح ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ معلوم ہوا انسانوں کی مشابہت سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سننے اور دیکھنے کا ہی انکار کر دینا درست نہیں بلکہ یہ دراصل قرآن کا انکار ہے۔

اسی طرح حب وبغض یقیناً اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، مگر جس طرح اس کی شان کے لائق ہیں، مخلوق کی طرح نہیں اور نہ ہی وہ انسانوں کی طرح محبت وبغض کے ہاتھوں بے بس ہے۔

اَلْفَاحِشَ فحش، فاحشہ، فحشاء سے مراد وہ قول یا فعل ہے جو بہت ہی قبیح ہو، زنا کو اسی لیے

ناحشہ کہتے ہیں، شدید بخل کو فحشاء کہتے ہیں: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴾ [البقرۃ: ۲۶۸] میں یہی مراد ہے، گالی بکنا، بے حیائی کی بات کرنا بھی فحش ہے۔ اس حدیث میں یہی مراد ہے۔ البذیء، بذاء سے فعیل کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے، بے ہودہ اور گندی باتوں کو بذاء کہتے ہیں۔

فحش گوئی، بدکلامی اور لعن طعن کرنا مومن کی شان نہیں

۱۴۱۷/۲۳۔ ((وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَفَعَهُ: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلَا اللَّعَّانِ، وَلَا الْفَاحِشِ، وَلَا الْبَذِيءِ)) [وَحَسَّنَهُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَرَجَّحَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَقْفَهُ]

''ترمذی نے ہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے یہ روایت اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی: '' مومن بہت طعنے دینے والا، بہت لعنت کرنے والا، فحش گوئی کرنے والا، بے ہودہ بکنے والا نہیں ہوتا۔'' (اور اسے حسن کہا ہے، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور دارقطنی نے اس کے موقوف (صحابی کا قول) ہونے کو راجح قرار دیا ہے)

تخریج:

[صحیح] ترمذی: ۱۹۷۷۔ حاکم: ۱/ ۱۲۔ بیہقی: ۱۰/ ۱۹۳ شیخ البانی نے الصحیحہ (۳۲۰) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ یہ مقام قابل مطالعہ ہے کہ کس طرح جرح غیر مفسر رد کی جاتی ہے اور ایسی جرح کا حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور [دیکھیے تحفة الاشراف: ۷/ ۱۰۴]

فوائد:

۱۔ مومن پر لعن طعن حرام ہے۔ طعان اور لعان مبالغے کے صیغے ہیں، بہت زیادہ طعنے دینے والا، بہت زیادہ لعنت کرنے والا۔

''مومن بہت زیادہ طعنے دینے والا، بہت زیادہ لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔'' کا مطلب یہ نہیں کہ مومن تھوڑا بہت یہ کام کرتا رہتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان پر لعنت کرنا اور اسے طعنہ دینا بالکل ہی حرام ہے۔

﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ [الحجرات: ۴۹/۱۱]

''ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ۔''

ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حدیث لمبی ہے...... اس کا ایک فقرہ یہ ہے:

((وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ)) [بخاری: ۶۰۴۸]

''جس نے کسی مومن پر لعنت کی تو یہ اس کے قتل کی طرح ہے۔''

مومن کو تو جانور پر لعنت کرنا بھی جائز نہیں، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلے میں ایک عورت نے اپنی اونٹنی پر لعنت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا...... فرمایا: ''اس اونٹنی سے اس کا سامان اور پالان سب اتار دو، یہ ملعون ہو چکی۔'' چنانچہ اس کا سامان اتار دیا گیا اور وہ اونٹنی چھوڑ دی گئی۔ [صحیح ابی داؤد، الجہاد: ۵۵] آپ کی اتنی پر حکمت اور زبردست سرزنش کے بعد جانوروں پر لعنت کی جرأت کسے ہوگی؟

۲۔ مبالغہ کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا؟:

''مومن لعان طعان نہیں ہوتا'' دراصل کفار پر تعریض اور چوٹ ہے کہ مومن نہیں بلکہ کافر لعان طعان ہوتے ہیں۔ جس طرح کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر چوٹ کرتے ہوئے کہے کہ میرا باپ نامی گرامی چور نہیں تھا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ معمولی چور تھا بلکہ وہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ تمہارا باپ ایسا تھا۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ نے کفار کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ صفات مبالغہ کے صیغے کے ساتھ ہی استعمال فرمائی ہیں:

﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴾ [الهمزة : ۱۰۴/۱]

''ویل ہے ہر بات پر زیادہ طعنہ دینے والے بہت زیادہ عیب لگانے والے کے لیے۔''

(سورت کے آخر تک)

سورۃ القلم میں کفار کی بد خصلتوں میں سے یہ بھی شمار فرمائیں: ﴿ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ﴾

[القلم : ۱۱] ''بہت طعنے دینے والا، بہت زیادہ چغل خور۔''

۳۔ وہ لوگ جن پر لعنت جائز ہے:

جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، ان پر لعنت جائز ہے، مثلاً:

﴿ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴾ [البقرة : ۸۹/۲]

''پس اللہ کی لعنت ہے کافروں پر۔''

اور فرمایا:

﴿ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظّٰلِمِينَ ﴾ [هود : ۱۸/۱۱]

''خبردار رہو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَ شَارِبَهَا وَ سَاقِيَهَا))

[صحيح أبي داؤد، الأشربة : ٢/]

"اللہ تعالیٰ نے لعنت کی شراب پر اور اس کے پینے والے اور پلانے والے پر۔"

اور فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ وَ يَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ)) [بخاري، حدود : ٦٧٨٣]

"اللہ تعالیٰ لعنت کرے چور پر انڈا چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور رسی چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے (جب انڈے یا رسیاں دینار کے چوتھے حصے کی قیمت کو پہنچ جائیں)۔"

۴۔ کسی متعین شخص پر لعنت جائز نہیں:

اس موقع پر ایک بات یاد رہنی چاہیے کہ کفر پر فوت ہونے والے کافر تو بلاشبہ اللہ، اس کے رسولوں اور فرشتوں وغیرہم کی زبان پر ملعون ہیں، مگر کسی زندہ شخص کے معاملے میں اگر لعنت کا لفظ آئے تو صرف اس فعل پر ہوگا، مثلاً چور پر اللہ کی لعنت ہو، شرابی پر اللہ کی لعنت ہو، ظالم پر اللہ کی لعنت ہو، کفار پر اللہ کی لعنت ہو، مگر کسی شخص کو متعین کر کے کہنا کہ فلاں پر اللہ کی لعنت ہو یہ جائز نہیں کیونکہ اگر وہ مسلمان ہے تو لعنت والا کام کرنے کے باوجود وہ ملت سے خارج نہیں اور مسلم بھائی کے لیے بددعا کی بجائے دعا کرنی چاہیے جب کہ لعنت بددعا ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں عبداللہ نامی ایک آدمی تھا جسے

لوگوں نے حمار (گدھے) کا لقب دے رکھا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے شراب کی وجہ سے کوڑے بھی مارے تھے۔ ایک دن اسے لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے (اسے کوڑے مارنے کا) حکم دیا اور اسے کوڑے مارے گئے، لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا: ''اے اللہ! اس پر لعنت کر، اسے کس قدر زیادہ مرتبہ (شراب پینے کی وجہ سے) لایا جاتا ہے۔'' تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے لعنت مت کرو کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔'' [بخاری الحدود، باب : ۵]

دیکھیے آپ ﷺ نے شرابی پر لعنت کرنے کے باوجود عبداللہ حمار رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنے سے منع فرما دیا ہے، کیونکہ وہ مسلمان تھا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا تھا۔

اگر لعنت کا کام کرنے والا شخص کافر ہے تب بھی اسے متعین کر کے اس کا نام لے کر اس پر لعنت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہدایت عطا فرما دے اور اسے توبہ کی توفیق دے دے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جب آپ فجر کی آخری رکعت کے رکوع سے اٹھے تو یہ کہہ رہے تھے۔

((اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَ فُلَانًا وَ فُلَانًا))

''اے اللہ! فلاں، فلاں اور فلاں پر لعنت فرما۔''

تو اللہ نے یہ آیت اتاری:

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾

[آل عمران : ۱۲۸/۳]

''نہیں ہے آپ کے اختیار میں اس معاملے سے کچھ، یا انھیں توبہ کی توفیق دے دے یا انھیں عذاب کرے پس بے شک وہ ظالم ہیں۔'' [دیکھیے بخاری، حدیث ۴۰۶۹، ۴۰۷۰]

سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور حارث ابن ہشام کے حق میں بددعا کیا کرتے تھے تو یہ آیت اتری:

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴾

[آل عمران : ۱۲۸/۳]

یہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ستانے میں بہت بڑھ گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام لے کر لعنت اور بددعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اور اپنے اختیار سے انھیں مسلمان ہونے کی توفیق بخش دی، یہ تینوں مسلمان ہو گئے۔

فوت شدہ لوگوں کو گالی مت دو

۱٤۱۸/۲٤۔ ((وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوْا)) [أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ]

”عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مردوں کو گالی مت دو کیونکہ یقیناً وہ اس چیز کی طرف پہنچ چکے جو انھوں نے آگے بھیجی۔“ (اسے بخاری نے روایت کیا)

تخریج:

[بخاری: ٦٥١٦۔ دیکھیے تحفة الأشراف : ۲/۲۹۳]

مفردات:

لَا تَسُبُّوا سَبَّ يَسُبُّ (نصر ينصر) سے نہی کا صیغہ ہے، یہ دراصل سَبَّةٌ سے

مشتق ہے جس کا معنی (است) دبر ہوتا ہے۔ سَتَہُ أَيْ طَعَنَہُ فِيْ اِسْتِہِ یعنی "اس نے اسے دبر میں کچھو کا لگایا۔" اسی طرح یہ قبیح گالی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس میں بھی مخفی اعضاء کا تذکرہ صاف لفظوں میں کنایۂ کے ساتھ کر کے کسی کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

فوائد:

۱۔ مردوں کو گالی دینا کیوں منع ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فوت شدہ لوگوں کو گالی دینے سے منع فرمایا خواہ مسلمان ہوں یا کافر اور اس کی دو وجہیں بیان فرمائیں، ایک تو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے کہ انھوں نے جو کچھ کیا اس کے پاس پہنچ چکے، اب انھیں اس کا بدلا مل رہا ہے، انھیں گالی دینے کا کوئی فائدہ نہیں، ان کا مالک خود ہی ان سے نمٹ لے گا۔

دوسری وجہ ترمذی میں مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مردوں کو گالی مت دو کیونکہ ایسا کرنے سے تم زندوں کو ایذا دو گے۔" [ترمذی: ۱۹۸۲] البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے، [دیکھیے السلسلۃ الصحیحۃ : ۲۳۹۷] کیونکہ کوئی شخص بھی پسند نہیں کرتا کہ اس کے عزیزوں کو گالی دی جائے خواہ وہ کافر ہی ہوں۔

۲۔ قرآن وحدیث میں کفار کی برائیاں کیوں بیان کی گئی ہیں۔ مردوں کو گالی دینے کی حرمت کے باوجود قرآن وحدیث میں بہت سے فوت شدہ کفار کی برائیاں بیان کی گئی ہیں بعض علماء نے "اے مردوں کو گالی مت دو" کے منافی سمجھ کر اس کی توجیہ کی ہے کہ یہ اس حکم سے مستثنیٰ صورت ہے جیسا کہ غیبت میں بعض صورتیں حرمت سے مستثنیٰ ہیں۔

مگر اصل بات یہ ہے کہ کسی کافر کی غیبت سے منع کیا ہی نہیں گیا نہ ہی اس کی برائی بیان کرنا منع ہے، ہاں اگر مقصد کسی کو کسی شخص کے شر سے بچانا ہو یا شہادت ادا کرنا ہو تو مسلمان کی برائی بھی بیان

کر سکتا ہے۔ اس حدیث میں جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ سب دشتم ہے گندی گالی دینا۔ مردوں کو گالی دینا حرام ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، کیونکہ انھیں گالی دینے کا کوئی فائدہ نہیں، ہاں اگر کوئی شخص زندہ ہے اور وہ گالی دینے میں پہل کرتا ہے تو اسے جواب میں اتنی ہی گالی دینا جائز ہے گو صبر افضل ہے، اسی طرح زندہ کافر کو ذلیل کرنے کے لیے گالی دینا ضرورت کے وقت جائز ہے، جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ کے موقع پر کہا تھا:

((اِمْصَصْ بَظْرَ اللاَّتِ أَنَحْنُ نَفِرُّ عَنْهُ ؟))

[بخاری / الشروط : ۱۵]

"جاؤ لات کی شرمگاہ کو چوسو! کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟"

اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے احد کے دن سباع کو کہا تھا:

((يَا ابْنَ أُمِّ أَنْمَارٍ مُقَطِّعَةِ الْبُظُورِ)) [بخاری، المغازی ۲۵]

"اے عورتوں کی شرمگاہوں کا ختنہ کرنے والی ام انمار کے بیٹے۔"

سخن چیں جنت میں نہیں جائے گا

۱۴۱۹/۲۵۔ ((وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ))

[مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

"حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سخن چیں (عیب جو، لوگوں کی برائیاں ڈھونڈنے والا) جنت میں نہیں جائے گا۔" (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری : ۶۰۵۶۔ مسلم، الایمان : ۱۶۹، ۱۷۰۔ دیکھیے تحفة الاشراف : ۵۴/۳]

مفردات:

قَتَّاتٌ بعض علماء نے فرمایا کہ قتات اور نمام ایک ہی ہیں یعنی چغل خور۔

چنانچہ یہ حدیث ان الفاظ میں بھی آئی ہے: « لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ » [مسلم، الایمان : ۱۶۸] ''چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔''

بعض نے ان کا فرق بیان کیا ہے کہ نمام (چغل خور) وہ ہے جو کسی موقع میں موجود ہوتا ہے اور اس میں ہونے والی باتیں کسی دوسرے تک آپس میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے پہنچاتا ہے کیونکہ « نَمَّ إِلَيْهِ الْحَدِيْثَ » کا معنی ہے کسی شخص تک بات پہنچانا اسے پھیلانے کے لیے اور ان کے درمیان فساد ڈالنے کے لیے۔ (قاموس)

اور قَتَّاتٌ وہ جو لوگوں کی عیب کی باتیں چھپ کر سنتا ہے یا ادھر ادھر سے سن کر جمع کرتا ہے اور دوسروں تک پہنچاتا ہے، بہر حال چغلی اور نکتہ چینی (عیب جوئی) دونوں ہی نہایت قبیح افعال ہیں۔

فوائد:

۱۔ چغلی کی مذمت بہت سے مقامات پر آئی ہے، مسلم کی حدیث میں نمام (چغل خور) کے متعلق فرمایا کہ وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چغلی کھانا حرام ہے۔ قرآن مجید میں کفار کی صفات میں ایک صفت یہ بیان فرمائی: ﴿ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ﴾ [القلم: ۱۱] ''بہت طعنے دینے والا، بہت زیادہ چغلی کھانے والا۔''

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے (مشکل) کام کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، ان میں سے ایک تو اپنے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا ((فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ)) ''چغلی کھاتا تھا۔'' [بخاری: ۲۱۸]

حقیقت یہ ہے کہ چغلی سے باہمی محبت والفت کی جڑ کٹ جاتی ہے اور چغل خور معاشرے کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس لیے اس سے بہت ہی پرہیز کرنا چاہیے اور اگر کوئی چغلی لے کر آئے تو اس کی حوصلہ افزائی کی بجائے اس کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے وہ جس طرح دوسروں کی بات تمھارے پاس لے کر آ رہا ہے تمھاری باتیں دوسروں تک اسی طرح پہنچائے گا۔

۲۔ نکتہ چینی اور عیب جوئی کی مذمت:

قتات اگر نمام (چغل خور) کے معنی ہی میں ہو تو اس کی مذمت اوپر گزر چکی لیکن اگر اس سے مراد لوگوں کی باتیں سننا، انھیں جمع کرنا اور آگے پہنچانا ہو تو اس میں چغل خوری کے علاوہ ایک زائد چیز کی مذمت بھی کی گئی ہے، یعنی لوگوں کی جاسوسی کرنا، ان کے عیب تلاش کرنا اور دوسروں کو پہنچانا، یہ بھی حرام ہے اور اس گناہ کا مرتکب بھی جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

صحیح بخاری میں ہمام سے روایت ہے کہ ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، انھیں بتایا گیا کہ فلاں شخص (لوگوں کی) باتیں عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچاتا ہے تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے، فرماتے تھے: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ)) ''لوگوں کی باتیں تلاش کر کے آگے پہنچانے والا جنت میں نہیں جائے گا۔''

غصے پر قابو پانے کی فضیلت

۲۶/۱۴۲۰۔ ((وَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ)) [أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ وَ لَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ عِنْدَ ابْنِ أَبِي الدُّنْيَا]

''انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنے غصے کو روک لے اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب روک لے گا۔'' (اسے طبرانی نے ''الاوسط'' میں روایت کیا اور ابن ابی الدنیا کے ہاں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کا ایک شاہد بھی ہے)

تخریج:

طبرانی کی ''المعجم الاوسط'' کی فہرست میں یہ حدیث مجھے نہیں ملی۔ البتہ اس میں عمر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث کے ضمن میں یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں: ((مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ)) ''جو شخص اپنے غصے کو روک لے اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں پر پردہ ڈال دے گا۔'' [المعجم الاوسط للطبرانی حدیث: ۶۰۲۳] شیخ البانی نے سلسلہ صحیحہ: (۹۰۶) میں معجم کبیر کے حوالے سے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا (یاد رہے اوسط اور کبیر دونوں کی سند ایک ہی ہے) یہ بہت ہی ضعیف سند ہے پھر اس کے ضعف کی تفصیل کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث اس سے بہتر سند کے ساتھ بھی آئی ہے، چنانچہ ابن ابی الدنیا نے ''قضاء الحوائج'' ص ۸۰ رقم ۳۶ میں اور ابواسحاق مزکی نے ''الفوائد المنتخبہ (۱/۱۴۷/۲) میں (اس کا کچھ حصہ) اور ابن

عساکر (۱/۴۴۴/۱۱) نے کئی سندوں کے ساتھ بکر بن خنیس سے انھوں نے عبداللہ بن دینار سے، انھوں نے نبی ﷺ کے بعض صحابہ سے (ابن ابی الدنیا میں اسی طرح ہے) اور باقی دونوں کتابوں میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بیان کی ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں اور یہ اسناد حسن ہے کیونکہ بکر بن خنیس صدوق ہے جس کی کچھ غلطیاں (بھی) ہیں جیسا کہ حافظ نے فرمایا اور عبداللہ بن دینار ثقہ ہیں، بخاری مسلم کے راوی ہیں چنانچہ حدیث ثابت ہوگئی، والحمد للہ۔ دیکھیے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ حدیث (۹۰۶) یہ پوری حدیث چونکہ بہت سے آداب کی جامع ہے اس لیے یہاں نقل کی جاتی ہے:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ وَأَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ وَأَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ سُرُورٌ يُدْخِلُهُ الرَّجُلُ عَلَى مُسْلِمٍ أَوْ يَكْشِفُ عَنْهُ كُرْبَةً، أَوْ يَقْضِي عَنْهُ دَيْنًا أَوْ يَطْرُدُ عَنْهُ جُوعًا وَلَأَنْ أَمْشِيَ مَعَ أَخٍ فِي حَاجَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَكِفَ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ (يَعْنِي مَسْجِدَ الْمَدِينَةِ) شَهْرًا، وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ كَظَمَ غَيْظَهُ وَلَوْ شَاءَ أَنْ يُمْضِيَهُ أَمْضَاهُ مَلَأَ اللّٰهُ قَلْبَهُ رَجَاءً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ مَشَى مَعَ أَخِيهِ فِي

حَاجَةٍ حَتّٰی تَتَهَيَّأَ لَهُ أَثْبَتَ اللّٰهُ قَدَمَهُ يَوْمَ تَزِلُّ الْأَقْدَامُ »

"ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: "یا رسول اللہ! لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب شخص کون ہے اور اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب عمل کون سا ہے؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو لوگوں میں سب سے محبوب وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہے اور اللہ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب عمل وہ خوشی ہے جو آدمی کسی مسلم کو پہنچائے یا اس سے کوئی تکلیف دور کرے یا اس کا قرض ادا کرے یا اس سے بھوک کو دور کرے اور کسی بھائی کے ساتھ اس کی کسی ضرورت کے لیے جانا مجھے اس مسجد (مسجد نبوی) میں مہینا بھر اعتکاف سے زیادہ محبوب ہے اور جو شخص اپنے غصے کو روکے اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا اور جو شخص اپنے غصے کو، ایسی حالت میں پی جائے کہ اگر وہ غصہ کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دل کو امید سے بھر دے گا اور جو شخص اپنے بھائی کے ساتھ کسی ضرورت کے سلسلے میں چلے یہاں تک کہ وہ اس کے لیے مہیا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے قدم کو اس دن ثابت رکھے گا جس دن قدم پھسل جائیں گے۔" (انتہی)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں اس مقام پر انس رضی اللہ عنہ سے جو الفاظ ذکر فرمائے ہیں: « مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ » کنز العمال (۷۱۶۴) میں اس کا حوالہ یہ لکھا ہے:

[ابن ابی الدنیا فی ذم الغضب، ابو یعلی فی مسنده و ابن شاهین والخرائطی فی مساوئ الأخلاق و سعید بن منصور فی سننه عن انس رضی الله عنه اور اس کا شاہد یہ لکھا ہے: « مَنْ مَلَكَ غَضَبَهُ وَقَاهُ اللّٰهُ عَذَابَهُ، اِبْنُ أَبِی الدُّنْيَا عَنْ

عُمَرَ)) [کنز العمال : ۷۱۶۵]
غصے کے متعلق اس سے پہلے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے، دیکھیے اس کتاب کی حدیث: ۱۳۹۶ اور (۱۴۰۶)

دھوکے باز، بخیل اور مالک ہونے کے لحاظ سے برا شخص جنت میں نہیں جائے گا

۱۴۲۱/۲۷۔ ((وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ، وَلَا بَخِيْلٌ، وَلَا سَيِّءُ الْمَلَكَةِ)) [أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَفَرَّقَهُ حَدِيْثَيْنِ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضُعْفٌ]

''ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں دھوکے باز داخل نہیں ہوگا نہ بخیل اور نہ ہی وہ جو مالک ہونے میں برا ہے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے دو علیحدہ علیحدہ حدیثوں میں بیان کیا ہے اور اس کی اسناد میں ضعف ہے)

تخریج:

[ضعیف۔ ترمذی: ۱۹۶۳] ترمذی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَلَا مَنَّانٌ وَلَا بَخِيْلٌ)) ''جنت میں دھوکے باز داخل نہیں ہوگا نہ احسان جتلانے والا اور نہ ہی بخیل۔'' دیکھیے ضعیف ترمذی للالبانی (۳۳۰) اور ترمذی (۱۹۴۶) میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا يَدْخُلُ

الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ)) ''مالک ہونے میں برا شخص جنت میں نہیں جائے گا۔'' [دیکھیے ضعیف ترمذی : ۳۳٦ اور دیکھیے تحفۃ الاشراف : ۵/ ۳۰۵، ۳۰۲] یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی دونوں روایتوں میں راوی فرقد السبخی ہے جس کے متعلق حافظ نے فرمایا: ((صَدُوْقٌ عَابِدٌ لٰكِنَّهُ لَيِّنُ الْحَدِيْثِ كَثِيْرُ الْخَطَأِ)) [تقریب] البتہ ان اعمال کی برائی میں دوسری کئی احادیث موجود ہیں۔

مفردات:

خَبٌّ خاء کے فتحہ کے ساتھ دھوکے باز سَيِّئُ الْمَلَكَةِ، اَلْمَلَكَةُ، مَلَكَ يَمْلِكُ کا مصدر ہے، وہ شخص جو مالک ہونے میں برا ہے یعنی جو غلام یا جانور اس کی ملکیت میں ہیں ان سے برا سلوک کرتا ہے، ان کی استطاعت سے زیادہ کام لیتا ہے، انھیں بے جا مارتا پیٹتا ہے اور ان کے آرام و خوراک اور علاج کا خیال نہیں کرتا۔

ان لوگوں کی بات پر کان لگانے کی سزا جو اسے پسند نہیں کرتے

۱۴۲۲/۲۸۔ ((وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ تَسَمَّعَ حَدِيْثَ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ صُبَّ فِيْ أُذُنَيْهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي الرَّصَاصَ)) [أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ]

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی قوم کی باتوں پر کان لگائے اور وہ اسے ناپسند کرتے ہوں، اس کے کانوں میں قیامت کے دن سیسہ

(سکہ) ڈالا جائے گا۔" (اسے بخاری نے روایت کیا ہے)

تخریج:

[بخاری : ۷۰۴۲۔ کتاب التعبیر باب من کذب فی حلمه] بلوغ المرام کے نسخوں میں "من تسمع" کے لفظ ہیں جبکہ بخاری میں استمع کے لفظ ہیں، معنی تقریباً ایک ہی ہے۔

فوائد:

کسی کی باہمی بات چیت پر کان لگانا ان کے ناپسند کرنے کی صورت میں حرام ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ آپس میں کوئی بات کر رہے ہوں اگر وہ کسی شخص کا سننا پسند نہیں کرتے تو اسے ان کی بات پر کان لگانا حرام ہے، کیونکہ صرف مکروہ کام پر اتنی سخت سزا نہیں ہو سکتی کہ کانوں میں سکہ ڈالا جائے۔

اب یہ پتا کیسے چلے گا کہ وہ اس کا سننا پسند نہیں کرتے تو یہ قرائن سے معلوم ہو جاتا ہے، سب سے پہلے تو دو یا زیادہ آدمی کہیں علیحدہ ہو کر بیٹھے ہوں تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنی گفتگو میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتے، بعض اوقات وہ اپنی ناگواری کا صاف اظہار بھی کر دیتے ہیں۔ اب قرائن سے یا صاف لفظوں میں ان کی ناگواری معلوم ہو جانے کے بعد کوئی شخص چھپ کر یا کسی طریقے سے سننے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے کانوں میں سکہ ڈالا جائے گا، کیونکہ یہ گناہ کان کے ذریعے سرزد ہوا ہے۔

سعید مقبری فرماتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو ان کے پاس ایک آدمی کھڑا ہو کر باتیں کر رہا تھا، میں بھی ان کے پاس کھڑا ہو گیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے میرے سینے میں دھکا دے کر کہا: "جب تم دیکھو کہ دو آدمی باتیں کر رہے ہیں تو اجازت لیے بغیر ان کے پاس کھڑے مت ہو۔"

[مسند احمد و سنده صحیح، حدیث : ۵۹۴۹۔ تحقیق احمد شاکر]

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپس میں گفتگو کرنے والے لوگ اگر اس کے اجازت طلب کرنے پر اسے اجازت دے بھی دیں، مگر اس کو سمجھ آ رہی ہو کہ انھوں نے یہ اجازت حیا کی وجہ سے یا بادل ناخواستہ دی ہے اور دل سے وہ اس کا سننا پسند نہیں کرتے تو اسے ان کی بات پر کان لگانا پھر بھی جائز نہیں۔

بعض لوگ ذرا دور بیٹھ کر ایک آدھ لفظ سن کر باقی خود بخود سمجھ جاتے ہیں، اس طرح کرنے والے بھی اس وعید میں شامل ہیں۔ اسی طرح کسی کے گھر جھانکنا، سونگھنا، ٹوہ لگانا بھی حرام ہے، ہاں اگر کسی پختہ ذریعے سے معلوم ہو کہ یہ لوگ کسی گناہ یا ظلم کے منصوبے بنا رہے ہیں تو نہی عن المنکر کے لیے بات سننا جائز ہے۔

دوسروں کی بجائے اپنے عیوب پر نظر رکھنا چاہیے

۱۴۲۳/۲۹۔ «وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طُوبٰى لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عُيُوبِ النَّاسِ» [أَخْرَجَهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ]

''انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طوبیٰ ہے اس شخص کے لیے جسے اس کا اپنا عیب لوگوں کے عیب سے روک دے۔'' (اسے بزار نے حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا)

تخریج:

سخاوی نے فرمایا اسے عسکری نے انس رضی اللہ عنہ سے ابونعیم نے حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے اور بزار نے

انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے، عراقی نے فرمایا اور یہ سب اسناد ضعیف ہیں۔ [توضیح الاحکام]

مفردات:

طُوبیٰ، طِیبٌ سے مصدر ہے بروزن فُعلیٰ اصل میں طُیبیٰ تھا یاء کا ماقبل مضموم ہوا تو اسے واؤ سے بدل دیا۔ معنی بھلائی، پاکیزگی، اچھی زندگی، اس کے علاوہ جنت کے ایک درخت کا نام ہے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((طُوبیٰ شَجَرَةٌ فِی الْجَنَّةِ مَسِیرَةُ مِائَةِ عَامٍ ثِیَابُ أَهْلِ الْجَنَّةِ تَخْرُجُ مِنْ أَكْمَامِهَا))

[حدیث حسن مسند أحمد و ابن حبان، صحیح الجامع الصغیر: ۳۹۱۸]

''طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کا فاصلہ سو سال ہے اہل جنت کے کپڑے اس کے غلافوں سے نکلتے ہیں۔''

فوائد:

دنیا اور آخرت میں بہترین اور خوشگوار زندگی کا اور جنت کے درخت طوبیٰ کا حق دار وہ شخص ہے جو اپنے عیب دیکھنے، انھیں دور کرنے یا چھپانے میں اس قدر منہمک ہے کہ دوسروں کے عیبوں کی ٹوہ لگانے کی اسے فرصت ہی نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے عیبوں کو دیکھتے ہوئے نہی عن المنکر کا فریضہ ہی چھوڑ دیتا ہے کیونکہ برائی سے منع کرنا تو فرض ہے مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی اصلاح میں اس قدر مشغول اور اپنے گناہوں سے اس قدر محجوب اور شرمندہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں کی نہ جستجو کرتا ہے نہ کسی کا عیب مجلسوں میں بیان کرتا ہے۔

بڑائی اور عظمت صرف اللہ کی صفت ہے

۱۳۲۴/۳۰ـ ((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ تَعَاظَمَ فِيْ نَفْسِهِ، وَاخْتَالَ فِيْ مِشْيَتِهِ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ)) [أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ]

"ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اپنے دل میں بڑا بنا اور اپنی چال میں اکڑ کر چلا، وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غصے سے بھرا ہوا ہوگا۔" (اسے حاکم نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں)

تخریج:

[صحیح۔ حاکم: ۱/۶۰ اور دیکھیے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۵۴۳]

مفردات:

تَعَاظَمَ باب تفاعل سے ہے جو بمعنی فَعَلَ ہے جیسے تَوَانَیْتُ بمعنی وَنَیْتُ (میں تھک کر رہ گیا) آتا ہے۔ باب تفاعل مبالغہ کے لیے ہے یعنی جو شخص اپنے آپ میں بہت بڑا بنے اور اپنے آپ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ تعظیم کا مستحق سمجھے یا تفاعل باب تفعل کے معنی میں ہے تَعَاظَمَ بمعنی تَعَظَّمَ یعنی اپنی بڑائی کا عقیدہ رکھے جیسے تَکَبَّرَ اِخْتَالَ خُیَلَاءُ سے باب افتعال ہے۔ تکبر گھوڑوں کو خیل اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی چال میں تکبر پایا جاتا ہے۔ متکبر کو مختال اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے خیال میں دوسرے سے اونچا ہوتا ہے۔

غَضۡبَانُ مبالغے کا صیغہ ہے جس طرح رحمان ہے، اس لیے اس کا ترجمہ غصے سے بھرا ہوا کیا ہے۔

فوائد:

بڑائی اور عظمت صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، مخلوق کا یہ حق ہی نہیں کیونکہ وہ تو اپنے وجود میں بھی اللہ کے محتاج ہیں، ان کے پاس اپنی کوئی چیز نہیں پھر بڑائی کیسی؟ اس لیے فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴾ [النساء : ٤/٣٦]

"اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت نہیں رکھتا جو اکڑ کر چلنے والا، فخر کرنے والا ہو۔"

اب جو شخص عجز اختیار کرے وہ اللہ کے رحم کا مستحق ہے، جو تکبر کرے وہ اللہ کے شدید غضب کا نشانہ بنے گا اور اسے اس کی بڑائی کی خواہش کے برعکس انتہائی حقارت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِي صُوَرِ الرِّجَالِ))

[صحيح الترمذي : ٢٠٢٥]

"تکبر کرنے والوں کو قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح مردوں کی شکل میں اٹھایا جائے گا۔"

تکبر کی قسمیں:

تکبر ایک تو دل میں ہوتا ہے اپنے آپ کو بڑا جاننا، لوگوں کو حقیر خیال کرنا اور حق کا انکار کر دینا اور ایک ظاہر کا تکبر ہے، مثلاً منہ پھلا کر رکھنا، کسی کو پوری نظر سے دیکھنے کی بجائے گوشۂ چشم سے دیکھنا، چال میں تکبر اختیار کرنا، لباس میں تکبر یعنی اسے ٹخنے سے نیچے لٹکانا یہ سب چیزیں اللہ کے غضب کو دعوت دیتی ہیں، فرمایا:

﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ﴾ [لقمان : ٣١/١٨]

''اور اپنا گال لوگوں کے لیے نہ پھلا اور نہ زمین میں تکبر سے چل۔''

جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے

۱۴۲۵/۳۱۔ ((وَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ))
[أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: حَسَنٌ]

''سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حسن ہے)

تخریج:

[ضعیف۔ ترمذی: ۲۰۱۲] شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے، دیکھیے ضعیف الترمذی (۲۰۹۸) بلوغ المرام میں ترمذی سے اس کا حسن ہونا نقل فرمایا گیا ہے، میرے پاس ترمذی کے تمام نسخوں میں صرف یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور بعض اہل حدیث نے (اس کے راوی) عبدالمہیمن بن عباس بن سہل کے بارے میں کلام کیا اور اسے حافظے کی وجہ سے ضعیف کہا ہے، پوری حدیث اس طرح ہے: ((اَلْاَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَ الْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ)) ''ٹھہر کر کام کرنا اللہ کی طرف سے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔''

فوائد:

۱۔ آہستہ روی اور سوچ سمجھ کر کام کرنے کی فضیلت میں دوسری صحیح احادیث بھی موجود ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبدالقیس کے اشج (سردار) سے فرمایا:

«إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ: الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ»

[مسلم، الإيمان: ۱۷]

"یقینا تم میں دو خصلتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے، بردباری اور ٹھہر کر سوچ سمجھ کر کام کرنا۔"

عبداللہ بن سرجس المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ وَ التُّؤَدَةُ وَالْإِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَ عِشْرِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ، هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ» [ترمذی: ۲۰۱۰]

"اچھی وضع قطع اور ٹھہر کر کام کرنا اور میانہ روی نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔" (یہ حدیث حسن غریب ہے، ترمذی)

۲۔ جلدی سے پرہیز میں اور آہستہ روی اختیار کرنے کی حکمت:

انسان کو زندگی میں جو اہم معاملات پیش آتے ہیں انہیں سمجھنے اور درست طریقے سے چلانے کے لیے تین چیزیں نہایت ضروری ہیں، ان میں سے ایک چیز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی فہم و فراست کے ساتھ خود ان میں غور کرنا، ان کے فائدے اور نقصان کا موازنہ کرنا، ان کے نتائج پر غور کرنا غرض اپنی پوری کوشش کے ساتھ صحیح نتیجے تک پہنچنا ہے۔ دوسری چیز مشورہ کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [آل عمران: ۳/ ۱۵۹]

"ان کے ساتھ معاملے میں مشورہ کر۔"

اور فرمایا:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ [الشورىٰ: ۴۲/ ۳۸]

"ان کے کام آپس میں مشورے سے ہوتے ہیں۔"

اکیلے آدمی کی سوچ اتنی جامع نہیں ہو سکتی جتنی دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر جامع بنتی ہے، انسان کو مشورے سے اس کام میں پوری بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔

تیسری چیز استخارہ ہے یعنی اپنے پورے غور و فکر اور مشورے کے بعد جب کسی کام کا ارادہ پکا ہو جائے تو اسے اللہ کے سپرد کرنے کے لیے استخارہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے، آپ نے ہر کام کے ارادے کے وقت دو رکعت پڑھ کر دعائے استخارہ پڑھنے کا حکم دیا۔ [بخاری: ۱۱۶۲]

درحقیقت استخارہ اپنے کاموں کو اللہ کے سپرد کرنے کا نام ہے اور یہی مراد ہے اللہ کے اس فرمان میں:

﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴾ [آل عمران: ۳/ ۱۵۹]

"پس تو ان سے درگزر کر اور ان کے لیے بخشش مانگ اور کام میں ان سے مشورہ کر پس جب تو عزم کرلے تو اللہ پر بھروسا کر، بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اب جو شخص ہر اہم کام میں ان تینوں چیزوں کو مدنظر رکھے گا اس سے غلطی بہت کم صادر ہوگی اور شیطان کو داؤ لگانے کا موقع نہیں مل سکے گا، اسے ساتھیوں کا تعاون اور اللہ کی مدد ہمیشہ حاصل رہے گی اور کبھی ندامت نہیں اٹھانی پڑے گی۔

اور اگر جلدی کرے گا تو شیطان کو موقع مل جائے گا، جتنی جلد بازی زیادہ ہوگی اتنا ہی شیطان کا دخل زیادہ ہوگا اگر استخارہ، مشورہ اور غور و فکر تینوں ہی نہ ہوئے تو شیطان کو پورا موقع ملے گا اور اگر کوئی

ایک چیز رہ گئی تو اس کے مطابق اسے دخل اندازی کا موقع ملے گا۔

۳۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ماننے میں دیر نہیں کرنی چاہیے

واضح رہے کہ وہ کام جن کے کرنے کا واضح حکم موجود ہے ان میں دیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ان میں دیر کرنا وقت ضائع کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا ہے، اگر ایسے کاموں میں دیر کرے گا تو خطرہ ہے کہ بعد میں اللہ تعالیٰ توفیق نہ چھین لے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴾ [الأنفال ۸/ ۲۴]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اور اس کے رسول کی بات قبول کرو جب وہ تمھیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمھیں زندگی بخشتی ہے۔ (یعنی جہاد، اشرف الحواشی) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے اور یہ کہ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

نیکی کے کاموں میں جلدی کرنے کی تاکید بہت سی آیات واحادیث میں آئی ہے، مثلاً فرمایا:

﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ﴾ [المائدۃ : ۵/ ۴۸]

''نیکیوں کی طرف آگے بڑھو۔''

اور فرمایا:

﴿ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ ﴾

[آل عمران : ۳/ ۱۳۳]

''اور جلدی کرو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی

آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔"

ان کاموں میں نہ غور وفکر کی ضرورت ہے نہ مشورے کی نہ ہی استخارے کی .....

درکار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

اصل نحوست بدخلقی ہے:

١٤٢٦/٣٢۔ ((وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلشُّؤْمُ سُوْءُ الْخُلُقِ))
[أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضُعْفٌ]

"عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اصل نحوست بدخلقی ہے۔"
(اسے احمد نے روایت کیا اور اس کی سند میں کمزوری ہے)

تخریج:

[ضعیف] مسند احمد : ٨٥/٦۔ مفصل تخریج اور تضعیف کے لیے دیکھیے سلسلة الاحادیث الضعیفة : ٧٩٣]

مفردات:

اَلشُّؤْمُ بے برکتی، نحوست یہ اَلْیُمْنُ کی ضد ہے جس کا معنی بابرکت ہوتا ہے۔

فوائد:

١۔ اصل نحوست بدخلقی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی چیز میں شوم (نحوست) کی نفی فرمائی ہے، بعض احادیث میں ہے کہ اگر کسی چیز میں (شوم) نحوست ہو تو عورت، گھوڑے اور مکان میں ہے۔" [بخاری الجهاد ٤٧/

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی چیز ذاتی طور پر منحوس نہیں صرف برے اوصاف کی وجہ سے اس میں نحوست ہوتی ہے، مثلاً عورت بدزبان ہو، گھوڑا اڑیل ہو یا مکان تنگ اور غیر صحت مند ہو۔ زیر بحث حدیث میں بھی بتایا گیا ہے کہ اصل نحوست بداخلق ہے۔ بدزبانی، بخل، حسد، بے رحمی وغیرہ ایسے اوصاف ہیں کہ جس شخص میں یہ پائے جائیں وہ سعادت کی زندگی نہیں گزار سکتا، بلکہ ان اخلاق سیئہ کی وجہ سے اس کا وجود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بے برکتی کا باعث بن جاتا ہے، اگر وہ اپنے اخلاق درست کرے تو یہ نحوست ختم بھی ہو سکتی ہے۔

بہت لعنت کرنے والے شفاعت اور شہادت سے محروم رہیں گے

۱۴۲۷/۳۳۔ ((وَ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ اللَّعَّانِيْنَ لَا يَكُوْنُوْنَ شُفَعَاءَ، وَ لَا شُهَدَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

”ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک بہت لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ شفاعت کرنے والے ہوں گے نہ شہادت دینے والے۔“ (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم، البر والصلة : ۸٦۔ وغیرہ]

فوائد:

بہت لعنت کرنے والوں کی شفاعت اور شہادت قبول نہیں ہوگی، بہت لعنت کرنا مومن کا وصف

ہی نہیں۔ اس پر مفصل کلام حدیث (۱۳۱۷) میں گزر چکا ہے اور دنیا میں بھی شہادت کے لیے شاہد کا پسندیدہ اور عادل ہونا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَّاَشۡهِدُوۡا ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ ﴾ [الطلاق : ٢/٦٥]

اور فرمایا:

﴿ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ ﴾ [البقرة : ٢٨٢/٢]

''ان گواہوں میں سے جنھیں تم پسند کرتے ہو۔''

ظاہر ہے کہ بہت لعنت کرنے والا شخص جس کی عادت ہی لعن طعن کی ہو نہ پسندیدہ ہوتا ہے نہ سچا نہ صاحب عدل، بلکہ لوگوں کی نگاہوں میں نہایت ناپسندیدہ، فاسق، ظالم اور غلط بیانی کرنے والا ہوتا ہے کیونکہ جو لوگ لعنت کے مستحق نہیں ان پر لعنت کرتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں کی شہادت صرف دنیا میں رد نہیں کی جائے گی بلکہ آخرت میں بھی نہ شہادت دینے کی جرأت کر سکیں گے نہ انھیں وہ عزت و وجاہت حاصل ہوگی کہ کسی کی سفارش کر سکیں جبکہ اللہ کے صادق و عادل اہل ایمان بندے سفارش بھی کریں گے اور حق کی دوسری شہادتوں کے ساتھ ساتھ اس بات کی شہادت بھی دیں گے کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے تبلیغ رسالت کا فریضہ ادا کر دیا ہے۔

بعض علماء نے اس کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ بہت لعنت کرنا ایسا گناہ ہے کہ اس کا مرتکب شہادت یعنی قتل فی سبیل اللہ کی سعادت سے محروم رہے گا۔

گناہ کا عار دلانا

١٤٢٨/٣٤۔ ((وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ عَیَّرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ یَمُتْ حَتّٰی یَعْمَلَهُ)) [أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِیُّ وَ حَسَّنَهُ وَ سَنَدُهُ مُنْقَطِعٌ]

"معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے بھائی کو کسی گناہ کا عار دلائے وہ فوت نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ گناہ کر لے۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن کہا اور اس کی سند منقطع ہے)

تخریج:

[موضوع۔ ترمذی : ۲۵۰۵]

شیخ البانی نے اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے اور کئی محدثین کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے اسے موضوع کہا ہے، اس لیے ترمذی کے حسن کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ [دیکھیے سلسلة الاحادیث الضعیفة: ۱۷۸] اس میں ایک راوی محمد بن ابی یزید ہمدانی ہے جسے ابوداؤد اور ابن معین نے کذاب قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ترمذی نے اس کو اس کے شواہد کی وجہ سے حسن کہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا کوئی شاہد بھی نہیں جس میں یہ ہو کہ گناہ کا عار دلانے والا مرنے سے پہلے پہلے وہ گناہ ضرور کرے گا۔

فوائد:

موضوع حدیث بیان کرنے سے اجتناب لازم ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ کسی مسلمان کو اس کے گناہ کے ساتھ عار دلانا منع ہے خصوصاً جب وہ تائب ہو چکا ہو، مگر یہ بات کہ جو شخص عار دلائے گا وہ مرنے سے پہلے اس گناہ کا ارتکاب ضرور ہی کرے گا، سند کے لحاظ سے بالکل ہی پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے گھڑ کر لگائی گئی ہے اور واقعہ کے بھی خلاف ہے، اس لیے ایک

روایت بیان نہیں کرنی چاہیے، ہاں! ان کی حقیقت واضح کرنے کے لیے بیان کرے تو الگ بات ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت فرمائی کہ اس کی سند منقطع ہے۔

لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا بھی ہلاکت کا باعث ہے

۱۴۲۹/۳۵۔ ((وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهُ، ثُمَّ وَيْلٌ لَهُ))
[أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ، وَإِسْنَادُهُ قَوِيٌّ]

''بہز بن حکیم اپنے باپ سے، وہ اس (بہز) کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ویل ہے اس شخص کے لیے جو بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے تاکہ اس کے ساتھ لوگوں کو ہنسائے، ویل ہے اس کے لیے، پھر ویل ہے اس کے لیے۔'' (اسے تینوں نے روایت کیا اور اس کی اسناد قوی ہے)

تخریج:

[صحیح] ابوداؤد : ۴۹۹۰۔ ترمذی : ۲۳۱۵۔ السنن الکبری للنسائی، التفسیر : ۴۱۰] ترمذی اور البانی نے اسے صحیح کہا۔ [دیکھیے صحیح الترمذی ۱۸۸۵، غایۃ ۳۷۶، مشکوۃ ۴۸۳۸]

فوائد:

۱۔ ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا بھی باعث ہلاکت ہے، جھوٹ بولنے کے متعلق بہت سی احادیث

آئی ہیں۔ دیکھیے اس کتاب کی حدیث (۱۴۰۰) اور (۱۴۳۲) کی تشریح، زیر بحث حدیث میں جھوٹ کی ایک خاص صورت کو حرام قرار دیا گیا ہے جو معمولی سمجھا جاتا ہے یعنی لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا، فرمایا ایسا کرنے والے کے لیے بار بار ہلاکت ہے۔

۲۔ ہنسانے کے لیے جھوٹ سننا بھی منع ہے:

جب لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹی باتیں کرنا باعث ہلاکت ہے تو اس گناہ پر خاموش رہنا بلکہ سن کر لطف اٹھانا بھی اس گناہ میں شریک ہونا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جب کسی شخص سے اس قسم کی بات سنے تو اسے منع کر دے اگر وہ باز نہ آئے اور یہ اسے بزور بازو بھی نہ روک سکتا ہو تو اس کی مجلس سے اٹھ جائے:

﴿ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴾ [الأنعام : ٦/٦٨]

''یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں۔''

۳۔ وہ صورتیں جن میں جھوٹ بولنا جائز ہے:

ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ: ''وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کروائے اور اچھی بات کہے اور اچھی بات پہنچائے۔'' [مسلم، البر والصلۃ : ۱، باب : ۲۷]

اور فرماتی ہیں کہ لوگ جو کچھ (جھوٹ) کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ اس میں سے کسی چیز کی رخصت دیتے ہوں سوائے تین چیزوں کے ''لڑائی میں، لوگوں کے درمیان صلح کروانے میں اور خاوند کی بیوی کے ساتھ بات چیت اور بیوی کی خاوند کے ساتھ بات چیت میں۔''

[مسلم، البر والصلۃ : باب ۲۷]

۴۔ چغلی اور اصلاح کا موازنہ:

اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی باہمی محبت اور دلی الفت کس قدر عزیز ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس سچ کو حرام فرما دیا جو چغلی کی صورت میں ہو اور باہمی بگاڑ کا باعث بنے اور اس جھوٹ کی اجازت دے دی جس سے لوگوں کے درمیان صلح ہوتی ہو یا میاں بیوی کے درمیان تعلقات بہتر ہوتے ہوں۔

۵۔ لڑائی میں جھوٹ بولنا کیوں جائز ہے؟:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو لکھ دیا کہ جس نے ایک جان کو قتل کیا کسی جان کے بغیر یا زمین میں کسی فساد کے بغیر تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جس نے اسے بچایا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچایا۔ [المائدۃ: ۳۲]

اب جنگ میں اگر دشمن کو اپنی تمام باتیں صحیح صحیح بتا دی جائیں تو اس کا نتیجہ مسلمانوں کی ہلاکت کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا اور اس سچ کا نقصان ناقابل تلافی ہوگا، اسی طرح دشمن پر جنگی چالیں استعمال نہ کی جائیں تو اس کا نتیجہ بھی اہل اسلام کی شکست ہو سکتا ہے۔

اہل علم اس حدیث کو مدنظر رکھ کر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ظالم کسی شخص کی جان یا مال کے درپے ہو اور ہمیں علم ہو کہ وہ کہاں ہے یا اس کا مال کہاں ہے اور سچ بولنے سے اس کے قتل کا یا مال کے لٹنے کا خطرہ ہو تو اس موقع پر جھوٹ بول کر اس کی جان اور مال بچانا فرض ہے۔

اس قسم کے تمام مواقع پر اگر ممکن ہو کہ انسان صاف جھوٹ سے بچے اور ذو معنی بات کہہ کر کام نکال لے کہ سننے والا اس کا مطلب کچھ اور سمجھتا رہے اور کہنے والے کی مراد کچھ اور ہو تو یہ سب سے بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایسے ہی کیا کرتے تھے اور دوسرے انبیاء ؊ اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کا

بھی یہی طریقہ تھا، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین مواقع پر بظاہر خلاف واقعہ جو بات کی ان کی نیت میں ان کا وہ مطلب تھا جو بالکل درست تھا۔

اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہجرت کے سفر میں کسی نے پوچھا: "تمہارے ساتھ کون ہے؟" تو فرمایا: ((هٰذَا الرَّجُلُ يَهْدِيْنِي السَّبِيْلَ)) "یہ آدمی مجھے راستہ بتاتا ہے۔" [بخاری، مناقب الانصار: ٤٥]

اس قسم کے الفاظ کو معاریض کہتے ہیں اور ان کے ذریعے آدمی صریح جھوٹ سے بچ جاتا ہے: ((إِنَّ فِي الْمَعَارِيْضِ لَمَنْدُوْحَةً عَنِ الْكَذِبِ)) "معاریض میں جھوٹ سے بچنے کی بہت گنجائش ہے۔" لیکن اگر صاف جھوٹ کے بغیر حالت جنگ میں گزارا نہ ہو تو اس کی اجازت ہے۔

غیبت کا کفارہ

١٤٣٠/٣٦۔ ((وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَفَّارَةُ مَنِ اغْتَبْتَهُ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُ)) [رَوَاهُ الْحَارِثُ بْنُ أَبِي أُسَامَةَ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ]

"انس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کی تم نے غیبت کی ہو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے لیے بخشش کی دعا کرو۔" (اسے حارث بن ابی اسامہ نے ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے)

تخریج:

[ضعیف] (اسے حارث بن ابی اسامہ نے زوائد المسند (٢٩٦) میں روایت کیا ہے، سند اس

طرح ہے: عَنْ عَنْبَسَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمَانِ الْقُرَشِيِّ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيْدَ الْيَمَامِيِّ عَنْ اَنَسٍ مَرْفُوْعًا عنبسہ کے متعلق بخاری نے فرمایا: ((ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ)) ابوحاتم نے فرمایا: ''حدیث گھڑتا تھا۔'' ابن حبان نے فرمایا: ''کئی موضوع چیزیں بیان کرنے والا ہے اس کے ساتھ حجت پکڑنا جائز نہیں اور خالد بن یزید غیر معروف ہے، اس کے علاوہ اس کی دوسری تمام سندیں بھی ضعیف ہیں۔'' پوری تفصیل کے لیے (سلسلة الاحاديث الضعيفة) (للالباني: ۱۵۱۹)

فوائد:

کیا استغفار غیبت کا کفارہ ہو سکتا ہے؟ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی کسی کی غیبت کر بیٹھے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے لیے استغفار کرے، اس سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں کیونکہ بعض اوقات معافی مانگنے سے اس کا غصہ مزید بھڑک اٹھتا ہے، مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کے برعکس صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُوْنَ لَهُ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهِ وَ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ)) [صحيح البخاري، المظالم: ۱۰/ ۲۴۴۹]

''جس شخص سے اپنے بھائی پر کوئی ظلم ہوا ہو اس کی عزت کے متعلق یا کسی بھی چیز کے متعلق تو وہ اس دن سے پہلے اس سے معاف کروالے جب اس کے پاس نہ دینار ہوگا نہ درہم۔

اگر اس کا کوئی نیک عمل ہو تو اس میں سے اس کے ظلم کے بقدر لے لیا جائے گا اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کے ساتھی کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی۔"

غیبت بھی اپنے بھائی پر ظلم ہے اس لیے اگر ہو سکے تو اس سے معافی ضرور مانگ لے، اگر یہ اس کی استطاعت میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لے، اپنے عمل پر نادم ہو اور جن لوگوں کے پاس اس بھائی کی غیبت کی تھی، انھی کے پاس اپنی مجلسوں میں اس کی تعریف کرے تاکہ اس کے جس حق میں کوتاہی ہوئی تھی اس کی کچھ تلافی ہو جائے اور اس کے لیے استغفار کرے کیونکہ استغفار سے دل کا کینہ دور ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسند ہٹ دھرم جھگڑالو شخص ہے

۱۴۳۱/۳۷۔ ((وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

"عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند آدمی وہ ہے جو ہٹ دھرم سخت جھگڑالو ہو۔" (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[بخاری: ۷۱۸۸۔ مسلم، العلم: ۵، وغیرہما۔ دیکھیے تحفۃ الاشراف: ۴۵۶/۱۱۔ اس حدیث کی تشریح کے لیے دیکھیے اسی کتاب کی حدیث: ۱۳۱۲]

بَابُ التَّرْغِيبِ فِيْ مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ

سچ کی خوبی اور جھوٹ کی برائی

۱۴۳۲/۱۔ ((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ إِلَى الْبِرِّ، وَ إِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَ يَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا، وَ إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ، وَ إِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ، وَ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَ يَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف ہدایت کرتی ہے اور آدمی سچ کہتا رہتا ہے اور سچ کہنے کی پوری کوشش کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے اللہ کے ہاں بہت سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ برائی کی طرف ہدایت کرتا ہے اور برائی آگ کی

طرف ہدایت کرتی ہے اور آدمی جھوٹ کہتا رہتا ہے اور جھوٹ کہنے کی پوری کوشش کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے ہاں بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔" (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری : ۶۰۹۴۔ مسلم : البر والصلة ۱۰۵/] یتحرّ ی والا جملہ بخاری میں نہیں۔

مفردات:

((اَلصِّدْقُ وَ الْكَذِبُ)) سچ اور جھوٹ، صدق وہ ہے جو واقعہ کے مطابق ہو اور کذب جو واقعہ کے خلاف ہو، یَهْدِیْ هداية کا ایک معنی راستہ دکھاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنے رسول سے فرمایا:

﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍۙ ﴾ [الشوری : ۵۲/۴۲]

"یقیناً آپ سیدھے راہ کی ہدایت دیتے ہیں۔"

اور ہدایت کا دوسرا معنی منزل مقصود تک پہنچانا ہے اور اس آیت میں یہی مراد ہے:

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ [القصص: ۵۶/۲۸]

"بلاشبہ آپ اس شخص کو ہدایت نہیں دے سکتے جس سے آپ محبت کرتے ہیں لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔"

سچ نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے یعنی رہنمائی کرتا ہے اور پہنچا دیتا ہے، اسی طرح جھوٹ برائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور پہنچا دیتا ہے۔

فوائد:

۱۔ سچ کس طرح نیکی کی طرف پہنچا دیتا ہے؟

(ا) جب انسان سچ بولنے کا عزم کر لے اور جھوٹ کو بالکل چھوڑ دے تو اس کے گناہ خود بخود چھوٹ جاتے ہیں کیونکہ اگر اس نے کوئی گناہ کیا اور اس سے پوچھا گیا تو اپنے آپ پر سچ لازم کرنے کی وجہ سے اسے گناہ کا اقرار کرنا پڑے گا، جس سے رسوائی بھی ہوگی اور سزا بھی ملے گی، لہٰذا عزم کرنے کے بعد دل میں گناہ کی خواہش ابھرنے کے ساتھ ہی گناہ کے بعد ہونے والی رسوائی آنکھوں کے سامنے آ کر آدمی کو گناہ سے روک دیتی ہے، اس کے برعکس جھوٹ بولنے والے کو جھوٹ بول کر اپنے گناہ چھپانے کے ارادے کی وجہ سے گناہ سے کوئی چیز نہیں روک سکتی، اس لیے جھوٹ اسے مزید برائیوں کی طرف لے جاتا ہے۔

(ب) جنگ تبوک کے موقع پر منافقین نے جھوٹ بول کر اپنے پیچھے رہنے کے عذر تراشے اور تین صحابہ کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم نے صاف سچ کہہ دیا کہ ہمارے پاس کوئی عذر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت فرمائی، رسول اللہ ﷺ کو ان میں سے کسی کے مرنے پر اس کے جنازے سے اور اس کی قبر پر کھڑا ہونے سے منع فرما دیا اور یہ لوگ جھوٹ کی وجہ سے نفاق اور کفر میں آگے ہی بڑھتے گئے، ان کے برعکس اصحاب ثلاثہ کی نہایت سخت آزمائش کے بعد انھیں امتحان میں سرخرو فرمایا، ان کی توبہ قبول کرنے کا اعلان فرمایا اور تمام مسلمانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا۔ فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَكُونُوا۟ مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴾ [التوبة : ۹/ ۱۱۹]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈر جاؤ اور سچوں کے ساتھی بن جاؤ۔''

(ج) سچ ایک ایسی نیکی ہے جو آخرت سے پہلے دنیا میں بھی انسان کو عزت عطا کرتی ہے، لوگوں میں اس کا اعتبار قائم ہو جاتا ہے، انبیائے کرام علیہم السلام میں اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ صدق و امانت کا خاص وصف انھیں نیکی میں آگے بڑھاتے بڑھاتے بلند ترین مقام پر فائز کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے

اپنے پیغمبر ﷺ کو فرمایا، ان سے کہہ دو:

﴿ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴾ [یونس : ۱۰/۱۶]

”میں اس (نبوت) سے پہلے ایک عمر تم میں رہا ہوں، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟“

آدمی جب سچ بولتا ہے اور اس کی برکت سے حاصل ہونے والی عزت وتکریم کا مشاہدہ کرتا ہے، تو سچ پر مزید قائم ہوتا چلا جاتا ہے اس کے برعکس جھوٹ بولنے والے کا نہ کوئی اعتبار ہوتا ہے نہ ہی اس کی عزت وتکریم ہوتی ہے۔ وہ جھوٹ کی وجہ سے ذلت کی پستی میں گرنے کے بعد اتنی ہمت ہی نہیں کرتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے پیش آنے والی آزمائش برداشت کر سکے نہ ہی اس نے سچ کی عزت کو دیکھا ہوتا ہے جو اسے سچ بولنے پر آمادہ کرے نتیجتاً ہر جھوٹ کے بعد وہ مزید جھوٹ بولتا چلا جاتا ہے جس طرح پہاڑ سے گرنے والا گرتا ہی چلا جاتا ہے۔

۲۔ سچ کی عادت ڈالنے کا طریقہ کیا ہے؟ یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ آدمی کوئی کام کرنے کا ارادہ کرلے، اس کے لیے کوشش کرے اور اسے بار بار کرے تو آہستہ آہستہ وہ کام اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے اور اس کی عادت بن جاتا ہے اور خود بخود اس سے ہونے لگتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ))

[بخاري الرقاق : ۲۰]

”جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے صابر بنا دے گا جو مستغنی بنے گا اللہ تعالیٰ اسے غنی بنا دے گا۔“

اس طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ایک تو آدمی ہر موقع پر سچ بولتا ہے اور پوری کوشش

کرتا ہے کہ مشکل موقع پر بھی جھوٹ سے بچے اور سچ ہی کہے تو اس کی عادت سچ کی ہو جاتی ہے، خود بخود اس کے منہ سے سچ نکلتا ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے بہت سچا لکھ لیا جاتا ہے اسی طرح جو شخص جھوٹ بولتا رہتا اور ہر موقع پر کوشش کرتا ہے کہ کوئی نہ کوئی جھوٹ تصنیف کر کے وقت گزار لے، اس کی عادت ہی جھوٹ کی ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دفتر میں بھی اسے کذاب لکھ لیا جاتا ہے۔

گمان سے بچو

۲/۱۴۳۳۔ «وَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَ الظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ» [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

یہ حدیث مع ترجمہ وتشریح اسی کتاب کی حدیث (۱۳۰۲) میں دیکھیے۔

راستے کے حقوق

۳/۱۴۳۴۔ «وَ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِيَّاكُمْ وَ الْجُلُوْسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ: قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا لَنَا بُدٌّ مِّنْ مَّجَالِسِنَا نَتَحَدَّثُ فِيْهَا، قَالَ: فَأَمَّا إِذَا أَبَيْتُمْ فَأَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهُ، قَالُوْا: وَمَا حَقُّهُ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ، وَ كَفُّ الْأَذَى، وَ رَدُّ السَّلَامِ، وَ الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ» [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''راستوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرو۔'' صحابہ نے عرض کیا: ''ہماری مجلسوں کے بغیر ہمارا گزارا نہیں کیونکہ ہم ان میں باہمی بات چیت کیا کرتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''تو جب تم نہیں مانتے تو راستے کو اس کا حق دو۔ انھوں نے پوچھا: ''اس کا حق کیا ہے؟'' فرمایا: ''نگاہ نیچی رکھنا، تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔'' (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری : ٦٢٢٩۔ مسلم، اللباس ٣٢٢٧، وغیرهما۔ تحفة الاشراف: ١٢٥/٨]

مفردات:

اَلطُّرُقَاتِ، طُرُقٌ کی جمع ہے جو کہ طریق کی جمع ہے، یعنی راستے۔

فوائد:

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حکم کے بعد عذر کیوں پیش کیا؟ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے انھیں جو حکم دیا وہ وجوب کے لیے نہیں تھا مقصد صرف بہتر چیز اختیار کرنے کی ترغیب تھا کیونکہ اگر صحابہ اسے وجوب کے لیے سمجھتے تو آپ سے دوبارہ اس طرح بات نہ کرتے، ممکن ہے وہ لوگ بھی جن کا کہنا ہے کہ حکم وجوب کے لیے نہیں ہوتا، اس حدیث کو بطور دلیل پیش کریں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہو سکتا ہے (انھوں نے وجوب کے لیے ہی سمجھا ہو) مگر اس امید سے اپنی درخواست پیش کی ہو کہ ممکن ہے ان کی ضرورت کے پیش نظر حکم منسوخ ہو جائے۔ (فتح)

مطلب یہ ہے کہ حکم وجوب کے لیے ہی تھا مگر وہ تخفیف کی درخواست کر رہے تھے۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ کو حرام قرار دیا تو اس کے خاردار درختوں اور گھاس کو کاٹنے سے منع فرما دیا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اذخر (نامی گھاس) کو مستثنیٰ کر دیجیے کیونکہ وہ ہمارے گھروں، کاریگروں کے لیے (ضروری) ہے۔'' تو آپ ﷺ نے اذخر کو مستثنیٰ کر دیا۔ [بخاری، العلم : ۳۹]

۲۔ آپ ﷺ نے راستوں میں بیٹھنے سے کیوں منع فرمایا؟:

راستوں میں بیٹھنے سے کئی فتنے پیش آ سکتے ہیں، کئی حقوق ادا کرنے میں کوتاہی ہو سکتی ہے، کئی ذمہ داریاں ادا کرنے میں غفلت ہو سکتی ہے، جب کہ گھر بیٹھنے سے ان میں سے کسی چیز کا خطرہ نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ راستے سے جوان لڑکیوں اور عورتوں نے بھی گزرنا ہوتا ہے اس سے نگاہ کے راستے دل کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

راستے میں بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کے اور مسلمانوں کے کئی حقوق آدمی پر واجب ہو جاتے ہیں، اگر گھر میں بیٹھا ہوتا تو ان میں سے کوئی بھی اس کے ذمے واجب نہ ہوتا، مثلاً گزرنے والوں کے سلام کا جواب دینا فرض ہے، ہو سکتا ہے زیادہ لوگوں کے گزرنے اور سلام کہنے سے یا اس کے اپنی کسی بات میں مشغول ہونے سے جواب دینے میں کوتاہی ہو جائے۔

راستے میں بیٹھنے سے ہو سکتا ہے گزرنے والوں کا راستہ تنگ ہو جائے یا عورتیں پاس سے گزرنے میں جھجک محسوس کریں، جب کہ راستے کا حق یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائی جائے۔

اگر کوئی راستہ پوچھے تو راستہ بتانا فرض ہے، کوئی نابینا یا معذور ہے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر منزل پر پہنچانا لازم ہے، کسی پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کی مدد کرنا ضروری ہے، کوئی برا کام کر رہا ہو تو اسے روکنا واجب ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی ادائیگی میں کوتاہی ہو رہی ہے تو امر بالمعروف ضروری

ہے اور ان تمام ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اچھی بات کہنے کا اہتمام ایک مستقل فرض ہے۔ غرض بے شمار ایسی ذمہ داریاں راستے میں بیٹھنے سے عائد ہو جاتی ہیں کہ گھر میں بیٹھا ہوتا تو اس پر عائد ہی نہ ہوتیں۔ درج ذیل شعر میں شاعر نے زاہد پر گوشہ گیری کے لیے اللہ کے ڈر کا بہانہ بنانے کی پھبتی کسی ہے حالانکہ یہ بہانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

زاہد نداشت تاب جمال پری رخاں
کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت

۳۔ راستے کے حقوق کیا ہیں؟:

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی ضرورت بیان کی کہ راستوں پر بیٹھنے کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ بعض اوقات گھر میں جگہ کم ہوتی ہے، کبھی دین یا دنیا سے تعلق رکھنے والے اجتماعی معاملات کے لیے مل بیٹھنے کی ضرورت ہوتی ہے، کبھی ایک دوسرے سے دل کی بات کہنے سننے کے لیے مجلس کی ضرورت ہوتی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں راستے کے حقوق ادا کرنے کی شرط کے ساتھ راستے پر بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ اس حدیث میں پانچ حقوق بیان ہوئے ہیں:

۱۔ نگاہ نیچی رکھنا۔ ۲۔ کسی کو تکلیف نہ دینا۔ ۳۔ سلام کا جواب دینا۔
۴۔ نیکی کا حکم دینا۔ ۵۔ برائی سے منع کرنا۔

بعض دوسری احادیث میں بھولے ہوئے کو راستہ بتانا، مظلوم کی مدد کرنا، چھینک مار کر الحمد للہ کہنے والے کو یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہنا، بوجھ اٹھانے میں مدد کرنا بھی آیا ہے۔ [دیکھیے فتح الباری حدیث: ۶۲۲۹]

دین کی سمجھ کی فضیلت

۱۴۳۵/۴۔ «وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ»
[مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔'' (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری:۷۱۔ مسلم، الزکوۃ :۹۸، ۱۰۰، وغیرھما۔ دیکھیے تحفۃ الاشراف: ۴۰۱/۸، ۴۳۷/۸، ۴۵۰/۸]

مفردات:

مَنْ اسم شرط ہے، جو دو فعلوں کو جزم دیتا ہے، اس حدیث میں یُرِدْ فعل شرط اور یُفَقِّهْهُ اس کے جواب دونوں پر مَنْ کی وجہ سے جزم آئی ہے۔

يُفَقِّهْهُ، فَقُهَ يَفْقُهُ (کرم یکرم) جب فقہ (سمجھ) اس کی طبعی عادت بن جائے، فَقِهَ (علم یعلم) وہ بات سمجھ گیا، فَقَہَ (نصر ینصر) باب مغالبہ کے بعد غلبہ ظاہر کرنے کے لیے مثلاً فَاقَهَهُ فَفَقَهَهُ اس نے اس علم میں بحث کی تو اس پر غالب آ گیا۔ يُفَقِّهْهُ باب تفعیل سے یعنی اسے فقہ عطا فرما دیتا ہے۔ فقہ کا لغوی معنی فہم (سمجھ) ہے۔

فوائد:

۱۔ دین کی سمجھ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس حدیث سے ظاہر ہے کہ دین کی سمجھ حاصل ہونا بہت

بڑی نعمت ہے، کیونکہ یہ صرف اسے ملتی ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کوئی بھلائی کرنا چاہتا ہے، خواہ تھوڑی بھلائی کرنا چاہے خواہ زیادہ، کیونکہ خَيْرًا کو نکرہ لانے کا یہی مفہوم ہے (کوئی بھلائی) اور جسے دین کی سمجھ عطا نہ فرمائے اس کے ساتھ بھلائی کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ ہی نہیں کیا، نہ تھوڑی بھلائی کا نہ زیادہ کا، بے شک اس کے پاس دنیا کی تمام نعمتیں ہوں لیکن اگر دین کی سمجھ نہیں ملی تو اسے اللہ کی طرف سے کوئی بھلائی نہیں ملی اور دنیا کی یہ تمام نعمتیں خیر ثابت ہونے کی بجائے دنیا میں اس کے لیے فتنے کا باعث اور آخرت میں باز پرس کا باعث بنیں گی:

﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ﴾

[طٰه : ۲۰/۱۳۱]

”اپنی آنکھیں اٹھا کر مت دیکھیں ان چیزوں کی طرف جو مختلف قسم کے لوگوں کو ہم نے فائدہ اٹھانے کے لیے دنیوی زندگی کی زینت کے طور پر دے رکھی ہیں تاکہ ہم انھیں ان چیزوں میں فتنہ میں ڈالے رکھیں۔“

ہاں! کوئی تاجر، صنعتکار، حاکم، عالم غرض دنیا کی کسی بھی نعمت سے بہرہ ور کوئی شخص اگر دین کی سمجھ بھی رکھتا ہے تو وہ نعمت اس کے لیے بھلائی ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۲: دین کی سمجھ صرف اللہ کی عطا ہے:

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کی سمجھ بندے کے اپنے اختیار کی بات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، کتنے ہی بڑے بڑے عالم دین کی سمجھ سے خالی بلکہ ایمان سے ہی خالی ہوتے ہیں، ان کے علم کا سارا زور دین میں شک پیدا کرنے اور کفر کی حمایت میں صرف ہوتا ہے، اس لیے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دین پر قائم رہنے کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا فرماتے:

«يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ»[صحيح الترمذی:١٧٣٩]

”اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔“

۳: فقہ فی الدین سے کیا مراد ہے؟:

بعض لوگوں نے فقہ کی تعریف یہ کی ہے:

« اَلْعِلْمُ بِالْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْفَرْعِيَّةِ عَنْ أَدِلَّتِهَا التَّفْصِيلِيَّةِ بِالْإِسْتِدْلَالِ »

”شریعت کے فرعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے استدلال کے ساتھ جاننا۔“

اس تعریف کی رو سے عقیدہ اور اصول دین فقہ میں شامل ہی نہیں ہوتے، مگر یہ بعض لوگوں کی اپنی اصطلاح ہے، قرآن وحدیث میں مذکور تفقہ فی الدین میں دین کے اصول وفروع سب کو سمجھنا شامل ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث جبریل میں رسول اللہ ﷺ نے اسلام، ایمان اور احسان سب کو دین قرار دیا۔

سلف صالحین کے ہاں صرف احکام کے علم کو فقہ قرار دینے کی اصطلاح کا کہیں وجود نہیں ملتا۔ امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کتاب فقہ اکبر میں بھی اصول دین اور عقائد کے متعلق بحث کی گئی ہے۔

ترازو میں اچھے خلق سے بھاری کوئی چیز نہیں

١٤٣٦/٥۔ « وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ

أَثْقَلَ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ)) [أَخْرَجَهُ أَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ]

''ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ترازو میں کوئی چیز خلق اچھا ہونے سے زیادہ بھاری نہیں ہے۔'' (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے)

تخریج:

[صحیح۔ ابوداؤد : ۴۷۹۹۔ احمد : ۶/۴۴۶، ۴۴۸]

ترمذی نے یہ لفظ زیادہ کیے ہیں: ((وَ إِنَّ صَاحِبَ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَ الصَّلَاةِ)) ''اور اچھے خلق والا شخص اس کے ذریعے روزے اور نماز والے شخص کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔''

[ترمذی، البر والصلة، ماجاء فی حسن الخلق۔ مکمل تخریج و تصحیح کے لیے سلسلہ صحیحہ : ۸۷۶]

حسن خلق کے متعلق اس سے پہلے کئی احادیث میں تفصیل گزر چکی ہے۔

حیا ایمان سے ہے

۱۴۳۷/۶۔ ((وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ))

[مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حیا ایمان سے ہے۔'' (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری : ۲۴۔ مسلم، الایمان : ۳۷۳۔ دیکھیے تحفۃ الاشراف : ۵/ ۳۸۸، ۵/ ۳۷۳، ۹/ ۴۲۹، ۹/ ۴۲، ۱۱، ۹/ ۱۱، ۱۶، ۱۱/ ۱۱]

مفردات:

اَلْحَيَاءُ شرم، طبیعت کا کسی کام سے اس لیے رک جانا کہ اسے کرنے سے مذمت کا یا عیب لگنے کا خطرہ ہو۔ یہ صرف انسان کی خصوصیت ہے ورنہ وہ بھی جانوروں کی طرح جو دل میں آتا کر گزرتا۔ شرع میں حیا ایک ایسی عادت کو کہتے ہیں جو آدمی کو قبیح کام سے بچنے اور حق والوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سے بچنے پر آمادہ رکھتی ہے۔

فوائد:

رسول اللہ ﷺ نے کس موقع پر یہ الفاظ کہے؟ صحیح بخاری میں مکمل حدیث اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیا کے متعلق نصیحت کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا: ((دَعْهُ فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيْمَانِ)) ”اسے رہنے دو کیونکہ حیا ایمان سے ہے۔“

امام بخاری کی کتاب الادب المفرد میں ہے: ((يُعَاتِبُ أَخَاهُ)) ”وہ اپنے بھائی پر ناراض ہو رہا تھا۔“ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھائی حیا کی وجہ سے لوگوں سے اپنے حقوق بھی پوری طرح وصول نہیں کر سکتا تھا تو اس بھائی نے اسے نصیحت کی اور ناراض بھی ہوا کہ تم حیا کی وجہ سے اپنا نقصان کر رہے ہو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسے رہنے دو کیونکہ حیا ایمان سے ہے۔“ یعنی اگر حیا کی وجہ سے یہ اپنا کوئی حق وصول نہ کر سکا تو وہ حق اس کے لیے اجر کا باعث ہوگا، خصوصاً اگر وہ شخص جسے چھوڑا جا رہا ہے، مستحق ہوا تو زیادہ ثواب حاصل ہوگا، بعض احادیث میں آیا ہے:

((اَلْحَیَاءُ کُلُّهُ خَیْرٌ)) [صحیح مسلم : ٦١]

"حیا ساری کی ساری خیر ہے۔"

اور:

((اَلْحَیَاءُ لَا یَأْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ)) [صحیح مسلم، الایمان : ١٢]

"حیا خیر کے علاوہ کچھ نہیں لاتی۔"

۲۔ حیا ایمان سے کس طرح ہے؟:

بعض علماء نے اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ حیا آدمی کو برائی سے روک دیتی ہے، جس طرح ایمان بندے کے لیے گناہ سے رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اس مشابہت کی وجہ سے اسے ایمان کہا گیا، لیکن اس تفسیر کی رو سے حیا ایمان کے مشابہ قرار پاتی ہے، یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ ایمان سے ہے۔

اس لیے اس کا معنی دوسری حدیث کو مدنظر رکھ کر کریں تو بہتر ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّ سِتُّوْنَ شُعْبَةً وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ))
[البخاری ح : ٩]

"ایمان ساٹھ سے زیادہ شاخوں کا نام ہے اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کلمہ، نماز، روزہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور دوسری چیزیں ایمان کا حصہ ہیں اسی طرح حیا بھی ایمان کے درخت کی ایک شاخ اور اس کا حصہ ہے۔

((الحیاء من الایمان)) کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمھارے بھائی کی یہ حیا ایمان کا نتیجہ ہے اور اس میں یہ خوبی ایمان کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

٣- حیا کی قسمیں:

اللہ تعالیٰ جن چیزوں کو ناپسند کرتا ہے ان سے رکنا حیا ہے، عقلاً جو چیزیں ناپسندیدہ ہیں ان سے رکنا حیا ہے اور لوگ جن چیزوں کو برا جانتے ہوں ان سے رکنا بھی حیا ہے، مگر اصل حیا اللہ اور اس کے رسول کی ناپسندیدہ چیزوں سے اجتناب ہے، بعض لوگ کئی نیکی کے کام نہیں کرتے مثلاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور کہتے ہیں ہمیں حیا آتی ہے، لیکن یہ حیا نہیں بزدلی ہے۔ حیا ناپسندیدہ کام سے اجتناب ہے، نیکی سے اجتناب حیا نہیں۔

ایک ایسی بات جو پہلی نبوتوں سے چلی آ رہی ہے

١٤٣٨/٧- ((وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُوْلَى : إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ)) [أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ]

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں نے پہلی نبوت کے کلام میں سے جو کچھ پایا ہے اس میں سے ایک یہ ہے کہ جب تو حیا نہ کرے تو جو چاہے کر۔" (اسے بخاری نے روایت کیا)

تخریج:

[بخاری: ٣٤٨٣- ٣٤٨٤ وغیرہ] "الاولیٰ" کا لفظ بخاری میں نہیں بلکہ ابوداؤد میں ہے۔

فوائد:

۱۔ پہلی نبوتوں کے کلام سے کیا مراد ہے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ ان باتوں میں سے ہے جن پر تمام انبیاء ﷺ متفق تھے، کسی شریعت میں یہ منسوخ نہیں ہوئی۔ عقل سلیم کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے سب لوگ حتیٰ کہ اہل جاہلیت بھی اسے جانتے اور مانتے آئے ہیں۔

۲۔ ''جب تو حیا نہ کرے تو جو چاہے کر۔'' کا مطلب:

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی میں حیا نہ رہے تو اس کے دل میں جو آتا ہے کر گزرتا ہے، اسے برائی سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ ''بے حیا باش وہر چہ خواہی کن'' گویا یہاں امر بمعنی خبر ہے یعنی ''جو چاہے کر۔'' مراد یہ ہے کہ جب آدمی حیا نہ کرے تو جو چاہے کرتا ہے کسی گندے سے گندے کام سے بھی اسے حجاب نہیں ہوتا۔ جیسا کہ:

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))

[بخاری، العلم : ۳۸]

''جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنا لے۔'' (یعنی وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنا لیتا ہے)

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں امر دھمکی اور ڈانٹ کے لیے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات میں کجروی اختیار کرنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ [فصلت : ۴۱/۴۰]

''جو چاہو کرو، تم جو کچھ کر رہے ہو یقیناً وہ اسے دیکھنے والا ہے۔ (یعنی جب حیا نہ کرے تو جو چاہو کرو، آخر کار اس کا بدلا تمھیں اللہ کی طرف سے مل جائے گا)۔''

جدو جہد کی ترغیب اور نقصان پہنچنے پر تقدیر پر قناعت کی تلقین

١٤٣٩/٨۔ ((وَ عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَيْرٌ وَ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ، وَ فِیْ كُلٍّ خَيْرٌ إِحْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَلَا تَعْجِزْ، وَ إِنْ أَصَابَكَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ : لَوْ أَنِّیْ فَعَلْتُ كَذَا وَ كَذَا، كَانَ كَذَا وَ كَذَا، وَلٰكِنْ قُلْ : قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ اللّٰهُ فَعَلَ، فَإِنَّ ((لَوْ)) تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طاقتور مومن، کمزور مومن سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے اور ہر ایک میں بھلائی موجود ہے، جو چیز تجھے نفع دے اس کی حرص کر اور اللہ سے مدد مانگ اور عاجز نہ ہو اور اگر تجھے کوئی (نقصان دہ) چیز پہنچے تو یہ مت کہہ کہ اگر میں اس طرح کرتا تو اس طرح اور اس طرح ہو جاتا بلکہ یوں کہہ کہ اللہ نے قسمت میں (اسی طرح) لکھا اور جو اس نے چاہا کر دیا کیونکہ ''لَوْ'' (اگر) کا لفظ شیطان کا کام کھول دیتا ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم، القدر : ٣٤، وغیرہ دیکھیے تحفة الاشراف : ١٠/١٥٩، ١٠/٢١٩، ١٠/٢١٤]

مفردات:

اِحْرِصْ، حَرَصَ يَحْرِصُ (ضرب يضرب) سے امر ہے، بعض اوقات باب سمع يسمع سے بھی آتا ہے۔ وَلَا تَعْجَزْ جیم کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ۔

فوائد:

۱۔ قوی مومن ضعیف مومن سے بہتر ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے اور اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے، اگرچہ کمزور مومن بھی خیر سے خالی نہیں، کیونکہ وہ صاحب ایمان ہے اور ایمان بہت بڑی خیر ہے۔ اس کے علاوہ اس میں امانت، علم، تقوی اور دوسرے وصف ہو سکتے ہیں، البتہ قوی مومن زیادہ قوت کے ساتھ دین پر عمل کر سکتا ہے۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جہاد فی سبیل اللہ، صلوۃ، صیام، حج اور اللہ تعالی اور بندوں کے دوسرے حقوق جس طرح قوی مومن ادا کر سکتا ہے کمزور ادا نہیں کر سکتا، کیونکہ کمزور کی کارکردگی بھی کمزور ہوگی۔ اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام کی میزبان لڑکی کا قول نقل فرمایا:

﴿ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴾ [القصص: ۲۸/۲۶]

"بہترین شخص جسے تم مزدور رکھو، قوی اور امانت والا ہے۔"

اللہ تعالی کا مطالبہ بھی یہ ہے کہ اس کی دی ہوئی شریعت پر پوری طاقت سے عمل کیا جائے، بنی اسرائیل کو حکم دیا:

﴿ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ ﴾ [البقرۃ: ۲/۶۳]

"ہم نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اسے قوت کے ساتھ پکڑو۔"

اور یحییٰ علیہ السلام سے فرمایا:

﴿ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ﴾ [مریم : ۱۹/۱۲]
"اے یحییٰ! کتاب کو قوت سے پکڑو۔"

۲۔ قوت سے کیا مراد ہے؟:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قوت ہر کام کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے مثلاً جنگ میں قوت کا دارومدار دل کی شجاعت اور جنگی تجربہ پر ہے۔ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے وقت قوت سے مراد یہ ہے کہ اسے کتاب وسنت کا مضبوط علم ہو، قوت فیصلہ مضبوط ہو اور اپنے احکام نافذ کرنے کی قدرت ہو۔

قوت کے ساتھ امانت کا ہونا بھی ضروری ہے، مگر یہ دونوں وصف ایک جگہ بہت کم پائے جاتے ہیں، ذمہ داری سونپتے وقت کسی شخص میں دونوں وصف مل جائیں تو کیا ہی کہنا ورنہ ذمہ داری کی نوعیت کے مطابق قوت یا امانت میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے گی، مثلاً جنگ کی امارت کے لیے قوت کو خاص طور پر مدنظر رکھا جائے گا اور مالی ذمہ داریوں کے لیے امانت کو، البتہ جب لوگوں سے زکوٰۃ اور دوسرے اموال وصول کرنے کا معاملہ ہو تو قوت اور امانت دونوں ضروری ہیں۔

وقتی طور پر قوت وامانت میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا ایک مجبوری ہے، اس کے باوجود لوگوں کے احوال کی اصلاح کی کوشش جاری رہنی چاہیے، تاکہ صاحب قوت لوگ امانت کے وصف سے متصف ہو جائیں اور صاحب امانت لوگوں کا ضعف دور ہو جائے اور وہ قوی بن جائیں۔ (السیاسۃ الشرعیۃ لابن تیمیہ رحمہ اللہ)

۳۔ نفع دینے والی چیزیں حاصل کرنے کی پہلی شرط "حرص":

انسان کی پیدائش کا اصل مقصد اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے، مگر زندگی بسر کرنے کے لیے بھی بے شمار چیزوں کی ضرورت ہے، وہ چیزیں جو دنیا یا آخرت میں نقصان

پہنچانے والی ہیں یا جن کا دنیا یا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں انھیں چھوڑ دینا ہی خوبی ہے:

((مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ))

"آدمی کے اسلام کے حسن میں سے ایک اس کا ان چیزوں کو چھوڑ دینا ہے جو اس کے مقصد کی نہیں ہیں۔" (تفصیل کے لیے دیکھیے اسی کتاب کی حدیث: ۱۳۹۱)۔

رہ گئی وہ چیزیں جو اس دنیا میں یا آخرت میں فائدہ پہنچاتی ہیں تو نبی ﷺ نے ان کی حرص کا حکم دیا، کیونکہ اگر آدمی کسی چیز کی طرف رغبت ہی نہ رکھتا ہو نہ اسے اس کے حصول کی حرص ہو تو وہ اسے حاصل کرنے کے لیے کوئی جدو جہد کس طرح کر سکتا ہے؟ یہ حرص ہی ہے جو اسے جدو جہد پر آمادہ کرتی ہے۔

نفع مند چیزوں کی حرص سب سے پہلے آدمی کو ان کے حاصل کرنے کے طریقے معلوم کرنے کا شوق دلاتی ہے، وہ دنیا کے علوم وفنون جو دنیا اور آخرت دونوں میں اس کے لیے نافع ہوں، سیکھتا ہے۔ اسی طرح آخرت کے نفع کے لیے قرآن وسنت کا علم حاصل کرتا ہے پھر نفع بخش اشیاء کے حصول کے طریقے معلوم ہونے کے بعد وہ ان کے حصول کے اسباب و وسائل مہیا کرتا ہے اور اس کے لیے ہر قسم کی جدو جہد کرتا ہے۔

۲۔ نافع چیزوں کے حصول کی دوسری شرط، استعانت باللہ:

رسول اللہ ﷺ نے حرص کے بعد دوسری چیز کا جس کا حکم دیا ہے وہ اللہ سے مدد مانگنا ہے اور یہی مومن اور کافر کا فرق ہے، کافر کی تمام تر نظر اسباب و وسائل اور اپنی جدو جہد پر ہوتی ہے جب کہ مومن بقدر استطاعت سب کچھ کرنے کے بعد بھی ان چیزوں پر بھروسا نہیں کرتا بلکہ اس کی اصل نگاہ اللہ کی طرف ہوتی ہے، وہ اللہ سے مدد مانگتا ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو تمام اسباب و وسائل اور

ہر قسم کی جدوجہد کے باوجود کام پورا نہیں ہوتا اور اگر اللہ تعالیٰ کرنا چاہے تو اسباب و وسائل کی کمی کے باوجود کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ حرص کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔

اگر کوئی شخص اسباب و وسائل اختیار نہیں کرتا مثلاً بھوک مٹانے کے لیے روٹی حاصل کرنے کی محنت نہیں کرتا، دشمن کے مقابلے کے لیے قوت تیار نہیں کرتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل نہیں کر رہا اور اگر وہ اسے اپنی جدوجہد پر ہی موقوف سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد کا طالب ہی نہیں ہوتا تو وہ بھی ایمان کے تقاضوں سے نا آشنا ہے۔ ایمان یہ ہے کہ اسباب بقدر استطاعت مہیا کرے مگر اصل بھروسا صرف اللہ تعالیٰ پر رکھے، اونٹ کا گھٹنا باندھے اور اللہ پر بھروسا رکھے۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

اور اگر کبھی اسباب مہیا نہیں ہو سکے تب بھی اللہ سے مدد مانگنے میں کوتاہی نہ کرے، وہ اسباب بھی مہیا کر سکتا ہے اور چاہے تو بغیر اسباب کے بھی مدد کر سکتا ہے۔

۵۔ ہمت نہ ہارنا، تیسری شرط:

تیسرا حکم یہ دیا کہ ((وَلَا تَعْجَزْ)) عاجز نہ ہو جا، ہمت نہ ہار۔ ہمت ہارنے اور عاجز ہونے کی کئی صورتیں ہیں، پہلی یہ کہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے، غفلت اور سستی کی وجہ سے وقت اور موقع ضائع کر دے، بعض اوقات ایک لمحہ کی سستی منزل کو سینکڑوں سال دور کر دیتی ہے۔

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

”میں اپنے پاؤں سے کانٹا نکالنے لگا تھا کہ محمل (جس کا میں پیچھا کر رہا تھا) نگاہ سے اوجھل

ہو گیا، مجھ سے آنکھ جھپکنے کے برابر غفلت ہوئی اور میرا راستہ سو سال کے برابر دور ہو گیا۔"
اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاجزی اور سستی سے اللہ کی پناہ مانگی:
((اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْكَسَلِ)) [صحیح مسلم، الذکر والدعاء : ۱۵]

"اے اللہ! میں عاجزی اور سستی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

ہمت ہارنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اسباب مہیا نہ ہو سکیں تو ناامید ہو جائے، مومن کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اسباب مہیا کر سکتا ہے، غیبی اسباب کے ذریعے سے مدد کر سکتا ہے اور چاہے تو اسباب کے بغیر محض "کن" کہنے کے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے، قوم نوح کی غرقابی، بنی اسرائیل کی فرعون سے نجات، ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کا ٹھنڈا اور سلامتی والا بن جانا، یوسف علیہ السلام کا قید اور غلامی سے نکل کر مصر کا صاحب اختیار بن جانا، اکیلے یوسف کی خاطر تمام علاقے کو سات سال کے لیے قحط میں مبتلا کر دینا، کئی سالوں کے بعد یوسف و یعقوب علیہما السلام کی ملاقات کروا دینا، کھوئی ہوئی بصارت کا چراغ دوبارہ روشن کر دینا، ہجرت کی رات اپنے نبی کو بحفاظت نکال لینا، غار ثور میں دشمنوں کو اندھا کر دینا، سراقہ کی گھوڑی کا زمین میں دھنس جانا، بدر میں چند بے سرو سامانوں کو غالب کر دینا، خندق میں ہوا کے لشکروں سے کفار کو بھگا دینا غیبی اسباب کے ذریعے یا اسباب کے بغیر اللہ تعالیٰ کی نصرت و رحمت کی چند مثالیں ہیں:

ہاں! مشو نومید چوں واقف نہ ای از سر غیب
باشد اندر پردہ بازیہائے پنہاں غم مخور

"خبردار! ناامید مت ہو کیونکہ تو غیب کے راز سے واقف نہیں، پردے کے اندر کئی چھپے

ہوئے کام ہو رہے ہوتے ہیں، اس لیے غم نہ کر۔''

ہمت ہارنے کی تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے میں کوتاہی کرے، دعا میں سستی کرے کیونکہ انسان جتنے بھی اسباب و وسائل مہیا کر لے اگر اللہ کی مدد نہیں تو بے کار ہیں، آدمی اللہ سے فریاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ظاہری اسباب نہ ہوتے ہوئے بھی مدد فرماتا ہے:

﴿ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴾

[الأنفال : ۸/ ۹]

''جب تم اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار پے در پے آنے والے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کروں گا۔''

ہمت ہارنے کی چوتھی صورت یہ ہے کہ دعا قبول ہونے میں دیر ہو جائے یا اس طرح نہ ہو، جس طرح اس کی خواہش ہے تو تھک ہار کر دعا کرنا چھوڑ دے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ فَيَقُولُ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي)) [صحيح مسلم، الذكر والدعاء : ۲۵]

''تم میں سے ایک کی دعا قبول کی جاتی ہے جب تک جلدی نہ کرے کہ یہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی تو میری دعا قبول نہیں کی گئی۔''

حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات آزمائش طویل ہو جاتی ہے، کنارے پر بیٹھے ہوئے لوگ طوفان کے تھپیڑوں کا رخ دیکھتے بوریا بستر اٹھا کر کہیں اور چل دیتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ وہاں جا کر اس سے بھی بڑے طوفان میں پھنس جائیں:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ﴾ [الحج : ۲۲/ ۱۱]

''اور لوگوں میں سے ایسا شخص بھی ہے جو اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے تو اگر اسے بھلائی حاصل ہو جائے تو اس کے ساتھ مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسے آزمائش آ پہنچے تو اپنے چہرے پر پھر جاتا ہے، یہ شخص دنیا اور آخرت میں ناکام ہو گیا۔''

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے کئی سال کی آزمائش کے بعد بھی اللہ کے در پر ہی دھرنا دیے رکھتے ہیں نہ کبھی مایوس ہوتے ہیں نہ کسی اور دروازے پر جاتے ہیں۔

اللہ کے ساتھ نوح علیہ السلام کی امید ساڑھے نو سو سال گزرنے کے باوجود بدستور قائم رہی، ابراہیم علیہ السلام بے وطن ہو کر بھی اسی دروازے سے چمٹے رہے، ایوب علیہ السلام اٹھارہ سال بیمار رہے مگر امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ [مسند ابی یعلی : ۳۶۰۵]

یعقوب علیہ السلام آنکھیں سفید ہونے کے باوجود اپنے رنج و غم کی شکایت صرف اللہ کے حضور پیش کرتے رہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ﴾

[الأحقاف : ۴۶/ ۳۵]

''سو تو اس طرح صبر کر جس طرح اولو العزم پیغمبروں نے کیا اور ان کے لیے جلدی نہ کر۔''

۶۔ تقدیر میں لکھا ہوا نقصان ہونے پر ''اگر'' کہہ کر افسوس نہ کرے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور اگر تجھے کوئی چیز پہنچے تو یہ مت کہہ کہ اگر میں اس طرح کرتا تو اس طرح اور اس طرح ہو جاتا۔'' الخ۔

مطلب یہ ہے کہ اگر پوری جد وجہد اور دعاؤں کے باوجود نتیجہ مرضی کے خلاف نکلے یعنی مقصد حاصل نہ ہو سکے یا کوئی ایسی مصیبت آ پڑے جس کی توقع ہی نہ تھی تو پھر اللہ کی تقدیر پر ایمان رکھے، اس پر مطمئن رہے اور یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مرضی کا تابع نہیں۔ اس نے جو چاہا کر دیا اور اس نے اپنی حکمت کے مطابق تقدیر میں جو لکھا تھا ہم کچھ بھی کر لیتے اس کا ٹلنا ممکن نہ تھا، پھر یہ کہنے کا کیا فائدہ کہ اگر میں اس طرح کرتا تو اس طرح ہو جاتا، اس ''اگر'' سے شیطان کا عمل شروع ہو جاتا ہے، یعنی اس طریقے سے وہ انسان کو غمگین کرتا ہے اور اسے اللہ کی تقدیر پر ایمان سے محروم کر کے کافر بنا دیتا ہے، اس کے برعکس تقدیر پر ایمان رکھنے والا کبھی حد سے زیادہ غمگین نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴾ [الحديد : ٥٧/ ٢٢، ٢٣]

''کوئی مصیبت زمین میں اور تمھاری جانوں میں نہیں پہنچتی مگر ہمارے اسے پیدا کرنے سے پہلے وہ لکھی ہوئی ہے یقیناً یہ اللہ پر آسان ہے تاکہ تم اس پر غم نہ کرو جو تم سے فوت ہو جائے اور اس پر پھول نہ جاؤ جو وہ تمھیں دے اور اللہ تعالیٰ کسی اکڑنے والے فخر کرنے والے سے محبت نہیں کرتا۔''

۷۔ نقصان پہنچنے پر کیا کہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تجھے کوئی نقصان پہنچے تو یہ کہہ:

((قَدَّرَ اللَّهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ)) [مسلم : ٤/ ٢٠٥٢]

''اللہ نے تقدیر میں لکھا اور اس نے جو چاہا کیا۔''

۸۔ کیا کسی موقع پر ''اگر'' ((لَوْ)) کہنا جائز ہے؟:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کتاب التمنی میں ایک باب ذکر کیا ہے: بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ اللَّوِ یعنی لَوْ (اگر) کہنے کی دو صورتیں جو جائز ہیں۔'' اس میں لوط علیہ السلام کا قول ذکر فرمایا: ﴿ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً ﴾ [ھود: ۸۰] ''کاش میرے پاس تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی۔''

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف مواقع پر ''لو'' کا لفظ استعمال کرنا ذکر فرمایا ہے، جب کہ ہماری زیر بحث حدیث میں ''لو'' کہنے سے منع فرمایا ہے، اس کی تطبیق یہ ہے کہ اگر اللہ کی تقدیر پر سر تسلیم خم کرتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ میں اپنی تدبیر سے اس نقصان کو ہٹا سکتا تھا تو ''لو'' (اگر) کا لفظ کہنا جائز ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ''لو'' شیطان کا عمل کھول دیتا ہے، شیطان کا عمل تقدیر میں وسوسہ پیدا کر کے شروع ہوتا ہے، اگر کوئی شخص تقدیر پر راضی ہے اور اس کا تقدیر پر محکم ایمان ہے تو نیکی نہ کر سکنے پر اظہار افسوس کے لیے یا آئندہ کی تدبیر کے لیے یا اس قسم کے دوسرے مقاصد کے لیے ''لو'' (اگر) کا لفظ استعمال کر سکتا ہے۔ (واللہ اعلم!)

تواضع اختیار کرنے کا حکم

۹/۱۴۴۰۔ ((وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ، وَلَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے

میری طرف وحی فرمائی ہے کہ نیچے رہو، یہاں تک کہ کوئی کسی پر سرکشی نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر فخر کرے۔" (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم، صفة الجنة : ٦٤۔ تحفة الاشراف : ٢٥١/٨-٢٥٢/٨]

فوائد:

ا۔ تواضع کا معنی ہے نیچا ہو جانا، یہ کبر کی ضد ہے، اللہ کے سامنے تواضع یہ ہے کہ اس کے احکام کے تابع ہو جائے اور لوگوں کے ساتھ تواضع یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی سے اونچا نہ سمجھے، کسی کو اپنے مقابلے میں حقیر نہ جانے، کیونکہ بڑائی صرف اللہ کا حق ہے اور انسان کو اپنے آپ کو اونچا سمجھنا زیب ہی نہیں دیتا، اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴾ [النجم : ٣٢/٥٣]

"اپنے آپ کو پاک قرار نہ دو، وہ زیادہ جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔"

رسول اللہ ﷺ بہت ہی متواضع تھے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالی نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔" آپ کے صحابہ نے عرض کیا: "آپ نے بھی چرائی ہیں؟" فرمایا: "ہاں! میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراطوں پر چرایا کرتا تھا۔"

[صحیح ابن ماجه، التجارة : ٥]

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کی لونڈیوں میں سے کوئی لونڈی رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی۔ [بخاری، مشکوة حدیث : ٥٨٠٩] اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ)) [مسلم، البر : ١٩]

"جو شخص اللہ کے لیے نیچا ہو جائے اسے اللہ تعالیٰ اونچا کر دیتا ہے۔"

۲۔ سرکشی کا انجام:

تواضع اختیار نہ کرنے کا نتیجہ بَغْی یعنی (سرکشی) اور فخر ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴾ [لقمان: ۱۸/۳۱]

"یقیناً اللہ تعالیٰ کسی اکڑنے والے فخر کرنے والے سے محبت نہیں کرتا۔"

اور بَغْی (سرکشی) کے متعلق حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((مَا مِنْ ذَنْبٍ اَجْدَرَ اَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَ قَطِيْعَةِ الرَّحِمِ))

[صحيح الترمذي، صفة القيامة: ۲۱]

"سرکشی اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ اس بات کے زیادہ لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کرنے والے کو دنیا میں جلدی سزا دے اس کے ساتھ آخرت میں بھی اس کے لیے سزا محفوظ رکھے۔"

مسلم بھائی کی عزت کا دفاع کرنے کی فضیلت

۱۴۴۱/۱۰۔ ((وَ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ بِالْغَيْبِ رَدَّ

اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ حَسَّنَهُ]

"ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اپنے بھائی کی عزت کا دفاع اس کے موجود نہ ہونے کے وقت کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے آگ کو ہٹا دے گا۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا اور حسن قرار دیا)

تخریج:

[صحیح۔ ترمذی : ۱۹۳۱۔ دیکھیے صحیح الترمذی للالبانی : ۱۵۷۵ اور غایۃ المرام : ۴۳۱]

اسماء بنت یزید کی حدیث

((وَلِأَحْمَدَ مِنْ حَدِيثِ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ نَحْوُهُ))

"اور احمد کے لیے اسماء بنت یزید کی حدیث اسی طرح ہے۔"

تخریج:

[احمد : ۶/۴۴۹]

فوائد:

۱۔ غیبت سے روکنا فرض ہے، جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت سننا بھی حرام ہے، قیامت کے دن جس طرح زبان کے اعمال پر باز پرس ہوگی، اسی طرح کانوں کے عمل پر بھی باز پرس ہوگی۔

﴿ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴾

[بنی اسرائیل : ۱۷/ ۳۶]

''یقیناً کان، آنکھ اور دل ہر ایک کے متعلق سوال کیا جائے گا۔''

اگر کسی مجلس میں کوئی شخص کسی مسلم بھائی کی غیبت کر رہا ہو اس کی عزت کو خراب کر کے مجلس گرم کر رہا ہو تو دوسرے بھائیوں کا فرض ہے کہ اسے اس شنیع فعل سے روک دیں۔ اس دفاع کی بدولت اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے چہرے سے آگ دور کر دے گا۔ غیبت سے روکنا ایک تو اس لیے فرض ہے کہ مسلمان پر دوسرے مسلمان کی مدد فرض ہے:

((اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَ لَا يُسْلِمُهُ))

[بخاری، المظالم : ۳]

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے۔''

دوسرا اس لیے کہ برائی سے منع کرنا ہر مسلمان پر بقدر استطاعت فرض ہے:

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ...... اَلْحَدِيْثُ))

[مسلم، الایمان ۲۰]

''تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے اگر یہ طاقت نہ رکھے تو زبان سے، اگر یہ بھی طاقت نہ رکھے تو دل سے اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔''

۲۔ مسلمان بھائی کی عزت کے دفاع کی چند مثالیں:

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر گئے (حدیث لمبی ہے) آپ نے ان کے گھر نماز پڑھی، ارد گرد بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ''مالک بن دخشم کہاں ہے؟'' ایک

آدمی کہنے لگا: "وہ تو منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے اسے کوئی محبت نہیں۔" تو نبی ﷺ نے فرمایا: "ایسا مت کہو تمہیں معلوم نہیں کہ اس نے "لا الہ الا اللہ" اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے پڑھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو آگ پر حرام کر دیا ہے جو "لا الہ الا اللہ" پڑھے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہو۔" [مسلم، المساجد : ٤٧]

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے جنگ تبوک کے موقع پر ان کی آزمائش اور توبہ کی طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ تبوک میں بیٹھے تھے تو آپ ﷺ نے پوچھا: "کعب بن مالک نے کیا کیا؟" بنو سلمہ کا ایک آدمی کہنے لگا: "یا رسول اللہ! اسے اس کی دو چادروں (کی خوبصورتی) نے اور اپنے کندھوں کو دیکھنے نے یہاں آنے نہیں دیا۔" معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "تم نے جو کہا برا کہا، اللہ کی قسم یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم تو اس کے متعلق بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔"

۳۔ اگر غیبت نہ روک سکے تو کیا کرے:

جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہو رہی ہو، ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اس میں بیٹھنے والا بھی انہی جیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ [النساء : ٤/ ١٤٠]

"اور یقیناً اس نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا کہ جب تم اللہ کی آیات کے متعلق سنو کہ ان کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو، جب تک وہ کسی اور بات میں نہ لگ جائیں یقیناً تم اس وقت ان کی طرح ہی ہو گے۔"

اس لیے جس مجلس میں کسی مسلم بھائی کی غیبت ہو رہی ہو وہاں پر موجود ہر مسلمان پر فرض ہے کہ

اسے روک دے، اگر روک نہیں سکتا تو اس مجلس سے اٹھ جائے گناہ میں شریک نہ ہو، اگر یہ بھی نہیں کر سکتا اور وہاں اٹھنا اس کی طاقت سے بالکل ہی باہر ہے تو دل سے غیبت کو برا سمجھے جیسے واقعی اس کے سامنے اس کے بھائی کا گوشت مردہ ہونے کی حالت میں کھایا جا رہا ہے، مگر وہ نہ منع کر سکتا ہے نہ اٹھ کر جا سکتا ہے۔

وہ تین چیزیں جن سے مال، عزت اور رفعت میں اضافہ ہوتا ہے

۱۱/۱۴۴۲۔ ((وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صدقہ کسی مال کو کم نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے کی بدولت بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور کوئی شخص اللہ کی خاطر نیچا نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ اسے بلند کر دیتا ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

تخریج:

[مسلم، البر والصلة: ٦٩۔ دیکھیے تحفة الاشراف: ٢٣٤/١٠۔

فوائد:

۱۔ صدقے سے مال کم نہیں ہوتا، اہل علم نے صدقہ کے ساتھ مال کم نہ ہونے کے تین معنی لکھے ہیں: پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والے شخص کے مال میں برکت کر دیتا ہے، اسے آفات سے

محفوظ رکھتا ہے، اس کا تھوڑا مال اسے اتنا فائدہ پہنچاتا ہے کہ اگر وہ صدقہ نہ کرتا تو مال زیادہ ہونے کے باوجود نہ اس کے کام آ سکتا نہ اتنی ضروریات پوری کر سکتا بلکہ ہو سکتا ہے کسی معیبت میں ضائع ہی ہو جاتا یا اس کے لیے کسی مزید معیبت کا باعث بن جاتا۔

دوسرا یہ کہ صدقے سے اسے اتنا ثواب حاصل ہوتا ہے کہ جو اس کے مال کی کمی پوری کر دیتا ہے گویا جس مال کے عوض اسے دس گنا، ستر گنا بلکہ اس سے بڑھ کر بعض اوقات بے حساب ثواب ملا وہ مال کم نہیں ہوا۔

تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس مال کی جگہ جو اس نے خرچ کیا اسے اور مال دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات اسے بڑھا دیتا ہے، یہ بات تجربہ سے ثابت اور آنکھوں دیکھی حقیقت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ﴾ [سبا: ۳۴/۳۹]

''اور تم جو چیز بھی خرچ کرو وہ اس کی جگہ اور دیتا ہے۔''

۲۔ معاف کر دینے سے عزت میں اضافہ ہوتا ہے:

جس شخص پر زیادتی کی گئی ہو اسے حق ہے کہ زیادتی کا بدلا لے لے۔

﴿ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴾

[الشوریٰ: ۴۲/۴۱]

''جو شخص مظلوم ہونے پر بدلا لے لے تو ان لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ [الشوریٰ: ۴۲/۴۰]

''برائی کا بدلا اس کی مثل برائی ہے۔''

لیکن اگر کوئی شخص بدلا لینے کی بجائے معاف کر دے تو یہ اونچے درجے کا کام ہے اور اللہ کے ہاں اجر و ثواب کا باعث ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ﴾ [الشورى: ٤٢/ ٤٠]

''تو جو شخص معاف کر دے اور معاملہ درست کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔''

﴿ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴾ [الشورى ٤٢/ ٤٣]

''اور جو شخص صبر کرے اور بخش دے تو یقیناً یہ ہمت کے کاموں سے ہے۔''

معاف کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ پیش آتی ہے کہ آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ بدلا لینے کی صورت میں دل ٹھنڈا ہوگا، آئندہ میرا رعب ہوگا، کوئی مجھ پر زیادتی نہیں کرے گا جب کہ معاف کرنے میں میری ذلت ہے، لوگ کیا کہیں گے بدلا نہ لے سکا، آئندہ بھی اسی طرح مجھ پر زیادتی ہوتی رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ معاف کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ اس کی عزت ہی بڑھائے گا اس کی تذلیل ہرگز نہیں ہوگی، اللہ کے ہاں اس کی عزت ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بہت معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور لوگوں کے ہاں بھی کہ لوگ معاف کر دینے والے کو جس اکرام و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں بدلا لینے والے کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھتے، علاوہ ازیں معاف کر دینے میں وہ لذت ہے جو انتقام لینے میں ہرگز نہیں ہے۔

۳۔ اللہ کے لیے تواضع سے بلندی ملتی ہے:

جو شخص اللہ کی خاطر نیچا ہو جاتا ہے، اللہ کے ہر حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہے، کسی کو حقیر نہیں

جاننا، اپنے آپ کو ہی کمتر سمجھتا ہے، شہرت، ناموری اور سر بلندی کی بجائے اللہ کی رضا کے لیے گمنامی اور خاکساری کو اپنا شعار بناتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں بھی اس کا مرتبہ بلند ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی نظر میں چھوٹا لوگوں کی نظر میں بڑا ہو جاتا ہے، جب کہ تکبر کرنے والا اللہ تعالیٰ کی نظر سے گر جاتا ہے اور لوگوں کی نظر سے بھی۔

اس حدیث میں صدقہ، عفو اور تواضع کی تعلیم دی گئی ہے اور اخلاق حسنہ میں یہ تینوں چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

جنت میں داخلے کے اعمال

۱۲/۱۴۴۳۔ ((وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَآأَيُّهَا النَّاسُ، أَفْشُوا السَّلَامَ، وَ صِلُوا الْأَرْحَامَ، وَ أَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَ صَلُّوا بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ)) [أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ]

''عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! سلام کو عام کرو اور رشتہ داریوں کو ملاؤ اور کھانا کھلاؤ اور رات کو نماز پڑھو اس حال میں کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا اور صحیح کہا ہے)

تخریج:

[صحیح۔ ترمذی: ۲۴۸۵، ۳۲۵۱]

مفردات:

اَفْشُوا ، اِفشاء (افعال) سے امر ہے، "پھیلانا، عام کرنا۔"

نِيَامٌ نون کے کسرہ کے ساتھ نائم کی جمع ہے "سونے والے۔"

فوائد:

۱۔ سلام عام کرنا۔ سلام پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو سلام کرے خواہ پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے سوال کیا: "أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟" اسلام کی کون سی چیزیں سب سے اچھی ہیں۔ فرمایا: "یہ کہ تو کھانا کھلائے اور سلام کہے اس کو جسے تو پہچانتا ہے اور جس کو تو نہیں پہچانتا۔" [بخاری، الایمان : ۲۰]

سلام اتنی آواز کے ساتھ ہونا چاہیے کہ جسے سلام کہا گیا ہے اسے سن لے۔ بخاری نے الادب المفرد میں صحیح سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

((إِذَا سَلَّمْتَ فَأَسْمِعْ فَإِنَّهَا تَحِيَّةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ))

[صحيح الأدب المفرد للألباني : ۷٦۹]

"جب سلام کہو تو سنا کر کہو کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے تحفہ ہے۔"

اگر ایسی جگہ جائے جہاں کچھ لوگ سوئے ہوئے اور کچھ جاگتے ہوں تو اتنی آواز سے سلام کہے کہ جاگنے والے سن لیں اور سوئے ہوئے جاگ نہ اٹھیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایسے ہی کیا کرتے تھے۔

[مسلم، الأشربة : ۳۲، عن المقداد]

اگر کسی جماعت سے ملے تو سب کو سلام کہے کسی ایک کو خاص طور پر سلام نہ کہے کیونکہ یہ سلام عام کرنے کے خلاف ہے اور ان لوگوں سے بیگانگی کا اظہار ہے جن کو سلام نہیں کہا گیا جب کہ سلام

عام کرنے کا مقصد تمام مسلمانوں کے درمیان محبت پیدا کرنا ہے اور یہ محبت ہی جنت میں لے جانے والی ہے۔ سلام کے مفصل مسائل کے لیے دیکھیے اسی کتاب کی حدیث (۱۳۵۴) اور (۶۲، ۶۱، ۱۳۶۰)

۲۔ ناواقف کو سلام کہنے کے فوائد:

نبی ﷺ نے سلام عام کہنے کا حکم دیا خواہ ناواقف ہی ہو، اہل علم نے ناواقف کو سلام کہنے کے کئی فوائد بیان فرمائے ہیں:

(ا) یہ عمل خالص اللہ کے لیے ہوتا ہے۔

(ب) اس میں تواضع پائی جاتی ہے۔

(ج) اس سے امت مسلمہ کا شعار (سلام) زیادہ سے زیادہ پھیلتا ہے۔

(د) ناواقف کو سلام کہنے سے ((إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ)) کی وجہ سے باہمی انس پیدا ہو جاتا ہے، بیگانگی ختم ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے سے بات چیت آسانی سے شروع ہو جاتی ہے۔

صلہ رحمی کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے، دیکھیے اس کتاب کی حدیث (۱۳۲۷)

③ کھانا کھلانا:

''کھانا کھلاؤ۔'' میں ان لوگوں کو کھانا کھلانا سب سے پہلے ہے جن کی کفالت آدمی کے ذمے ہو، چنانچہ فرمایا:

((وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ)) [صحیح مسلم، الزکاۃ: ۳۱]

''ابتدا ان کے ساتھ کرو جو تمھارے عیال ہیں۔''

اور فرمایا:

((كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُّضَيِّعَ مَنْ يَّقُوْتُ))

[صحيح أبي داود، الزكاة: باب ٤٦]

''آدمی کو گناہ گار ہونے کے لیے کافی ہے کہ ان افراد کو ضائع کرے جن کی خوراک اس کے ذمے ہے۔''

اس کے ساتھ ساتھ مہمان، سائل، مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلانا بھی، آدمی کے ذمے ان لوگوں کا حق ہے، اس کے علاوہ قرابت داروں اور دوستوں کو کھانا کھلانا بھی باہمی محبت بڑھانے کا باعث ہے۔

۴۔ رات کو نماز پڑھنا:

رات کو نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، اس سے مراد عشاء کی نماز ہے کیونکہ اس وقت یہود و نصاریٰ اور دوسرے غیر مسلم سو جاتے ہیں اور رات کے نوافل بھی اس میں شامل ہیں کیونکہ اس وقت عام لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں جانے والے متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝ ﴾

[الذاريات: ٥١/١٧، ١٨]

''وہ رات کو بہت کم سوتے تھے اور سحری کے وقتوں میں وہ استغفار کرتے تھے۔''

اور فرمایا:

﴿ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ﴾

[السجدة: ٣٢/١٦]

''ان کے پہلو بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں وہ اپنے رب کو خوف اور لالچ سے پکارتے ہیں۔''

ⓝ جنت میں سلامتی سے داخل ہونے سے کیا مراد ہے؟:

ظاہر ہے کہ یہ اعمال جنت میں داخل ہونے کے اسباب میں سے چند اسباب ہیں ان کے علاوہ بھی کئی چیزیں جنت میں داخلے کے لیے ضروری ہیں، مگر ان اعمال پر سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی بشارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعمال کرنے والے شخص کو اللہ کی طرف سے دوسرے اعمال صالحہ کرنے کی اور برے اعمال سے بچنے کی توفیق ملتی ہے اور اس کا خاتمہ ایمان اور عمل صالح پر ہوتا ہے جس سے وہ عذاب سے محفوظ رہ کر شروع میں ہی جنت میں داخل ہونے کا حق دار بن جاتا ہے۔

دین نصیحت کا نام ہے

١٣/١٤٤٤۔ ((وَعَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ " ثَلَاثًا" قُلْنَا: لِمَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: لِلّٰهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُوْلِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دین صرف نصیحت ہی ہے۔'' ہم نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کس کے لیے؟ فرمایا: ''اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول، مسلمانوں کے حکمرانوں اور ان کے عام لوگوں کے لیے۔''

(اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم، الایمان : ۹۵، وغیرہ۔ دیکھیے تحفۃ الاشراف : ۱۱۶/۲۔ ۳۴۶/۹۔ ۳۹۳/۹۔ ۴۳۴/۹]

فوائد:

۱۔ نصیحت کیا ہے؟ نَصَحَ الشَّیْءُ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی چیز خالص ہو، اس میں کھوٹ نہ ہو، شہد یا کوئی اور چیز جب خالص ہو تو اسے ((اَلنَّاصِحُ)) کہتے ہیں ((اَلنُّصْحُ)) (خالص ہونا) (کھوٹا ہونے) کا الٹ ہے، فعل ((نَصَحَهُ)) استعمال ہوتا ہے اور ((نَصَحَ لَهُ)) بھی، لام کے ساتھ زیادہ فصیح ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ((وَ اَنْصَحُ لَكُمْ)) اور کہا جاتا ہے ((نَصَحْتُ لَهُ نَصِيْحَتِيْ نُصُوْحًا أَيْ أَخْلَصْتُ وَ صَدَقْتُ)) "میں نے دل میں اس کے لیے خلوص رکھا اور سچی بات کہہ دی۔" خلاصہ یہ کہ دل میں کسی کے لیے اچھا ارادہ رکھنا، اس کے متعلق کھوٹ نہ رکھنا، کسی کا بھلا چاہنا اس کا برا نہ چاہنا، یہ نصیحت ہے۔
فارسی میں اسے خیر خواہی کہہ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
﴿ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ﴾ [التحریم : ۸/۶۶]
"اللہ کی طرف توبہ نصوحا کرو۔"
یعنی خالص توبہ جس کے ساتھ دل میں ارادہ ہو کہ اب یہ گناہ نہیں کروں گا۔ (لسان العرب خلاصہ بقدر ضرورت)

۲۔ کیا دین صرف نصیحت کا نام ہے؟:

الدین النصیحۃ میں الدین مبتدا ہے اور النصیحۃ خبر، جب خبر پر الف لام آجائے

تو اس میں حصر پیدا ہو جاتا ہے، یعنی دین صرف نصیحت کا نام ہے، بے شک اسلام کے احکام بہت سے ہیں مگر ان سب کا دارومدار نصیحت (خیر خواہی) یعنی دل کے خالص ہونے اور کھوٹ سے خالی ہونے پر ہے، اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب، مسلمانوں کے حکام اور عامۃ المسلمین کے متعلق اگر دل میں کھوٹ یا بدخواہی ہوئی تو سمجھ لیجیے اس دل میں دین نہیں ہے۔

۳۔ اللہ، اس کی کتاب اور اس کے رسول کے لیے نصیحت سے کیا مراد ہے:

اللہ تعالیٰ کے لیے نصیحت سے مراد ہے کہ صرف اسی کو رب اور معبود ماننے، اس کی تمام صفات کو ماننے، خالص دل سے اس کا بندہ بن جائے، اس بندگی میں کسی وقت بھی کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرے، اس کے دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے دشمنی رکھے، ساری دنیا کو صرف اسی کا بندہ بنانے کی کوشش کرتا رہے، اس کے احکام ماننے کے لیے ہر وقت دل سے تیار رہے، اس کا نام بلند کرنے کے لیے جہاد کرتا رہے پھر اگر کسی وقت بیماری یا ناداری کی وجہ سے حکم پر عمل نہ کر سکے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اصل نصیحت موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ﴾ [التوبة: ۹/ ۹۱]

”کوئی حرج نہیں بیماروں، کمزوروں اور ایسے لوگوں پر جو وہ چیز پاتے ہی نہیں جو خرچ کریں جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کریں، احسان کرنے والوں پر کوئی گرفت نہیں۔“

اللہ کی کتاب کے لیے نصیحت سے مراد اس پر ایمان رکھنا، اس کی کسی بات میں شک نہ کرنا، اس کے احکام پر عمل اور اس کے نواہی سے اجتناب کرنا، اس کا علم حاصل کرنا، اسے آگے پھیلانا اور یہ

خواہش رکھنا کہ سب لوگ اس پر عامل بن جائیں۔

رسول کے لیے نصیحت سے مراد ان تمام چیزوں میں اسے دل سے سچا ماننا ہے، جو وہ لے کر آیا ہے۔ اسی طرح اس کا حکم ماننا، اس کے نقش قدم پر چلنا، اس سے اور اس کے دوستوں سے دوستی، اس کے دشمنوں سے دشمنی، اس کی سنت سے محبت، سنت کا علم حاصل کرنے کا شوق اور جستجو، اس کی نشر و اشاعت، سب لوگوں کو سنت کا عامل بنانے کا شوق اور اس کے لیے جدو جہد، بدعت کی تردید اور اسے ختم کرنے کی جدو جہد بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے خیر خواہی میں شامل ہے۔

۴۔ مسلمان حکمرانوں اور عام مسلمانوں کے لیے نصیحت کیا ہے؟:

مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے نصیحت (خیر خواہی) یہ ہے کہ ہمیشہ ان کی بھلائی کے لیے سوچے، دل میں ان کے لیے کھوٹ نہ رکھے، اچھے کاموں میں ان کی اطاعت اور مدد کرے، ان کے خلاف بغاوت نہ کرے، ان کی کوتاہیوں کے باوجود صلاۃ، جہاد اور دوسرے نیکی کے اجتماعی کاموں میں ان کے ساتھ رہے، ان کی اصلاح کے لیے حق بات کہتا رہے اور ان کے حق میں دعا کرتا رہے۔

عامۃ المسلمین کے لیے نصیحت (خیر خواہی) یہ ہے کہ ہمیشہ ان کی بھلائی کے لیے سوچے، کسی کے متعلق دل میں کھوٹ اور کینہ نہ رکھے، ان کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، ان کے چھوٹوں پر رحم، ان کے بڑوں کی توقیر کرے، ان کی دنیا اور آخرت میں بھلائی کے لیے کوشش کرے، انھیں نیکی کا حکم دے، برائی سے منع کرے۔

جنت میں لے جانے والے عمل

۱۴/۱۴۴۵۔ ((وَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ الْجَنَّةَ تَقْوَى اللّٰهِ وَ حُسْنُ الْخُلُقِ)) [أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو چیز سب سے زیادہ جنت میں داخل کرے گی وہ اللہ کا ڈر اور اچھا خلق ہے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا اور حاکم نے صحیح کہا)

تخریج:

[صحيح۔ ترمذی : ۲۰۰۴۔ البانی نے اسے صحیح کہا، الصحيحة : ۹۷۷]

[پوری حدیث اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کے متعلق سوال کیا گیا جو لوگوں کو سب سے زیادہ جنت میں داخل کرے گی تو فرمایا: ''اللہ کا تقویٰ اور اچھا خلق اور اس چیز کے متعلق سوال کیا گیا جو سب سے زیادہ لوگوں کو آگ میں لے جائے گی تو فرمایا: ((اَلْفَمُ وَالْفَرْجُ)) ''منہ اور شرمگاہ۔''

مفردات:

تَقْوَى اللّٰهِ اس کا مادہ و، ق، ی، ہے وَقَى يَقِيْ (ضرب۔ یضرب) کسی کو نقصان دہ، خطرناک چیز سے بچانا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ [التحريم : ٦٦/٦]

''اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔''

اس سے اسم ''تقویٰ'' ہے، جو اصل میں وَقْيٰى (فَعْلٰى) تھا واؤ کو تاء سے اور یاء کو واؤ سے

بدل دیا۔ اس کا معنی ہے کہ اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچانا جن سے کوئی خوف ہو، اس لیے بعض اوقات ڈرنے کو بھی تقویٰ کہہ لیتے ہیں۔

اللہ کا تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے بچائے، یہ تبھی ہو سکتا ہے جب ہر وقت یہ بات اپنے سامنے رکھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، اس کے احکام کی اطاعت کرے اور اس کی منع کردہ چیزوں کو یکسر چھوڑ دے۔

تقویٰ پوری طرح تبھی حاصل ہو سکتا ہے، جب بعض حلال چیزوں کو بھی وہ اس خوف سے چھوڑ دے کہ کہیں حرام کا ارتکاب نہ کر بیٹھے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو ممنوعہ چراگاہ کے اردگرد چرتا ہے، قریب ہے کہ اس کے اندر جا پہنچے۔'' [بخاری، الایمان : ۳۹]

حسن خلق کی تشریح اس سے پہلے کئی احادیث میں گزر چکی ہے۔

حسن خلق

۱۴۴۶/۱۵۔ ((وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّكُمْ لَا تَسَعُوْنَ النَّاسَ بِأَمْوَالِكُمْ، وَ لٰكِنْ لِيَسَعْهُمْ مِنْكُمْ بَسْطُ الْوَجْهِ وَ حُسْنُ الْخُلُقِ))

[أَخْرَجَهُ أَبُوْ يَعْلَى ، وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً تم اپنے مالوں کے ساتھ تمام لوگوں کے لیے فراخ نہیں ہو سکتے، لیکن ان کے لیے تمھاری طرف سے چہرے کا کھلا ہونا اور خلق کا اچھا ہونا فراخ ہونا چاہیے۔'' (اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا اور حاکم نے

صحیح کہا)۔

تخریج:

[ضعیف۔ ابو یعلی: ۱۱/ ۶۵۵۰۔ حاکم: ۱/ ۱۲۴]

بیہقی نے فرمایا اس کی سند میں عبداللہ بن سعید المقبری متفرد ہے، ایک اور ضعیف سند کے ساتھ یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی آئی ہے، ذہبی نے مستدرک حاکم کی تلخیص میں فرمایا: ''عبداللہ (بن سعید) کمزور ہے۔''

میزان میں ہے: ''یہ عبداللہ بن سعید بالکل ہی کمزور ہے۔'' فلاس نے فرمایا: ''منکر الحدیث، متروک ہے۔'' یحییٰ نے فرمایا: ''مجھ پر اس کا کذب واضح ہو چکا ہے۔'' دارقطنی نے فرمایا ((مَتْرُوْكٌ ذَاهِبٌ)) اور اس کی کئی روایات ذکر کیں جن میں سے یہ بھی ہے پھر فرمایا کہ بخاری نے اس کے متعلق فرمایا ہے: ((تَرَكُوْهُ)) ''محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے۔'' زیادہ تفصیل کے لیے دیکھیے [سلسلة الاحاديث الضعيفة حديث : ٦٣٤]

مفردات:

لَا تَسَعُوْنَ تاء اور سین کے فتح کے ساتھ اَلسَّعَةُ، فراخی یہ اَلضِّيْقُ (تنگی) کی نقیض ہے، باب وَسِعَهُ يَسَعُهُ اور يَسِعُهُ سَعَةً آتا ہے، يَسِعُهُ کم آتا ہے، (یعنی سین کے کسرہ کے ساتھ) لیکن اس کی واؤ کا گرنا اسی وجہ سے ہے کہ يَعِدُ کی طرح بھی آتا ہے اگر یہ صرف يَفْعَلُ کے وزن پر ہوتا تو اس کی واؤ نہیں گر سکتی تھی، يَفْعَلُ کے وزن پر اس کا استعمال حرف حلقی کی وجہ سے ہوا ہے، وَسُعَ وَسَاعَةً فَهُوَ وَسِيْعٌ بھی استعمال ہوتا ہے۔ [لسان العرب ملخصًا]

فوائد:

اگر کوئی شخص چاہے کہ میں مال دے کر لوگوں کا فقر دور کر دوں تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ آدمی کا مال کم ہے اور فقراء بے شمار، بالفرض اگر کسی کو اتنا مال دے بھی دے جس سے وہ غنی ہو جائے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ دوبارہ فقیر نہیں ہوگا۔ اس لیے صدقہ کرتے وقت بھی اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝ ﴾

[بنی اسرائیل : ۱۷/ ۲۹، ۳۰]

''اور نہ تو اپنے ہاتھ کو گردن کے ساتھ بندھا ہوا بنا لے اور نہ ہی اسے سارے کا سارا کھول دے ورنہ اس حال میں بیٹھ رہے گا کہ تو ملامت کیا ہوا عاجز ہوگا، یقیناً تیرا رب ہی فراخ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے یقیناً وہی اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا، دیکھنے والا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ تمھارے ہاتھ کو پوری طرح کھول دینے اور سب کچھ خرچ کر دینے سے لوگوں کا فقر دور نہیں ہو سکتا، رزق کی فراخی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ آدمی کا مال سب لوگوں کے لیے پورا نہیں آ سکتا تو کھلے چہرے کے ساتھ ملنا اور اچھا خلق تو سب لوگوں کے لیے فراخ ہونا چاہیے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے جو تحریر ہوا، لیکن روایت کمزور ہے۔ اس لیے اگر مزید غور کریں تو سمجھ آتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر وقت تمام بندوں کی سنتا اور ان سے فراخی کا معاملہ کرتا ہے، بندے کے لیے تمام انسانوں سے ہر وقت اسی طرح کشادہ چہرے کے ساتھ رہنا ممکن نہیں۔ بعض اوقات آدمی تھکا ہوا ہوتا ہے، کبھی بیمار، کبھی طبیعت اتنی افسردہ ہوتی ہے کہ کشادہ چہرہ تو دور کی بات

ویسے ہی کسی سے ملنے پر آدمی تیار نہیں ہوتا۔ کبھی لوگوں کی بدسلوکی انسان کے چہرے کی رونق چھین لیتی ہے حتیٰ کہ بڑے بڑے حلیم الطبع لوگ اپنی بیویوں سے مہینا مہینا تک نہ ملنے کی قسم کھا لیتے ہیں، ہاں اگر روایت صحیح ہو تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کوشش کرنی چاہیے کہ سب لوگوں کو کشادہ چہرے سے ملا جائے اور ان سے حسن خلق اختیار کیا جائے، باقی کیا ایسا ہو سکتا ہے اس کا اس حدیث میں ذکر نہیں۔

مومن، مومن کے لیے آئینہ ہے

١٦/١٤٤٧۔ «وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ أَخِيْهِ الْمُؤْمِنِ»

[أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ]

”انہی (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مومن اپنے مومن بھائی کا آئینہ ہے۔“ (اسے ابوداؤد نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

تخریج:

[حسن۔ ابوداؤد، ٤٩١٨۔ دیکھیے سلسلة الاحادیث الصحیحة: ٩٢٦/٢]

فوائد:

١۔ مومن، مومن کے لیے آئینہ کس طرح ہے؟ آئینے میں یہ وصف ہے کہ وہ اپنے دیکھنے والے کے سامنے اس کا حسن و جمال بھی رکھ دیتا ہے اور اس کے نقائص بھی، اسی طرح مومن اپنے مومن بھائی کے لیے اس کی خوبیاں اور اس کے اوصاف بیان کرنے اور اس کی حوصلہ افزائی میں بخل نہیں کرتا۔ ہاں آئینے کی طرح وہ اس میں مبالغہ بھی نہیں کرتا بلکہ صرف اتنی بات کرتا ہے جو

حقیقت ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم بھی ہے:

((إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِينَ فَاحْثُوا فِي وُجُوهِهِمُ التُّرَابَ))

[مسلم، الزھد: ۱٤]

”جب تم تعریف میں مبالغہ کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔“

۲۔ آئینے میں دوسرا وصف یہ ہے کہ وہ دیکھنے والے کو خاموشی سے اس کے عیب بتا دیتا ہے شور نہیں کرتا اور دیکھنے والے کے علاوہ کسی دوسرے کو بھی نہیں بتاتا، اسی طرح مومن اپنے بھائی کو اس کے نقص خاموشی سے بیان کر دیتا ہے، کسی دوسرے کو جا کر نہیں بتاتا، وہ نہ چغلی کھاتا ہے نہ غیبت۔

۳۔ آئینہ کی حقیقت:

حقیقت یہ ہے کہ آئینہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ اس کے ذریعے آدمی کو اپنے حسن و جمال سے آگاہی ہوتی ہے جس کی حفاظت اور مزید زیبائش و آرائش کی کوشش کرتا ہے اور اسی کے ذریعے اسے اپنے چہرے کے نقص معلوم ہوتے ہیں جنھیں وہ چھپانے اور دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر آئینہ نہ ہوتا تو وہ ان سب چیزوں سے محروم رہتا، اسی طرح آدمی کے لیے اس کے مومن بھائی بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں، کیونکہ ان کے حسد و منافست سے پاک سینوں کی بدولت وہ اپنی خوبیوں اور استعداد سے واقف ہوتا اور ان کی حفاظت اور ان میں اضافے کے لیے جدوجہد کرتا ہے اور وہی اسے اس کے نقائص سے مطلع کرتے ہیں جس سے وہ ان کے ازالے یا پردہ پوشی کی کوشش کرتا ہے، اگر مومن بھائی نہ ہوتے تو نہ اسے اپنی خوبیوں کا پوری طرح شعور حاصل ہوتا نہ خامیوں کا، خوش قسمت ہے وہ شخص جسے ایسے مومن بھائی مل جائیں جو اس کے لیے آئینے کی مانند ناصح و مشفق ہوں، اللہ تعالیٰ

ہماری قسمت میں بھی یہ نعمت کرے۔

لوگوں سے میل جول رکھنے کی فضیلت

۱۴۴۸/۱۷۔ ((وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يُخَالِطُ النَّاسَ، وَ يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِّنَ الَّذِيْ لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ)) [أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ، وَ هُوَ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يُسَمِّ الصَّحَابِيَّ]

"ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیف پر صبر کرتا ہے اس سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ مل کر نہیں رہتا نہ ان کی تکلیف پر صبر کرتا ہے۔" (اسے ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ روایت ترمذی میں بھی ہے مگر اس نے صحابی کا نام نہیں لیا)

تخریج:

[صحیح۔ ابن ماجہ ۴۰۳۲۔ ترمذی، القیامۃ: ۵۵] ابن ماجہ میں (خیر) کی جگہ (اعظم اجرا) کے لفظ ہیں، ترمذی میں (خیر) کے لفظ ہیں، تصحیح کی تفصیل کے لیے دیکھیے [سلسلۃ صحیحۃ للالبانی: ۹۳۹]

فوائد:

۱۔ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے والا شخص افضل ہے۔ لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنے میں کئی

فوائد ہیں مثلاً گناہوں سے بچنا، نیکی کے لیے وقت کا بچ جانا، ریاکاری سے بچنا، لوگوں کی تکلیفوں سے محفوظ رہنا وغیرہ، مگر لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے والا اور ان کی تکلیفوں پر صبر کرنے والا زیادہ بہتر اور زیادہ اجر کا مستحق ہے کیونکہ وہ اجتماعی عبادات نماز، زکوۃ، حج وغیرہ میں شریک رہ سکتا ہے، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام دے سکتا ہے، ماں باپ رشتہ داروں اور دوسرے لوگوں کے حقوق ادا کر سکتا ہے، علم حاصل کر سکتا ہے اور علم کا نور آگے پھیلا سکتا ہے۔

۲۔ بعض اوقات لوگوں سے علیحدگی بہتر ہوتی ہے:

جب کسی شخص کو معاشرے میں رہ کر ایمان بچانا مشکل ہو جائے تو اس کے لیے علیحدگی افضل ہے، صحیح بخاری میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَ مَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِيْنِهِ مِنَ الْفِتَنِ)) [البخاري، الإيمان : ١٢]

''قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال چند بھیڑ بکریاں ہوں جنھیں لے کر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات میں پھرتا رہے، اپنا دین لے کر فتنوں سے بچنے کے لیے بھاگتا پھرے۔''

حسن صورت کے ساتھ حسن خلق کے لیے دعا

١٨/١٤٤٩۔ ((وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِيْ

فَحَسِّنْ خُلُقِي» [رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ]

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! جس طرح تو نے میری شکل وصورت اچھی بنائی ہے میرا خلق بھی اچھا بنا دے۔'' (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا)

تخریج:

[صحیح۔ احمد: ۱/ ۴۰۳۔ ابن حبان: ۳/ ۹۵۹] بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ دیکھ کر یہ دعا پڑھتے تھے اور اس کے آخر میں یہ لفظ بھی ہیں: ((وَ حَرِّمْ وَجْهِيَ عَلَى النَّارِ)) ''اور میرا یہ چہرہ آگ پر حرام کر دے۔''

شیخ ناصر الدین نے ارواء الغلیل حدیث (۷۴) میں اس حدیث پر تفصیلی کلام فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ تمام روایات جن میں آئینہ دیکھ کر یہ دعا پڑھنے کا ذکر ہے، ضعیف ہیں اور ان کا ضعف کثرت اسانید سے بھی دور ہونے والا نہیں: ((وَ حَرِّمْ وَجْهِيَ)) والے الفاظ بھی ضعیف ہیں، البتہ صرف اتنے الفاظ جو اوپر ذکر ہوئے ہیں، صحیح سندوں کے ساتھ ثابت ہیں۔

فوائد:

۱۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہترین صورت میں پیدا فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴾ [التین: ۹۵/ ۴]

''یقیناً ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا فرمایا ہے۔''

اس لیے کوئی شخص کسی دوسرے کے مقابلے میں اگر کم حسن بھی رکھتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے اسے انسان بنایا، جس کی شکل جیسی بھی ہے دوسری مخلوقات سے بہتر ہے۔

۲۔ اپنی خوبصورتی کی طرف دھیان جائے تو حسن سیرت کے لیے دعا کرے، رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ظاہر کی اصلاح کے ساتھ باطن کی اصلاح کے لیے فکرمند رہتے تھے، مثلاً وضو کے ساتھ اعضاء کی ظاہری طہارت کرتے تو ساتھ ہی قلبی طہارت کے لیے دعا کرتے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ))

[صحيح الترمذى الطهارة : ٤١]

''اے اللہ! مجھے بہت توبہ کرنے والے اور پاک رہنے والوں میں شامل کرلے۔''

پاخانے کا بوجھ اور اس کی نجاست دور ہوتی تو دعا کرتے ((غُفْرَانَكَ)) ''پروردگار گناہوں کی نجاست دور کردے۔''

اسی طرح جب اپنی شکل کی خوبصورتی کی طرف دھیان جاتا تو ساتھ ہی اپنے اخلاق کی خوبصورتی کے لیے دعا کرتے، ہمیں بھی ہر وقت یہ اسوۂ مدنظر رکھنا چاہیے۔

بَابُ الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ

ذکر اور دعا کا بیان

ذِکْرٌ: یاد کرنا، زبان کے ساتھ یا دل کے ساتھ یا دونوں کے ساتھ، یہاں مراد اللہ کا ذکر ہے۔
دُعَاءٌ: بلانا، کسی کو کسی کام کے لیے مدد کے لیے بلانا یا اس سے کچھ مانگنا، مراد اللہ کو پکارنا اور اس سے مانگنا ہے۔

دعا میں اللہ کا ذکر بھی ہے اور اس کو پکارنا اور اس سے مانگنا بھی، اس لیے ذکر کی فضیلت کی تمام احادیث اور آیات دعا پر بھی صادق آتی ہیں، اسی طرح ذکر کا اصل مقصد بھی اللہ سے مانگنا ہے، بلکہ ہر عبادت میں اصل روح دعا ہی ہے۔ اس کی تفصیل ((الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) میں آئے گی۔ ان شاء اللہ!

اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا فرض ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴾ [المؤمن : ٤٠ / ٦٠]

”تمھارے رب نے کہا کہ مجھے پکارو، میں تمھاری پکار قبول کروں گا یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔“

((مَنْ لَّا يَدْعُو اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ)) [صححه الحاكم : ١ / ٤٩١،

وحسنه الألباني في الصحيحة : ١ / ٢٩]

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرے، اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو جاتا ہے۔"

کیا اللہ کے علم پر بھروسا کر کے دعا نہ کرنا جائز ہے:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو ہماری حالت کا خود علم ہے تو اس سے دعا کی کیا ضرورت ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو جب منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینکنے لگے تو انھیں جبریل علیہ السلام ملے اور کہا: "ابراہیم! بتاؤ کوئی ضرورت ہے؟" فرمایا: "تم سے تو نہیں۔" کہا: "پھر اپنے رب سے ہی سوال کرو۔" تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ((حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ)) "مجھے اپنے سوال کرنے سے اللہ تعالیٰ کا میری حالت کو جاننا ہی کافی ہے۔" یعنی جب وہ خود میری حالت دیکھ رہا ہے تو مجھے اس سے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بعض صوفیوں نے اسی بات کو اور آگے بڑھاتے ہوئے کہا: ((سُؤَالُكَ مِنْهُ اِتِّهَامٌ لَهٗ)) "تمھارا اللہ سے سوال کرنا اس پر تہمت لگانا ہے۔" (کہ وہ مانگے بغیر نہیں دیتا) مگر ان لوگوں کی یہ بات درست نہیں، کیونکہ یہ روایت ((حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ)) الخ بالکل ہی بے اصل ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے شیخ ناصر الدین البانی کی [سلسلة الاحادیث الضعیفة حدیث : ٢١]

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس موقع پر کہا تھا ((حَسْبِیَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ)) "مجھے اللہ ہی کافی ہے اور بہت اچھا کارساز ہے۔"
(بخاری، التفسیر/۱۲) قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کی بہت سی دعائیں ذکر کی گئی ہیں، مثلاً سورۂ ابراہیم میں:

﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

﴿رَبَّنَآ إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ ٱلۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ فَٱجۡعَلۡ أَفۡـِٔدَةٗ مِّنَ ٱلنَّاسِ تَهۡوِيٓ إِلَيۡهِمۡ وَٱرۡزُقۡهُم مِّنَ ٱلثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُونَ۝ رَبَّنَآ إِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِي وَمَا نُعۡلِنُۗ وَمَا يَخۡفَىٰ عَلَى ٱللَّهِ مِن شَيۡءٖ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَلَا فِي ٱلسَّمَآءِ۝ ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ ٱلَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى ٱلۡكِبَرِ إِسۡمَٰعِيلَ وَإِسۡحَٰقَۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ ٱلدُّعَآءِ۝ رَبِّ ٱجۡعَلۡنِي مُقِيمَ ٱلصَّلَوٰةِ وَمِن ذُرِّيَّتِيۚ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ۝ رَبَّنَا ٱغۡفِرۡ لِي وَلِوَٰلِدَيَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِينَ يَوۡمَ يَقُومُ ٱلۡحِسَابُ۝﴾

سورۂ ابراہیم آیت ۳۵ سے ۴۱ تک دعائیں ہی دعائیں ہیں، اسی طرح سورۂ شعراء میں ﴿رَبِّ هَبۡ لِي حُكۡمٗا﴾ سے لے کر ﴿وَلَا تُخۡزِنِي يَوۡمَ يُبۡعَثُونَ﴾ تک کئی دعائیں ہیں۔ اس کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام نے صالح بیٹے کے لیے دعا فرمائی، اہل مکہ کے لیے پیغمبر مبعوث کرنے کی دعا فرمائی، ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کی دعائیں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی ہیں، مثلاً:

آدم علیہ السلام کی دعا:

﴿رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ۝﴾

[الأعراف: ۷/۲۳]

”اے ہمارے رب! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہم کو معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔“

نوح علیہ السلام کی دعا:

﴿رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَى ٱلۡأَرۡضِ مِنَ ٱلۡكَٰفِرِينَ دَيَّارًا۝﴾ [نوح: ۷۱/۲۶]

”اے رب! زمین پر کسی کافر کو رہنے بسنے والا نہ چھوڑ۔“

موسیٰ علیہ السلام کی دعا:

﴿ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴾ [القصص : ۲۸/۲۴]

''اے میرے رب! کوئی بھی خیر جو تو میری طرف نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں۔''

ایوب علیہ السلام کی دعا:

﴿ وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴾

[الأنبیاء : ۲۱/۸۳]

''ایوب کی اس حالت کو یاد کرو، جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا، اے میرے رب! یقیناً مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

یونس علیہ السلام کی دعا:

﴿ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ [الأنبیاء : ۲۱/۸۷]

''تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں، تو پاک ہے بے شک میں ظالموں سے ہوں۔''

قرآن مجید میں کئی دعائیں ہیں جنھیں پڑھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، مثلاً فرمایا:

﴿ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴾ [طٰه : ۲۰/۱۱۴]

''اور کہہ میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر۔''

اور فرمایا:

﴿ وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴾ [بنی اسرائیل : ۱۷/۸۰]

''اور دعا کیا کریں کہ اے میرے رب! مجھے جہاں لے جا اچھی طرح لے جا اور جہاں سے نکال اچھی طرح نکال اور میرے لیے اپنے پاس سے مدد دینے والا غلبہ مقرر فرما دے۔''

رسول اللہ ﷺ نمازوں میں، صبح و شام کے وقت اور دوسرے تمام اوقات میں جو دعائیں کرتے تھے کتب حدیث میں معروف ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی دعاؤں، اللہ تعالیٰ کی خاص طور پر پڑھنے کا حکم دے کر سکھائی ہوئی دعاؤں، رسول اللہ ﷺ کی تمام اوقات کی مناسبت سے کی ہوئی دعاؤں کے بعد بھی جو شخص یہ کہتا ہے کہ دعا کی ضرورت نہیں بس اپنا کام اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے یا جس شخص کو شبہ رہتا ہے کہ دعا کرنا افضل ہے یا دعا سے خالی تفویض و تسلیم، حقیقت یہ ہے کہ وہ پروردگار سے مناجات اس کے سامنے اپنی بندگی، اپنے عجز و فقر کے اظہار اور اپنے گناہوں کے اعتراف کی لذت سے آشنا ہی نہیں ہے۔

ذکر سے اللہ تعالیٰ کا ساتھ نصیب ہوتا ہے

١/١٤٥٠ـ ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالَى: أَنَا مَعَ عَبْدِي مَا ذَكَرَنِي وَ تَحَرَّكَتْ بِي شَفَتَاهُ))

[أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَ ذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيقًا]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب تک وہ مجھے یاد کرے اور میرے ساتھ اس کے دونوں ہونٹ حرکت کریں۔'' (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابن حبان نے صحیح کہا اور بخاری نے اسے تعلیقاً، [سند حذف کر کے] ذکر کیا ہے)

تخریج:

[ابن ماجہ، الادب : ٥٣۔ بخاری تعلیقاً، التوحید : ٤٣۔ ابن حبان]

بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مفصل روایت ان الفاظ میں ہے:

((يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ وَ أَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِيْ فَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِيْ وَ إِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِيْ مَلَإٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ وَ إِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا، تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَ إِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَ إِنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً)) [بخاری، التوحید : ١٥]

”اللہ عزوجل فرماتے ہیں: ”میں اپنے بندے کے میرے متعلق گمان کے مطابق ہوتا ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے سو اگر وہ مجھے اپنے آپ میں یاد کرے میں اسے اپنے آپ میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ کسی جماعت میں میرا ذکر کرے میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ ایک بالشت میرے قریب ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہو تو میں دونوں ہاتھ پھیلانے کے برابر اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میرے پاس چل کر آئے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔“

فوائد:

۱۔ ذکر کے درجات: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر کا کامل درجہ یہ ہے کہ آدمی دل کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی ذکر کرے کیونکہ فرمایا میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد

کرے اور میرے ساتھ اس کے ہونٹ حرکت کریں اگر صرف دل میں اللہ کو یاد کرے، تو یہ بھی ذکر ہے اور اگر کوئی بھی نیکی کا کام کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا دل میں رکھے اور مسلسل اسے اپنی یاد میں رکھے تو یہ بھی ذکر ہے، اگر دل متوجہ نہ ہو اور زبان ذکر کرے گی گناہ سے محفوظ رہے گی اور جسم انسانی کا کم از کم ایک عضو تو ذکر الٰہی میں مصروف ہوگا، اللہ تعالیٰ توفیق دے گا تو دل اور دوسرے اعضاء بھی شریک ہو جائیں گے۔

۲۔ اللہ کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کا ساتھ نصیب ہوتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کوئی بھی تین شخص آپس میں کوئی سرگوشی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ہوتا ہے پانچ ہوں تو وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اس سے کم ہوں یا زیادہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔'' (المجادلۃ: ۷) اس آیت میں مذکور معنی کے لحاظ سے عرش پر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ ہے یہ معیت عامہ ہے ایک معیت (ساتھ) خاص بھی ہے جو خاص لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، مثلاً فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴾ [النحل : ١٦/ ١٢٨]

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور جو محسن ہیں۔''

اب جس کا خاص ساتھی اللہ تعالیٰ بن جائے اسے فکر کی کیا ضرورت ہے، یہی بات رسول اللہ ﷺ نے غار ثور میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پریشانی کے وقت فرمائی تھی: ﴿ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ﴾ [التوبة : ٤٠] ''غم نہ کر یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' اور موسیٰ علیہ السلام نے سمندر سامنے آجانے پر اپنی قوم سے کہا: ﴿ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴾ ''ہرگز نہیں یقیناً میرے ساتھ میرا رب ہے وہ میری رہنمائی کرے گا۔'' ذکر کی برکت سے یہ معیت حاصل ہوتی ہے اگر ذکر الٰہی کا کوئی اور فائدہ نہ بھی ہو تو یہی فائدہ کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔

عذاب سے نجات دلانے والا سب سے بڑا عمل ذکر الٰہی ہے

۱۴۵۱/۲۔ ((وَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ عَمَلاً أَنْجَى لَهُ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ)) [أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالطَّبَرَانِيُّ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ]

''معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن آدم نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو ذکر الٰہی سے بڑھ کر اسے اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا ہو۔'' (اسے ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے)

تخریج:

[صحیح] ابن ابی شیبہ : ۱۳/۵۵۴۔طبرانی فی المعجم الصغیر : حدیث : ۲۰۹۔ مسند احمد : ۵/۱۳۹۔ وصححہ الالبانی فی صحیح الجامع : ۵٦۴۴]

مسند احمد میں اسی سند کے ساتھ یہ حدیث ہے کہ معاذ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَ أَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَ أَرْفَعِهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ وَ خَيْرٍ لَّكُمْ مِنْ تَعَاطِي الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ غَدًا فَتَضْرِبُوْا أَعْنَاقَهُمْ وَ يَضْرِبُوْا أَعْنَاقَكُمْ؟ قَالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ!)) [مسند أحمد : ۵/۲۳۹]

''کیا میں تمھیں وہ عمل نہ بتاؤں جو تمھارے تمام اعمال سے بہتر، تمھارے مالک کے نزدیک تمھارے تمام اعمال سے زیادہ پاکیزہ، تمھارے درجات میں سب سے زیادہ بلند، تمھارے لیے سونا چاندی خرچ کرنے سے بہتر اور اس سے بھی بہتر ہے کہ کل تم اپنے دشمن سے ملو وہ تمھاری گردنیں ماریں اور تم ان کی گردنیں مارو۔'' انھوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! (ضرور بتائیے) فرمایا ''اللہ کا ذکر۔''

فوائد:

اللہ کے ذکر سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی عمل نہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے عذاب سے نجات دلانے والا سب سے بڑا عمل ذکر الٰہی ہے، کیونکہ جب تک آدمی مسلمان نہ ہو عذاب الٰہی سے بچ ہی نہیں سکتا اور کلمۂ اسلام کا بڑا حصہ ذکر الٰہی پر مشتمل ہے، یہی کلمہ قیامت کے دن نجات کا باعث ہوگا، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید اور دوسرے اذکار دنیا اور آخرت کی مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات دلانے میں دوسری تمام چیزوں سے زیادہ اثر رکھتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر مشکل موقع پر اپنے ذکر کی تلقین فرمائی، دشمن سے مقابلہ کے وقت جو کہ قتل کرنے اور قتل ہونے کا وقت ہے، فرمایا:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

[الأنفال : ٤٥/٨]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم کسی جماعت سے ملو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو یاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں غم سے نجات دی اور وعدہ فرمایا کہ ''ہم مومنوں کو بھی اسی طرح نجات دیتے ہیں۔'' [الانبیاء : ۸۸]

ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں گرائے جانے کے وقت اور اصحاب رسول ﷺ نے جنگ احد کے بعد دشمنوں کے اجتماع کی خبریں سن کر ((حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ)) پڑھا تو اللہ کے فضل سے ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رہے۔ [بخاری، التفسیر : ۱۲]

کیا ذکر جہاد سے بھی افضل ہے؟:

زیر بحث حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اللہ کے عذاب سے نجات دینے میں سب سے بڑھ کر اور تمام اعمال سے بہتر قرار دیا گیا ہے، حتیٰ کہ اسے سونا چاندی خرچ کرنے اور دشمنوں کی گردنیں مارنے اور ان کے ہاتھوں قتل ہونے سے بھی بہتر قرار دیا گیا ہے، اس سے بعض حضرات یہ بات نکال لیتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر اتنی فضیلت رکھتا ہے تو جہاد میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم یہیں رہ کر اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور ہمارا یہ عمل جہاد سے بھی افضل ہے۔

لیکن یہ سوچ درست نہیں کیونکہ اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ جب ذکر ہر چیز سے افضل ہے تو زکوۃ دینے کی کیا ضرورت ہے؟ نماز کی کیا ضرورت ہے؟ اسی طرح دوسرے اعمال کی کیا ضرورت ہے؟ بس گھر بیٹھ کر ذکر کرتے رہو اور سب سے اونچے درجے پر فائز ہو جاؤ۔

اگر یہ بات درست ہو تو اللہ تعالیٰ نے جہاد پر نہ جانے والوں کو عذاب الیم کی بشارت کیوں دی؟ ان کا جنازہ پڑھنے اور ان کی قبر پر کھڑے ہونے سے کیوں منع فرمایا؟

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث میں وقت پر نماز اور والدین سے نیکی کے بعد جہاد کو سب اعمال سے افضل کیوں قرار دیا، حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات سے پہلی غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے زبان سے ہونے والے ذکر کو ہی ذکر سمجھا حالانکہ ذکر کا معنی یاد کرنا ہے، زبان سے بھی ذکر ہوتا ہے، دل میں یاد کرنا بھی ذکر ہے اور اللہ کو یاد کرتے ہوئے اس کو خوش کرنے کے لیے کوئی عمل کرنا بھی ذکر

ہے، بلکہ ذکر کا مکمل ترین درجہ ہے۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے ذکر اور جہاد کو ایک دوسرے کے مقابلہ پر رکھ لیا ہے حالانکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد نہیں کہ ایک وقت میں جمع نہ ہو سکتے ہوں، اصل بات یہ ہے کہ کوئی بھی عبادت ہو اس کی حقیقی روح اللہ کا ذکر ہے، اللہ کو یاد کرنے اور اللہ کا نام بلند کرنے کے لیے ہی تمام عبادات کی جاتی ہیں، چنانچہ نماز کے متعلق فرمایا:

﴿ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴾ [طٰہٰ : ۲۰/ ۱٤]

''نماز کو میری یاد کے لیے قائم کرو۔''

اس لیے اللہ کا ذکر نماز سے بھی بڑا ہے کیونکہ نماز کا اصل مقصد وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ [العنکبوت : ۲۹/ ٤٥]

''پڑھ جو کتاب میں سے تیری طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم کر یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور بلاشبہ اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔''

جہاد کا اصل مقصد بھی اللہ کا کلمہ دنیا میں غالب کرنا ہے:

((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))

[بخاری، الجہاد : ۱۵]

''جو شخص اس لیے لڑے کہ اللہ کی بات ہی سب سے اونچی ہو جائے وہ فی سبیل اللہ ہے۔''

صدقات و صیام بھی اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی معتبر ہیں، اس میں کیا شک ہے کہ کوئی بھی عبادت لا الہ الا اللہ پڑھ کر مسلمان ہونے اور اللہ کی رضا کی نیت دل میں رکھے بغیر قبول نہیں ہوتی اور یہ دونوں چیزیں اللہ کے ذکر میں داخل ہیں۔

جب اللہ کا ذکر ہی ہر عبادت کا اصل ٹھہرا تو اس کے ہر عبادت سے افضل ہونے میں کیا شک ہے، اگر مقابلہ صرف ذکر جس کے ساتھ کوئی مزید عمل نہ ہو، کے درمیان اور عمل مثلاً سونا چاندی خرچ کرنے اور دشمنوں کی گردنیں مارنے (جس کے ساتھ ذکر نہ ہو) کے درمیان ہو تو بلا شبہ ذکر افضل ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عمل مثلاً جہاد یا نماز اللہ کو یاد کرتے ہوئے، اس کی رضا کی نیت سے کیا جائے تو اس میں اللہ کا ذکر اور وہ عمل دونوں جمع ہو گئے، اب اگر اکٹھے ادا ہونے والے ان دونوں کاموں کے درمیان مقابلہ کیا جائے تو بلا شبہ نماز اور جہاد کے دوران اللہ کو یاد کرنا اور اس کو راضی کرنے کی نیت رکھنا اس نماز اور جہاد کے دوران دوسرے اعمال سے افضل ہے کیونکہ اللہ کی یاد اور اس کی رضا کا حصول ہر عمل کا اصل مقصد ہے، باقی چیزیں اس کے حصول کا ذریعہ ہیں اور مقصد بہر حال افضل ہوتا ہے۔

لیکن اگر مقابلہ کیا جائے اس ذکر کے درمیان جو گھر بیٹھ کر ادا ہو رہا ہے اور اس ذکر کے درمیان جو میدان جہاد میں ہو رہا ہے تو یقیناً میدان جہاد میں ہونے والا ذکر افضل ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد میں ثابت قدمی کے ساتھ ذکر الٰہی پر زور دیا چنانچہ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾

[الأنفال : ۸/ ۴۵]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمھارا کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

جب اللہ کی یاد دل میں لے کر، اس کو راضی کرنے کی نیت سے اس کا نام بلند کرنے کے لیے جہاد کیا جاتا ہے تو یہ خالی ذکر اور نفلی نمازوں اور روزوں میں کیے ہوئے ذکر سے فضیلت میں کئی درجے بڑھ جاتا ہے، بلکہ گھر بیٹھ کر ذکر کرنے والے اللہ کی راہ میں نکل کر، اس کا نام لے کر جہاد کرنے والوں کے برابر ہو ہی نہیں سکتے، اس بات کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ﴾ [النساء : ٤/ ٩٥]

''اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں۔''

اور صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا مجھے ایسا عمل بتایئے جو جہاد کے برابر ہو۔'' آپ نے فرمایا: ''مجھے ایسا کوئی عمل نہیں مل رہا۔'' فرمایا ''کیا تم اتنی طاقت رکھتے ہو کہ جب مجاہد گھر سے نکلے تو تم اپنی مسجد میں داخل ہو کر قیام شروع کر دو اور اس میں وقفہ نہ آنے دو اور روزہ رکھو اور بے روزہ نہ رہو۔'' اس نے کہا: ''اتنی طاقت کون رکھتا ہے؟'' [بخاري، الجهاد : ٢]

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَوْقِفُ سَاعَةٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ قِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ عِنْدَ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ)) [صحيح ابن حبان، شعب الإيمان للبيهقي، صحيح الجامع الصغير : ٦٢٣٦]

''اللہ کی راہ میں ایک گھڑی ٹھہرنا حجر اسود کے پاس لیلۃ القدر کے قیام سے افضل ہے۔''

مجالس ذکر کی فضیلت

١٤٥٢/٣ـ ((وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ فِيهِ، إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی قوم کسی ایسی مجلس میں نہیں بیٹھتی جس میں وہ اللہ کا ذکر کرتے ہوں مگر انھیں فرشتے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان لوگوں میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہوتے ہیں۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم، الذكر والدعاء : ۳۸]

فوائد:

۱۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں اس حدیث کی تفصیل آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں اہل ذکر کو تلاش کرتے ہوئے گھومتے پھرتے رہتے ہیں جب انھیں ایسے لوگ مل جائیں جو اللہ کا ذکر کر رہے ہوں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں آؤ! ''اپنی مراد کی طرف۔''

آپ نے فرمایا: ''سو وہ انھیں اپنے پروں کے ساتھ آسمان دنیا تک گھیر لیتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''تو ان سے ان کا رب سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہوتا ہے: ''میرے بندے کیا کہتے ہیں؟'' فرشتے کہتے ہیں: ''تیری پاکیزگی، تیری بڑائی، تیری تعریف اور تیری بزرگی بیان کر رہے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا

انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟'' فرمایا: ''وہ کہتے ہیں، نہیں! اللہ کی قسم! انھوں نے تجھے نہیں دیکھا۔'' فرمایا: ''وہ کہتا ہے اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو کیا حال ہو؟'' فرمایا: ''وہ کہتے ہیں، اگر وہ تجھے دیکھ لیں تو تیری اس سے زیادہ عبادت اور اس سے بڑھ کر تیری بزرگی اور اس سے زیادہ تیری پاکیزگی بیان کریں۔'' فرمایا: ''پروردگار فرماتا ہے: ''تو وہ مجھ سے مانگتے کیا ہیں؟'' کہا: ''وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں۔'' فرمایا: ''کیا انھوں نے وہ دیکھی ہے؟'' کہتے ہیں: ''نہیں اللہ کی قسم! پروردگار! انھوں نے اسے نہیں دیکھا۔'' فرمایا: ''اگر وہ اسے دیکھ لیں تو کیا حال ہو؟'' کہتے ہیں: ''اگر وہ اسے دیکھ لیں تو اس سے زیادہ اس کی حرص اور اس سے بڑھ کر اس کی طلب اور اس سے زیادہ اس میں رغبت کریں۔'' فرمایا: ''تو وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟'' فرشتے کہتے ہیں: ''آگ سے۔'' فرمایا: ''تو کیا انھوں نے اسے دیکھا ہے؟'' وہ کہتے ہیں: ''نہیں اللہ کی قسم پروردگار! انھوں نے اسے نہیں دیکھا۔'' فرمایا: ''اگر وہ اسے دیکھ لیں تو کیا حال ہو؟'' وہ کہتے ہیں: ''اگر وہ اسے دیکھ لیں تو اس سے اور زیادہ بھاگیں اور اس سے اور زیادہ ڈریں۔'' فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انھیں بخش دیا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے: ''ان میں فلاں آدمی ان سے نہیں تھا وہ تو صرف کسی کام کے لیے آیا تھا۔'' فرمایا: ''وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایسے بیٹھنے والے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بے نصیب نہیں رہتا۔'' [صحیح بخاری کتاب الدعوات : ٦٦]

اس حدیث سے ذکر کی کیفیت، فرشتوں کا اہل ذکر کو گھیرنا اور اللہ تعالیٰ کا انھیں یاد کرنا تفصیل سے معلوم ہو گیا۔

۲۔ کیا اس سے مراد مروجہ مجالس ذکر ہیں؟:

یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ ان مجالس سے مراد اسی قسم کی مجلس ہی ہو سکتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہوتی تھیں کیونکہ جو کام آپ ﷺ کے طریقے پر نہ ہو وہ مردود ہے۔ آج کل بعض لوگوں نے مجالس ذکر کے نام پر دین میں کئی نئی چیزیں داخل کر دی ہیں، مثلاً تسبیح وتحمید وتمجید وغیرہ جیسے بامعنی مکمل جملوں کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے کی بجائے صرف لفظ ''اللہ'' کا تکرار کرنا، اسے سانس بند کر کے پڑھنا، سب کا مل کر اسے کورس کی شکل میں پڑھنا، عجیب وغریب قسم کی آوازیں نکالنا، یہ سب کچھ دین میں اضافہ ہے اور اللہ کی قربت کی بجائے اس کی دوری کا باعث ہے۔

اسی طرح کسی ایک صاحب کا حلقہ کو تلقین کرنا کہ اب سبحان اللہ اتنی دفعہ پڑھو اور فلاں کلمہ اتنی دفعہ پڑھو اور ان کا گٹھلیوں یا چنوں یا تسبیح پر اس تعداد کے مطابق پڑھنا بھی دین میں نئی ایجاد ہے۔

سنن دارمی میں ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ صبح کی نماز سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر آئے جب وہ گھر سے نکلے تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''میں نے ابھی مسجد میں ایک کام دیکھا ہے جو مجھے انوکھا معلوم ہوا اور میں نے الحمد للہ اچھا کام ہی دیکھا ہے۔'' انھوں نے فرمایا: ''وہ کیا کام ہے؟'' کہا: ''زندہ رہے تو دیکھ لو گے، میں نے مسجد میں کچھ لوگ حلقوں میں بیٹھے ہوئے دیکھے ہیں جو نماز کا انتظار کر رہے ہیں، ہر حلقے میں ایک آدمی (سربراہ) ہے اور ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں اور ان سے کہتا ہے سو دفعہ لا الہ الا اللہ کہو تو وہ سو دفعہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اور کہتا ہے سو دفعہ سبحان اللہ کہو تو وہ سو دفعہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تو تم نے ان سے کیا کہا؟'' انھوں نے کہا: ''میں نے آپ کی رائے یا آپ کے حکم کے انتظار کی وجہ سے انھیں کچھ نہیں کہا۔ فرمایا تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ وہ اپنی برائیاں شمار کریں اور ان کے لیے اس بات کے ضامن

کیوں نہ ہے کہ ان کی کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔" پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چلے اور ان کے ساتھ ہم بھی چلے یہاں تک کہ ان حلقوں میں سے ایک حلقے کے پاس جا کر ٹھہر گئے۔ فرمایا: "یہ کیا ہے جو میں تمھیں کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔" انھوں نے کہا: "اے ابوعبدالرحمن! یہ کنکریاں ہیں جن کے ساتھ ہم تکبیر، تہلیل (یعنی لا الہ الا اللہ) اور تسبیح شمار کر رہے ہیں۔" فرمایا: "تو تم اپنی برائیاں شمار کرو، میں ضامن ہوں کہ تمھاری نیکیوں میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی، تم پر افسوس اے امت محمدیہ (ﷺ)! تمھاری ہلاکت کتنی جلدی ہوگئی، یہ تمھارے نبی کے اصحاب بہت تعداد میں موجود ہیں، یہ آپ ﷺ کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ کے برتن ٹوٹے نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم یا تو ایسی ملت پر ہو جو ملت محمدیہ ﷺ سے زیادہ ہدایت والی ہے یا گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو۔" انھوں نے کہا: "اے ابوعبدالرحمن! اللہ کی قسم! ہم نے تو صرف خیر کا ہی ارادہ کیا ہے۔" فرمایا: "کتنے ہی خیر کا ارادہ کرنے والے ہیں جو اسے ہرگز حاصل نہ کر سکیں گے۔" رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بیان فرمایا: "ایک قوم قرآن پڑھے گی وہ ان کی ہنسلیوں سے نہیں گزرے گا، اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا شاید ان میں سے اکثر لوگ تمھیں میں سے ہوں۔" عمرو بن سلمہ نے کہا: "ہم نے ان حلقوں والے اکثر لوگوں کو دیکھا کہ جنگ نہروان میں خوارج کے ساتھ مل کر ہم پر نیزوں سے حملہ آور ہوئے۔" [سنن دارمی، باب في كراهية اخذ الرأي، حديث: ۲۰۴]

اس سے معلوم ہوا کہ مروجہ حلقہ ہائے ذکر جن میں کسی ایک صاحب کی ہدایت پر کنکریوں یا تسبیحوں پر خاص تعداد میں ذکر کروایا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا جوتا، لوٹا اور گدا اٹھانے والے خادم خاص عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور گمراہی قرار دیا کیونکہ یہ بظاہر نیکی ہونے کے باوجود دین میں اضافہ ہے جو سراسر گمراہی ہے۔

ذکر اور صلاۃ سے خالی مجلس باعث حسرت ہوگی

۱۴۵۳/۴۔ ((وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ وَ لَمْ يُصَلُّوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ حَسَنٌ]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی قوم ایسی مجلس میں نہیں بیٹھی جس میں انھوں نے نہ اللہ کا ذکر کیا نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ بھیجی مگر وہ مجلس قیامت کے دن ان کے لیے حسرت کا باعث ہوگی۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حسن ہے)

تخریج:

[صحیح] ترمذی: ۳۳۸۰۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے اور البانی نے صحیح الترغیب و الترھیب میں اسے صحیح کہا ہے: (۳۱/۱) دیکھیے تحفۃ الاشراف: ۳۲۵/۱۰۔ مزید دیکھیے سلسلہ صحیحہ: ۷۶]

فوائد:

۱۔ اللہ کے ذکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ سے خالی مجلس باعث حسرت ہوگی، اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴾ [الأحزاب: ۴۱/۳۳]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا ذکر کرو بہت زیادہ ذکر کرنا۔''

اور فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ [الأحزاب : ٥٦/٣٣]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اس (نبی) پر صلاۃ بھیجو اور سلام بھیجو سلام بھیجنا۔''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا اور رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام بھیجنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے صبح و شام کے مختلف اوقات میں جو ذکر مروی ہیں انھیں یاد کر کے ان اوقات میں پڑھنا چاہیے یاد نہ ہو سکیں تو کوئی نہ کوئی ذکر کرتے رہنا چاہیے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ بھی بعض مقامات پر ضروری ہو جاتی ہے، مثلاً نماز کے تشہد میں اور آپ ﷺ کے ذکر کے وقت صلاۃ پڑھنا لازم ہے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے رہنمائی فرمائی کہ مسلمان کو ہر مجلس میں کم از کم ایک دفعہ اللہ کا ذکر اور رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ پڑھنی چاہیے کیونکہ اگر اس میں کوتاہی کرے گا تو قیامت کے دن اسے حسرت و افسوس کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس عمل کا فائدہ یہ بھی ہے کہ جب آدمی اس بات کا خیال رکھے گا کہ میری کوئی مجلس اللہ کے ذکر اور رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ سے خالی نہ ہو تو اسے اللہ کے ذکر کی اور رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ کی عادت ہو جائے گی اور جب کسی کام کی عادت ہو جائے تو وہ انسان کی طبیعت بن جاتا ہے اور اس کے لیے مشکل نہیں رہتا بلکہ خود بخود آسانی سے ادا ہوتا رہتا ہے۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ... الخ کہنے کی فضیلت

١٤٥٤/٥۔ ((وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ

إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ أَرْبَعَةَ أَنْفُسٍ مِّنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيْلَ ›› [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

"ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص یہ کلمہ دس مرتبہ کہے لا الہ الا اللہ وحدہ الخ (اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) وہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار شخص آزاد کیے۔" (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری: ۶۴۰۳، ۶۴۰۴۔ مسلم، الذکر و الدعاء: ۳۰، وغیرهما۔ دیکھیے تحفۃ الاشراف: ۳/ ۹۳]

فوائد:

یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی محبوب ہے کیونکہ اس میں لا الہ الا اللہ کلمہ توحید بھی ہے جو سب سے بہتر ذکر ہے اور اللہ کی حمد بھی ہے جو سب سے بہتر دعا ہے، چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

‹‹ أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ››

[ترمذی، الدعوات، باب: ۹]

"افضل ذکر لا الہ الا اللہ اور افضل دعا الحمد للہ ہے۔"

علاوہ ازیں اس کلمہ میں ملک صرف اللہ کا ہونے اور اللہ تعالیٰ کے ہر چیز پر قادر ہونے کا تذکرہ

بھی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَ خَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ))

''سب سے بہتر دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے اور سب سے بہتر کلمہ جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہا ہے۔'' '' لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ '' الخ

رسول اللہ ﷺ نے اس کلمہ کی بہت زیادہ فضیلت بیان فرمائی اگر ہو سکے تو روزانہ سو دفعہ پڑھے اگر فرصت کم ہو تو دس دفعہ پڑھ لے ورنہ ایک دفعہ ہی پڑھ لے۔

سو دفعہ پڑھنے کی فضیلت:

۱۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهُ عِدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَ كُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَ مُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَ كَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِّنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذٰلِكَ حَتّٰى يُمْسِيَ وَ لَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ إِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْهُ))

[بخاری، الدعوات : ٦٤]

''جو شخص لا الہ الا اللہ وحدہ (الخ) سو مرتبہ کہے تو یہ اس کے لیے دس گردنوں (کے آزاد

کرنے) کے برابر ہوگا اور اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس سے سو برائیاں مٹائی جائیں گی اور یہ کلمہ اس کے لیے اس دن شام تک شیطان سے بچانے کا ذریعہ رہے گا اور جو عمل لے کر یہ شخص آئے گا اس سے بہتر لے کر کوئی شخص نہیں آئے گا سوائے اس آدمی کے جس نے اس سے زیادہ عمل کیا ہو۔"

۲۔ دس دفعہ پڑھنے کی فضیلت:

بلوغ المرام کی زیر تشریح حدیث میں اوپر بیان ہوئی ہے جو کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۳۔ ایک دفعہ پڑھنے کی فضیلت:

ابو عیاش زرقی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص صبح کے وقت کہے: ((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)) تو یہ اس کے لیے اولاد اسماعیل میں سے ایک گردن کے برابر ہوگا اور اس سے دس گناہ معاف کیے جائیں گے اور اس کے دس درجے بلند کیے جائیں گے اور وہ شام تک شیطان سے حفاظت میں رہے گا اور جب شام کے وقت پڑھے تو صبح تک اسی طرح رہے گا۔

ابن ماجه، كتاب الدعاء: السنن الكبرى للنسائى: ۹۸۵۵۔ البانی نے اسے صحیح کہا دیکھیے صحیح سنن ابن ماجه: ۳۱۱۸]

۴۔ گردن آزاد کرنے کی فضیلت کیا ہے؟:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ایک مسلم گردن (لونڈی یا غلام) آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے اس کا ایک عضو آگ سے آزاد کرے گا حتیٰ کہ اس

کی شرم گاہ اس کی شرم گاہ کے بدلے آزاد کر دے گا۔" [متفق علیہ۔ مشکوۃ، کتاب العتق]

۵۔ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کیوں؟:

ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "کون سا عمل افضل ہے؟" فرمایا: "اللہ پر ایمان اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔" میں نے پوچھا: "گردنوں (غلاموں) میں سے کون (آزاد کرنا) افضل ہے؟" فرمایا: "جو قیمت میں زیادہ اور اپنے مالکوں کے نزدیک زیادہ نفیس ہو۔" [متفق علیہ، مشکوۃ، کتاب العتق]

یہ بات ظاہر ہے کہ خاندانی شرف کے لحاظ سے اولاد اسماعیل علیہ السلام دوسروں سے برتر ہے، رسول اللہ بھی انھی میں سے ہیں، اس لیے ان کا آزاد کرنا بھی زیادہ ثواب ہے۔

۶۔ اتنے سے عمل پر اتنا زیادہ ثواب کیوں ہے؟:

منکرین حدیث اس قسم کی احادیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھیے اتنے تھوڑے سے عمل پر سب گناہ معاف ہو گئے۔ چوری کرو، زنا کرو، قتل کرو، ایک دفعہ یہ کلمہ پڑھ لو تو گردن آگ سے آزاد ہو گئی، یہ تو لوگوں کو بے عمل بنانے کی ترغیب ہے، مگر منکرین حدیث کا یہ اعتراض بے کار ہے کیونکہ تھوڑے سے عمل پر بہت بڑا ثواب تو قرآن مجید میں بھی موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَن يَعْمَلْ سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُۥ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ يَجِدِ ٱللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴾

[النساء : ٤ / ١١٠]

"جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے استغفار کر لے، وہ اللہ کو غفور و رحیم پائے گا۔"

کہنے والا اس پر بھی کہہ سکتا ہے کہ بے شک چوری کرو، زنا کرو، قتل کرو، بس استغفر اللہ کہہ دو تو

سب کچھ معاف ہو جائے گا۔ کیا یہ بے عمل بنانے کی ترغیب نہیں، پھر حدیث ہی پر اعتراض کیوں؟ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص حدیث کا منکر ہے وہ قرآن کا بھی منکر ہے، صرف مسلمانوں میں شمار ہونے کے لیے قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص بھی برا عمل کرنے کے بعد استغفار کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صرف منہ سے استغفر اللہ کہہ رہا ہے، نہیں! بلکہ وہ دل سے توبہ کر رہا ہے، اپنے گناہوں پر نادم ہے، پچھلے گناہوں کی معافی مانگ رہا ہے، چوری، زنا اور قتل والی زندگی کو چھوڑ رہا ہے، لفظ استغفر اللہ ان سب کاموں کا خلاصہ ہے جو زبان سے ادا ہو رہا ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ چوری، زنا قتل اور سب گناہ جاری رہیں، نہ ندامت ہو نہ رجوع اور صرف استغفر اللہ کہنے سے سب کچھ معاف ہو جائے، ایسا استغفر اللہ تو ممکن ہے خود باعث گرفت ہو جائے۔

یہ ایسے ہی ہے کہ جس طرح نکاح کے وقت منہ سے صرف یہی کہا جاتا ہے "میں نے قبول کیا" مگر اس کی تفصیل وہ تمام ذمہ داریاں ہیں جو یہ کہنے کے بعد خود بخود عائد ہو جاتی ہیں، مثلاً بیوی کا نان ونفقہ، رہائش، علاج اور دوسری انسانی ضروریات، اگر کوئی شخص کہے کہ میں صرف "قبول کیا" کے لفظ سے ہی صاحب اولاد بن جاؤں گا تو یہ اس کی حماقت ہے۔

اب اس مبارک کلمہ پر غور فرمائیں جس کی فضیلت پر بحث حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ اس کلمہ میں سب سے پہلے اس بات کی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس شہادت کے بعد اگر کوئی شخص اللہ کو واحد معبود مان کر پھر غیر کی پرستش کرتا ہے یا اپنی خواہش نفس کو معبود بنا لیتا ہے، اللہ کی مرضی پر اپنی یا کسی غیر کی مرضی کو ہر بات میں مقدم رکھتا ہے تو یہ سمجھ لیجیے اس نے یہ کلمہ پڑھا ہی نہیں، یہ کلمہ تو معبود کی مرضی کو ہر چیز پر مقدم رکھنے کا اقرار ہے۔

مرثد رضی اللہ عنہ ایک مہم پر رات مکہ میں گئے تو ان کی پرانی آشنا "عناق" نے انھیں اپنے ہاں رات

گزارنے کی دعوت دی، فرمانے لگے: "عناق! میرے اور تمھارے درمیان اسلام رکاوٹ بن گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے زنا حرام کردیا ہے۔" [صحیح الترمذی، التفسیر : ۲۵]

دوسری شہادت اس کلمہ میں اس بات کی دی گئی ہے کہ بادشاہی اور حکومت صرف اللہ کی ہے کسی اور کی نہیں، صاف ظاہر ہے کہ یہ شہادت دینے والا کسی اور کو یہ حق دے ہی نہیں سکتا کہ وہ اللہ کے مقابلے میں قانون بنائے اور جو چاہے حکم چلائے۔ وہ یہ بھی نہیں مان سکتا کہ حکومت اللہ کا نہیں بلکہ عوام کا حق ہے یا بادشاہ سلامت کا فرمان ہی قانون ہے۔

تیسری شہادت یہ ہے کہ حمد صرف اللہ کی ہے کیونکہ کسی اور میں حمد کے قابل کوئی خوبی ہے ہی نہیں، اگر کوئی خوبی ہے تو اس کے اپنے اختیار سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے وہ خوبی عطا فرمائی ہے اور جب چاہے وہ اس سے سلب کر سکتا ہے، اب جو شخص اکیلے اللہ کی تعریف کے وقت دل تنگ ہو جائے اور غیروں کی تعریف کے وقت اس کے دل کی کلی کھل اٹھے وہ کروڑ دفعہ بھی یہ کلمہ پڑھے تو اسے کوئی فائدہ نہیں۔

چوتھی شہادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، کوئی کام ایسا نہیں جو وہ نہ کر سکے۔ اس حقیقت پر دل سے یقین رکھنے والا شخص مشکل سے مشکل حالات میں بھی ناامید نہیں ہوتا۔ شیطان اسے اللہ کی رحمت سے ناامید کر کے دل شکستہ کر سکتا ہے نہ کسی اور کے در پر جھکا سکتا ہے۔

اس مختصر سی تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اس کلمہ کے پڑھنے سے گردنیں آزاد کرنے کا ثواب کیوں ہوتا ہے، گناہ معاف اور درجے بلند کیوں ہوتے ہیں اور آدمی شیطان سے کیوں محفوظ ہوتا ہے؟ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص کو اس سے غرض ہی نہیں کہ میں اپنے منہ سے کیا کہہ رہا ہوں اور اس کا عمل سراسر اس کے خلاف ہے تو اسے یہ فضیلت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

۷۔ایک ہی عمل پر ثواب مختلف کیوں؟:

بعض اوقات یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ احادیث میں ایک ہی عمل پر مختلف ثواب کیوں آئے ہیں؟ کسی حدیث میں کم ثواب بیان کیا گیا ہے کسی میں زیادہ جیسا کہ ایک حدیث میں دس دفعہ یہ کلمہ پڑھنے پر چار غلام آزاد کرنے کا ثواب مذکور ہے، دوسری میں دس غلام آزاد کرنے کا ذکر بھی آتا ہے تو اس کی وجہ ان کلمات کو پڑھنے والے لوگوں کی دلی کیفیت اور عملی حالت کا مختلف ہونا ہے۔

دل کا یقین اور عمل کی عمدگی جس قدر زیادہ ہوگی ثواب اتنا ہی زیادہ ہوتا جائے گا، ایک ہی کلمہ پڑھنے والے لوگ جن کا عمل متفاوت ہو ایک جیسے ثواب کے حقدار کبھی نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴾ [الجاثية : ٤٥/ ٢١]

''کیا وہ لوگ جنھوں نے برائیاں کمائی ہیں یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انھیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے، ان کی زندگی اور موت برابر ہوگی، برا ہے فیصلہ جو وہ کرتے ہیں۔''

سبحان اللہ وبحمدہ کی فضیلت

١٤٥٥/٦۔ ((وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهِ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ ، وَ إِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ

الْبَحْرِ» [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ (یعنی میں اللہ کا پاک ہونا بیان کرتا ہوں اور اس کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا ہوں) کہے اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں گی خواہ وہ سمندر کی جھاگ کی طرح ہوں۔'' (متفق علیہ)

فوائد:

1۔ سبحان اللہ وبحمدہ کا مفہوم یہ ہے کہ اس بابرکت کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمال جمع ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آدھی صفات کا خلاصہ سبحان اللہ میں آ گیا ہے، سبحان اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر اس عیب اور کمی سے پاک ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں، نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ وہ پیدا ہوا، نہ اس کی اولاد یا بیوی ہے، نہ کھانے کا محتاج ہے، نہ پینے کا، نہ بیمار ہوتا ہے، نہ اسے نیند آتی ہے، نہ اونگھ نہ اس پر موت آئے گی، نہ ظالم ہے، نہ بخیل ہے، نہ اسے کسی کا خوف ہے، نہ لالچ، نہ کسی کا محتاج ہے، نہ کسی کے ہاتھوں مجبور، غرض کوئی بھی عیب یا کمی ہو، اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے، اللہ کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کی تسبیح کی جا سکے کہ وہ ہر کمی سے پاک ہے حتیٰ کہ سید ولد آدم رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی سبحان اللہ کی طرح سبحان الرسول نہیں کہا جا سکتا کیونکہ مخلوق اور انسان ہونے کی وجہ سے آپ کو بھی بے شمار ضرورتیں لاحق تھیں آپ اللہ کے محتاج تھے اور اس کے سامنے بے بس۔

اور باقی آدھی صفات کا خلاصہ الحمد للہ میں ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خوبی جو کمال کا باعث ہے اس میں پائی جاتی ہے، وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا، سب کو قائم رکھنے والا، تمام زمینوں اور

آسمانوں کا مالک، ہر چیز سے باخبر، ہر چیز پر قادر، رحمان و رحیم اور قیامت کے دن کا مالک ہے، غرض تمام خوبیاں جو باعث تعریف ہیں اسی میں پائی جاتی ہیں، وبحمدہ اور الحمدللہ ایک ہی بات ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ کلمہ سو مرتبہ پڑھنے والے کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، مزید فوائد کے لیے دیکھیے اس کتاب کی آخری حدیث۔

سبحان اللہ وبحمدہ پڑھنے کا ایک بہترین طریقہ

۱۴۵٦/۷۔ «وَ عَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ : سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، وَ رِضَا نَفْسِهِ، وَ زِنَةَ عَرْشِهِ، وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ» [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

"جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا یقیناً میں نے تمھارے بعد چار کلمات کہے ہیں کہ اگر ان کا وزن اس کے ساتھ کیا جائے جو تم نے آج صبح سے لے کر کہا ہے تو یہ کلمات اس سے بھاری ہو جائیں، سبحان اللہ وبحمدہ (اللہ پاک ہے اور اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا ہوں) اس کی مخلوق کی گنتی کے برابر اور اس کے نفس کی رضا کے برابر اور اس کے عرش کے وزن کے برابر اور اس کے کلمات کی سیاہی کے برابر۔" (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم، الدعاء : ۱۹ وغیرہ] مسلم میں لفظ یہ ہیں کہ میں نے تمھارے بعد تین مرتبہ چار کلمات کہے، الخ۔

مفردات:

عَدَدَ خَلْقِهِ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ((أُسَبِّحُ اللّٰهَ سُبْحَانًا عَدَدَ خَلْقِهِ)) دوسرے کلمات بھی اسی طرح ہیں۔

فوائد:

۱۔ جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح ان کے پاس سے نکلے جب آپ نے صبح کی نماز پڑھی اور وہ اپنی مسجد میں بیٹھی تھیں دوپہر ہونے پر آپ واپس آئے تو وہ وہیں بیٹھی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں تمھیں جس حال میں چھوڑ کر گیا تھا کیا تم اسی حال پر رہی ہو؟'' انھوں نے عرض کیا: ''جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے تمھارے بعد چار کلمات تین مرتبہ کہے ہیں کہ اگر ان کا وزن اس کے ساتھ کیا جائے جو تم نے آج سے لے کر کہا ہے تو یہ وزن میں اس سے بھاری ہو جائیں گے۔'' [سبحان الله و بحمده و عدد خلقه الخ : مسلم، الذکر و الدعاء : ۱۹]

۲۔ حدیث کا مطلب:

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی تسبیح اور اس کی حمد اتنی دفعہ بیان کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا جتنی اس کی مخلوق کی تعداد ہے، اس کی تسبیح و تحمید اتنی دفعہ بیان کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا جس سے وہ راضی ہو جائے، اتنی مقدار میں تسبیح و تحمید کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا جس کو لکھنے کے لیے اتنی سیاہی

درکار ہو جس سے اس کے کلمات لکھے جا سکیں۔ (جس کے لیے ساتوں سمندر دو دفعہ سیاہی بن جائیں تو لکھے نہ جا سکیں)

قرطبی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے ان کلمات کو اتنی کثرت سے ذکر کرنے سے جس کا شمار ہی نہیں ہو سکتا معلوم ہوتا ہے کہ ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کو یہ عزم و ہمت رکھنی چاہیے کہ اگر مجھے طاقت و قدرت حاصل ہو جائے کہ میں اللہ کی تسبیح و تحمید اتنی تعداد میں کروں جو حد و عدد اور شمار و قطار سے باہر ہو تو میں کرتا ہی رہوں گا اس کے نتیجے میں اس کو ثواب بھی شمار سے بڑھ کر ملے گا۔ (توضیح)

۳۔ گٹھلیوں یا تسبیح وغیرہ کی بجائے ہاتھ کی انگلیوں پر گننا چاہیے:

بعض روایات میں ذکر آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بعض صحابیات نے گٹھلیوں یا کنکریوں پر شمار کر کے ذکر کیا تو آپ نے انھیں اس سے بہتر کی تلقین فرمائی مگر گٹھلیوں یا کنکریوں پر شمار کرنے سے منع نہیں فرمایا اس سے بعض لوگ مروجہ تسبیح یا گٹھلیوں وغیرہ پر اذکار پڑھنے کا جواز پیش کرتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے گٹھلیوں یا کنکریوں وغیرہ پر پڑھنے کی کوئی روایت ثابت نہیں نہ خود آپ نے کبھی گٹھلیوں یا کنکریوں پر شمار کر کے پڑھا، نہ ہی یہ آپ کا طریقہ تھا بلکہ ہاتھ پر گن کر تسبیح کیا کرتے تھے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُ التَّسْبِيْحَ بِيَمِيْنِهِ))

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ تسبیح کی گرہ باندھتے تھے۔'' (ابوداود (۱/۲۳۵) ترمذی (۴/۲۵۵) ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، حاکم (۱/۵۴۷)

بیہقی (۲/۲۵۳) شیخ البانی فرماتے ہیں، اس سند کی صحیح ہے جیسا کہ ذہبی نے فرمایا ہے۔
[سلسله ضعيفه تحت حديث : ۸۳]

علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے بعض عورتوں کو انگلیوں پر تسبیح کا حکم دیا، چنانچہ فرمایا:

((عَلَيْكُنَّ بِالتَّسْبِيحِ وَ التَّهْلِيلِ وَ التَّقْدِيسِ وَلَا تَغْفُلْنَ فَتَنْسَيْنَ الرَّحْمَةَ وَاعْقِدْنَ بِالْأَنَامِلِ فَإِنَّهُنَّ مَسْئُولَاتٌ وَ مُسْتَنْطَقَاتٌ))
[صحيح الترمذي ابواب الدعوات، باب : ۸]

”تم تسبیح، تہلیل اور تقدیس کو لازم پکڑو اور غافل نہ ہو جانا ورنہ رحمت سے فراموش کر دی جاؤ گی اور انگلیوں کے پوروں سے گرہیں باندھو، کیونکہ یہ سوال کی جائیں گی اور بلوائی جائیں گی۔“ (صحیح الترمذی، ابواب الدعوات رباب:۸، حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا، نووی اور عسقلانی نے اسے حسن کہا، شیخ البانی نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ [سلسله ضعيفه تحت حديث :۸۳]

عربوں کے ہاں انگلیوں پر گننے کا ایک خاص طریقہ ہے جس سے دس ہزار تک آسانی سے گنا جا سکتا ہے، بعض حضرات نے عقد انامل پر رسالے لکھے ہیں، تحفۃ الاحوذی (الدعوات، باب فضل لاحول ولا قوۃ الا باللہ) میں تفصیل کے ساتھ یہ طریقہ مذکور ہے، کسی عالم سے جو یہ طریقہ جانتا ہو سیکھ لینا چاہیے اور سنت کے مطابق ہاتھوں پر تسبیح وغیرہ پڑھنا چاہیے۔

۴۔ گٹھلیوں اور تسبیح کے جواز کی روایت:

گٹھلیوں پر ذکر کرنے کے جواز کی جو روایات پیش کی جاتی ہیں ان کا مختصر سا جائزہ یہ ہے:

پہلی روایت:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عورت کے پاس آئے اور اس کے سامنے گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں جن کے ساتھ وہ تسبیح پڑھ رہی تھی تو آپ نے فرمایا: "میں تمھیں وہ چیز بتاؤں جو اس سے آسان یا اس سے بہتر ہے؟" فرمایا: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ)) "میں اللہ کی پاکی اس کی آسمانی مخلوق کے برابر بیان کرتا ہوں۔" [ابوداؤد: ۱/۲۳۵۔ ترمذی: ۴/۲۷۷، ۲۸۷] ترمذی نے اسے حسن کہا اور حاکم نے فرمایا صحیح الاسناد اور ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ اس کی سند اس طرح ہے:

((عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ أَبِي هِلَالٍ حَدَّثَهُ عَنْ خُزَيْمَةَ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهَا......))

شیخ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں کہ اسے حسن یا صحیح کہنا خطا ہے کیونکہ اس میں خزیمہ راوی مجہول ہے، خود ذہبی نے "المیزان" میں فرمایا: ((خُزَيْمَةُ لَا يُعْرَفُ تَفَرَّدَ عَنْهُ سَعِيدُ بْنُ أَبِي هِلَالٍ)) "خزیمہ پہچانا نہیں جاتا، اس سے اکیلے سعید بن ابی ہلال روایت کرتے ہیں۔"

اسی طرح حافظ نے تقریب میں فرمایا: ((لَا يُعْرَفُ)) اور سعید بن ابی ہلال کے ثقہ ہونے کے باوجود ساجی نے احمد سے بیان کیا کہ انھیں اختلاط ہوگیا تھا، تو یہ حدیث حسن یا صحیح کیسے ہوگئی؟ [سلسلة ضعيفة تحت حديث: ۸۳]

دوسری روایت:

صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے سامنے چار ہزار گٹھلیاں تھیں جن کے ساتھ میں تسبیح کر رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: "یہ کیا ہے؟" میں نے کہا: "میں ان کے

ساتھ تسبیح کر رہی ہوں۔'' آپ نے فرمایا: ''جب سے میں تمہارے پاس آ کر کھڑا ہوا ہوں میں نے اس سے زیادہ تسبیح پڑھ لی ہے۔'' میں نے کہا: ''یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے سکھا دیجیے۔'' آپ نے فرمایا: ''اس طرح کہو: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ)) [ترمذی: ۴/ ۲۷۴ وغیرہ] سند اس طرح ہے: ((هاشم بن سعيد عن كنانة مولى صفية رضي الله عنها أي عن صفية)) ترمذی نے اس روایت کو یہ کہہ کر ضعیف قرار دیا:

''یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے اس سند کے علاوہ نہیں جانتے جو ہاشم بن سعید الکوفی کی روایت سے ہے اور اس کی سند معروف نہیں اور اس مسئلہ میں ابن عباس سے بھی روایت ہے۔''

البتہ حاکم نے فرمایا: ''صحیح الاسناد ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی۔'' حالانکہ ذہبی کا کہنا تعجب کی بات ہے کیونکہ ذہبی نے خود اس ہاشم بن سعید کو میزان میں ذکر کر کے فرمایا: ''ابن معین نے فرمایا، ''وہ کچھ بھی نہیں۔'' اور ابن عدی نے فرمایا: ''جتنی روایتیں بیان کرتا ہے کسی میں اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔''

اسی لیے حافظ نے تقریب میں فرمایا: ''ضعیف'' اور یہ کنانہ مجہول الحال ہے جس کی توثیق ابن حبان کے علاوہ کسی نے نہیں کی۔ [سلسلہ ضعیفہ تحت حدیث: ۸۳] ان دونوں روایات کے ضعف کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ صحیح مسلم میں یہ قصہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکور ہے جیسا کہ اوپر بلوغ المرام میں گزرا ہے مگر اس میں گٹھلیوں وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں۔

تیسری روایت:

((نِعْمَ الْمُذَكِّرُ السُّبْحَةُ)) ''تسبیح بہت اچھی یاد دہانی کروانے والی ہے۔'' اسے دیلمی

نے ''مسند الفردوس'' میں روایت کیا ہے، شیخ البانی اس کی سند ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''یہ سند ((ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ)) کی مصداق ہے اس کے اکثر راوی مجہول ہیں اور محمد بن ہارون بن عیسیٰ بن منصور الہاشمی کے متعلق تاریخ خطیب میں ہے: ''اس کی کنیت ابو اسحاق ہے اور ابن بریہ کے نام سے معروف ہے، اس کی حدیث میں بہت سی منکر روایات ہیں اور دار قطنی نے فرمایا: ''لَا شَیْءَ'' ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں فرمایا: ''حدیث گھڑتا ہے۔'' پھر اس کی ایک روایت ذکر کر کے فرمایا: ''یہ اس کی گھڑی ہوئی روایت میں سے ہے۔'' خطیب نے بھی ایک مقام پر اس کے متعلق فرمایا:

((اَلْهَاشِمِيُّ يُعْرَفُ بِابْنِ بَرِيَّةَ ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ يُتَّهَمُ بِالْوَضْعِ))
[۴۰۳/۸]

''ہاشمی ہے، ابن بریہ کے نام سے معروف ہے، کمزور حدیث والا ہے، اس پر حدیثیں گھڑنے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔''

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مروجہ تسبیح کے لیے سبحہ کا لفظ لغت عرب میں داخل ہی بعد میں ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس کا پتا نہیں چلتا۔ [سلسلة ضعيفة حديث : ۸۳]

مروجہ تسبیح کے فوائد اور نقصانات:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تسبیح کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے کہ ہاتھوں پر زیادہ پڑھنا ہو تو آدمی بھول جاتا ہے۔ شیخ البانی فرماتے ہیں: ''اس ضرورت کا باعث ایک اور بدعت بنی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو تعداد اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مقرر نہیں فرمائی تھی وہ لوگوں نے خود مقرر کر لی جس کے

نتیجے میں انھیں تسبیح کی یہ بدعت اختیار کرنی پڑی، کیونکہ سنت صحیحہ میں زیادہ سے زیادہ جو تعداد مجھے (البانی صاحب کو) اس وقت یاد ہے وہ ایک سو ہے اور جس شخص کو انگلیوں پر گننے کی عادت ہو وہ اسے آسانی سے انگلیوں پر گن سکتا ہے۔"

مروجہ تسبیح کا اگر اور کوئی نقصان بھی نہ ہو تو اتنا ہی بہت ہے کہ اس سے ذکر کا مسنون طریقہ یعنی انگلیوں پر ذکر کرنا تقریباً ختم ہو گیا ہے حالانکہ تسبیح پر ذکر کرنے والے بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ ہاتھوں پر گننا افضل ہے۔ آپ جس بزرگ کو دیکھیں گے وہ مروجہ تسبیح پر ذکر کرتا ہوا نظر آئے گا۔ الا ماشاء اللہ۔

الباقیات الصالحات

۱۴۵۷/۸۔ «وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»

[أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ]

"ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "باقی رہنے والے نیک عمل یہ (کلمات) ہیں: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»" (اسے نسائی نے روایت کیا اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

تخریج:

[صحیح] نسائی فی عمل الیوم واللیلۃ : ۸۴۵، ۸۴۷۔ ابن حبان : ۸۴۰/۳۔ حاکم : ۵۱۲/۱

فوائد:

باقی رہنے والے نیک اعمال کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴾ [الکہف : ۴۶/۱۸]

"باقی رہنے والے نیک عمل تیرے رب کے ہاں ثواب کے لحاظ سے بہتر ہیں اور امید کے لحاظ سے بہتر ہیں۔"

اس حدیث میں بیان فرمایا کہ یہ کلمات الباقیات الصالحات ہیں جن کا اجر ہمیشہ اللہ کے ہاں محفوظ رہے گا، اس سے ان کلمات کا الباقیات الصالحات ہونا ثابت ہوا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے علاوہ دوسرے اعمال الباقیات الصالحات نہیں، کیونکہ حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ الباقیات الصالحات یہی عمل ہیں، ان کے علاوہ کوئی عمل الباقیات الصالحات میں شامل نہیں بلکہ اس آیت کی تفسیر علی بن ابی طلحہ کی صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ الباقیات الصالحات سے مراد: ((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ تَبَارَكَ اللّٰهُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ))

اور روزہ، نماز، حج، صدقہ، غلام آزاد کرنا، جہاد، صلہ رحمی اور تمام اچھے اعمال ہیں اور یہی باقی رہنے والے صالح عمل ہیں جو یہ اعمال کرنے والوں کے لیے جنت میں آسمان و زمین رہنے تک باقی

رہیں گے۔'' مفسر ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔'' [ابن کثیر]

اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب کلام

۹/۱۴۵۸۔ ﴿ وَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ أَرْبَعٌ، لَا يَضُرُّكَ بِأَيِّهِنَّ بَدَأْتَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ﴾ [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

''سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو کلام میں سب سے زیادہ محبوب چار (کلمات) ہیں، ان میں سے جس سے شروع کرلو تمھیں کچھ نقصان نہیں: ﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ أَكْبَرُ ﴾'' (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم، الدعاء : ۴۸۔ وغیرہ]

فوائد:

۱۔ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب کلمات یہ ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کلمات یہ ہیں اور یہ بھی کہ ان میں ترتیب ضروری نہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ مکمل کلمہ ہے اور دوسرے کلمے پر موقوف نہیں کہ اگر وہ پہلے ذکر نہ ہو تو مطلب میں نقص واقع ہو جائے، احادیث میں علیحدہ علیحدہ ان کلمات کی اور ملا کر ان کے مجموعے کی اتنی

فضیلتیں بیان ہوئی ہیں کہ ان سب کا ذکر کرنا مشکل ہے، یہ فضیلت ہی بہت بڑی ہے کہ یہ احب الکلام اور الباقیات الصالحات ہیں، اس لیے انھیں عام طور پر ورد زبان رکھنا چاہیے۔

۲۔ ان کلمات کی ایک خاص فضیلت، قبولیت دعا:

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ جو شخص رات کو جاگے اور یہ کلمات پڑھے:

«لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ»

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور نہ برائی سے بچنے کی طاقت اور نہ نیکی کرنے کی ہمت ہے، مگر اللہ کی توفیق سے جو بلند وعظیم ہے۔''

اس کے بعد خواہ یہ کہے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ (اے اللہ! مجھے بخش دے) یا کوئی بھی دعا کرے، قبول ہوگی، اگر اٹھ کر وضو کرے اور نماز پڑھے تو قبول ہوگی۔'' [بخاری مع الفتح : ۳/ ۳۹]

لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی فضیلت

۱۰/۱۴۵۹۔ «وَعَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ

قَيْسٍ ! أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى كَنْزٍ مِّنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ ؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ» [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، زَادَ النَّسَائِيُّ : لَا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ]

''ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عبداللہ ابن قیس! کیا میں تمھیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتاؤں؟ وہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔'' (متفق علیہ)

نسائی نے یہ الفاظ زیادہ کیے: «لَا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ» یعنی ''اللہ سے بھاگ کر پناہ کی کوئی جگہ نہیں، مگر اسی کی طرف۔''

تخریج:

[بخاری : ٦٣٨٤۔ مسلم : الدعاء/٤٤، ٤٥] نسائی میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے اس روایت میں «لَا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ» کے الفاظ مجھے نہیں ملے۔ (واللہ اعلم!)

فوائد:

١۔ حَوْلَ کا معنی ہے حرکت کرنا، پھرنا، کسی کام پر پوری طرح قدرت رکھنا، اسی طرح قُوَّةَ کا معنی بھی کسی کام کی طاقت رکھنا ہے۔ اہل علم اس کا معنی بیان فرماتے ہیں: لَا حَوْلَ یعنی نقصان اور گناہ سے بچنے کی کوئی طاقت نہیں، وَلَا قُوَّةَ اور نہ نیکی کرنے کی یا فائدہ حاصل کرنے کی کوئی قوت ہے، مگر اللہ کی مدد کے ساتھ۔

٢۔ اس کلمے کی اس قدر فضیلت اس لیے ہے کہ اسے کہنے والا شخص مکمل طور پر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے، اسی کے تابع ہو جاتا ہے، اسی کا مطیع ہونے کا اعتراف کرتا ہے اور اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا، کوئی اس کے حکم کو ہٹا نہیں سکتا

اگر وہ مدد نہ کرے تو بندہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

۳۔ خزانہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نفیس ترین کلمہ ہے کیونکہ آدمی اسی چیز کا خزانہ کرتا ہے جو نہایت نفیس اور قیمتی ہو۔ اس کلمے کا ثواب بھی نہایت نفیس خزانہ کی صورت میں آدمی کے لیے جمع رہے گا۔

دعا ہی اصل عبادت ہے

۱۱/۱۴۶۰۔ ((وَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ)) [رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ، وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ]

''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''پکارنا ہی عبادت ہے۔'' (اسے چاروں نے روایت کیا اور ترمذی نے صحیح کہا)

تخریج:

[صحیح۔ ابوداود : ۱۴۷۹۔ ترمذی : ۳۲۴۷۔ ابن ماجہ : ۳۸۲۸۔ نسائی : الکبری : ۱۴۶۴ / ۶ / ۴۵۰۔ البانی نے اسے صحیح کہا دیکھیے صحیح الترمذی : ۲۳۷۰]

عبادت کا مغز

۱۲/۱۴۶۱۔ ((وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا بِلَفْظِ: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ))

''اور ترمذی کے لیے انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ان لفظوں میں ہے کہ: ''پکارنا عبادت کا

مغز ہے۔"

تخریج:

[ضعیف] ترمذی : ۳۳۷۱] اس میں ابن لھیعہ راوی سیء الحفظ ہے صحیح روایت میں الدعاء ھو العبادۃ ہی ہے۔

اللہ کے ہاں عزت والی چیز......دعا......

۱۴٦۲/۱۳۔ ((وَ لَهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَفَعَهُ: لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ))
[وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ]

"اور ترمذی میں ہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے انھوں نے مرفوع بیان کیا ہے کہ "کوئی چیز اللہ کے ہاں دعا سے بڑھ کر عزت والی نہیں۔" (اسے ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا)

تخریج:

[صحیح۔ ترمذی : ۳۳۷۰۔ ابن ماجہ : ۳۸۲۹۔ ابن حبان : ۸۷۰/۳۔ حاکم : ۱/ ۴۹۰۔ اور دیکھیے تحفۃ الاشراف : ۴٦٦/۹۔ البانی نے فرمایا حسن ہے، صحیح الترمذی : ۲٦۸٤]

فوائد:

۱۔ دعا ہی عبادت ہے، انسان کی پیدائش کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی عبادت ہے چنانچہ فرمایا:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ [الذاریات: ۵۱/۵۶]

''اور میں نے جن اور انسان کو نہیں پیدا کیا، مگر اس لیے کہ میری عبادت کریں۔''

پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مختلف صورتیں ہیں اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، زبان سے اسے پکارنا، اس کی راہ میں صدقہ کرنا، روزہ رکھنا، حج کرنا، قربانی کرنا، جہاد کرنا وغیرہ، سب عبادات ہیں، اس حدیث میں بتایا گیا کہ ''پکارنا ہی عبادت ہے۔'' اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف زبان سے پکارنا ہی عبادت ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت خواہ کوئی ہو وہ اللہ تعالیٰ کو پکارنا ہی ہے، جس طرح کوئی شخص کسی راہ پر گزر رہا ہاتھ پھیلا کر خاموش کھڑا ہو جائے تو ہر آدمی سمجھتا ہے کہ اس کے مقصد گزرنے والوں سے مانگنا ہے، اسی طرح اللہ کو راضی کرنے کے لیے اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر قبلہ رخ کھڑے ہو جانا، کبھی رکوع کرنا، کبھی سجدہ کرنا، کبھی دور دراز سے سفر کر کے فقیری بھیس بنا کر اس کے گھر کے چکر لگانا، اس کے نام پر جانور قربان کرنا، کبھی اسے خوش کرنے کے لیے صبح سے شام تک اپنی مرغوب چیزیں چھوڑ دینا، کبھی گھر کے آرام و آسائش کو چھوڑ کر اس کے دشمنوں کو مارنا اور ان کے ہاتھوں مرنا اور دوسری تمام عبادات اصل میں اللہ تعالیٰ کو پکارنے اور اس سے مانگنے کی ہی مختلف شکلیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴾ [المومن: ۴۰/۶۰]

''اور تمھارے رب نے فرمایا مجھے پکارو میں تمھاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعا کو اپنی عبادت قرار دیا ہے۔

۲۔ غیر اللہ کو پکارنا شرک فی العبادۃ ہے:

بعض لوگ اپنی ضرورت میں اور مصیبتوں کے وقت اللہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو پکارتے ہیں، کوئی عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو پکارتا ہے، کوئی علی رضی اللہ عنہ کو، کوئی کسی پیغمبر کو پکارتا ہے، کوئی کسی فوت شدہ بزرگ کو حالانکہ یہ پکارنا ہی عبادت ہے جو کہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، یہ فوت شدہ حضرات نہ کسی کی پکار سنتے ہیں نہ کوئی مدد کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ۝ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ۝ ﴾

[الأحقاف: ۴۶/۵، ۶]

''اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے علاوہ اس کو پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک اس کی پکار قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں اور جب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے تو وہ (جنہیں پکارا گیا) ان (پکارنے والوں) کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کرنے والے بن جائیں گے۔''

اس آیت میں مشرکین کے غیر اللہ کو پکارنے کو ان کی عبادت قرار دیا گیا ہے، قرآن مجید میں بہت سی آیات میں صرف ایک اللہ کو پکارنے کی تاکید اور غیر اللہ کو پکارنے کی مذمت کی گئی ہے، چنانچہ آیات مع نمبر و سورت درج کی جاتی ہیں، کسی مترجم قرآن مجید سے ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیں:

(فاطر: ۱۳، ۱۴)، (الانعام: ۷۱)، (غافر: ۷۴)، (النمل: ۶۲)، (یونس: ۱۰۶)،

(اعراف: ۳۷، ۱۹۴ تا ۱۹۷)، (الحج: ۷۳)، (الزمر: ۳۸)، (الرعد: ۱۴)،

(النحل: ۲۰)، (سبا: ۲۲)، (الجن: ۲۰)، (الاحقاف: ۴۶)

۳۔ اللہ کے ہاں دعا سے زیادہ عزت والی کوئی چیز نہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اللہ کے ہاں دعا سے بڑھ کر عزت والی کوئی چیز نہیں۔" کیونکہ اس نے جن وانس کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ اس کی عبادت کریں اور دعا ہی عبادت ہے، تو جب کوئی شخص دعا کرتا ہے تو وہ اپنی تخلیق کا مقصد پورا کر رہا ہے، اس لیے اس کی دعا سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی چیز عزیز نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ﴾ [الفرقان : ۲۵/ ۷۷]

"کہہ دیجیے! میرا پروردگار تمھاری کوئی پروا نہیں کرتا اگر تمھاری دعا نہ ہو۔"

اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی

۱۴/ ۱۴۶۳۔ ((وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ لَا يُرَدُّ)) [أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَغَيْرُهُ]

"انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔" (اسے نسائی وغیرہ نے روایت کیا اور ابن حبان اور دوسروں نے صحیح کہا)

تخریج:

[صحیح] نسائی عمل الیوم واللیلۃ : ۶۷۔ ابن حبان : ۴/ ۱۶۹۶ وغیرہما۔ البانی نے اسے صحیح کہا ہے، ارواء الغلیل : ۱/ ۲۶۴]

فوائد:

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ بندہ دعا کرے تو وہ اسے قبول کرتا ہے: ﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ [غافر: ٦٠] اس میں وقت کی کوئی تخصیص نہیں، ہاں اگر کوئی مانع ہو تو الگ بات ہے مثلاً روزی حرام ہو یا اللہ تعالیٰ بندے کی کسی سرکشی کی وجہ سے اسے رحمت کی نظر سے دیکھنا ہی گوارا نہ کرتا ہو۔ وغیرہ۔

اس کے باوجود اللہ تعالیٰ چاہے تو کافر کی دعا بھی قبول کر لے، جیسا کہ اس نے شیطان کی دعا قبول کر کے اسے قیامت تک کے لیے مہلت دے دی۔ اس لیے مسلمان کو خواہ وہ کتنا ہی گناہگار ہو کبھی دعا کی قبولیت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے، خصوصاً اس لیے بھی کہ بعض وقت ایسے ہیں جن میں دعا کی قبولیت کا زیادہ امکان ہوتا ہے، مثلاً لیلۃ القدر، عرفہ کا دن، ماہ رمضان، جمعہ کا دن، رات کے درمیان، فرض نمازوں کے بعد، سجدہ کی حالت میں، روزہ افطار کرنے کے وقت، جنگ میں دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت وغیرہ۔

ان اوقات میں سے ایک وقت زیرِ شرح حدیث میں بیان ہوا کہ اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی، ہمیں اس وقت کو غنیمت جان کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

١٥/١٤٦٤۔ «وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا»

[أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ]

"سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یقیناً تمہارا رب بہت حیا کرنے والا کرم والا ہے، وہ اپنے بندے سے حیا کرتا ہے کہ جب وہ اپنے ہاتھ اس کی طرف اٹھائے تو وہ انہیں خالی لوٹا دے۔" (اسے نسائی کے علاوہ چاروں نے بیان کیا اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

تخریج:

[صحیح] ابوداود : ۱۴۸۸۔ ابن ماجہ : ۳۸۶۵، ۱۴۶۵۔ ترمذی : ۳۵۵۶۔ حاکم : ۴۹۷/۱۔ الترمذی : ۲۸۱۹]

فوائد:

۱۔ اللہ تعالیٰ بہت حیا کرنے والا ہے۔ حیا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے، اس پر ایمان لانا ضروری ہے اس کی تاویل کرنا یا اسے مجاز قرار دینا درست نہیں، حیا یعنی شرم کا مفہوم ہر شخص سمجھتا ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی حیا کی تفصیلی کیفیت ہم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ کی حیا اسی طرح ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔

② ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا قبولیت کا ایک ذریعہ ہے:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹاتے بلکہ کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرما دیتے ہیں، دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی مواقع پر ثابت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بَابُ رَفْعِ الْأَيْدِيْ فِي الدُّعَاءِ میں تین احادیث لکھی ہیں، پہلی ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کے شہید ہونے والے چچا ابوعامر اشعری رضی اللہ عنہ کی دعا

کے لیے درخواست پہنچنے پر) دعا کی پھر ہاتھ اٹھائے اور میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔

دوسری ابن عمر رضی اللہ عنہ کی کہ نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: ”اے اللہ! میں تیری طرف اس کام سے براءت کا اظہار کرتا ہوں جو خالد نے کیا۔“

تیسری انس رضی اللہ عنہ کی کہ نبی ﷺ نے (بارش کی دعا کے لیے) ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ فتح الباری میں اس باب کی شرح میں صحیح احادیث سے کئی مواقع ذکر کیے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے دعا کے وقت ہاتھ اٹھائے ہیں۔

③ صرف بارش کی دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے والی حدیث کا مطلب:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بارش کی دعا کے علاوہ ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کرنی چاہیے کیونکہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ)) [بخاري، الاستسقاء: ٢٢]

”نبی ﷺ بارش کی دعا کے علاوہ کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔“

لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ احادیث سے بہت مواقع پر آپ ﷺ کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے، جیسا کہ اوپر گزرا ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہے کیونکہ اگر ایک شخص کو علم نہیں ہو سکا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس شخص کی بات کا انکار کر دیا جائے جو خود اپنا مشاہدہ بیان کر رہا ہے۔

اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ بارش کی دعا میں جس طرح ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کر کے یا ہاتھوں کو عام معمول سے زیادہ اونچا اٹھا کر دعا کرتے تھے دوسرے

مواقع پر اس طرح دعا نہیں کرتے تھے۔

⑤ نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا:

ہمارے ہاں یہ رواج عام ہے کہ فرض نماز سے فارغ ہو کر امام اور مقتدی ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں اور اگر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے تو اس پر ناراض ہوتے ہیں اور اسے طعنہ دیتے ہیں کہ اس نے دعا نہیں کی۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ دعا کا منکر ہے وہ بے چارہ خواہ وہ تمام دعائیں اور اذکار مکمل کرے جو اس موقع پر رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، اگر اجتماعی طور پر ہاتھ نہیں اٹھائے گئے تو ان کے کہنے کے مطابق دعا ہوئی ہی نہیں، حالانکہ جس طرح نماز کے بعد دعا کا موقع ہے اسی طرح نماز سے پہلے اذان اور اقامت کے درمیان دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔ دیکھیے اسی بلوغ المرام کی حدیث (۱۴۴) مگر اس وقت اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر کوئی بھی دعا نہیں کرتا بلکہ اگر کوئی یہ کام شروع کر دے تو اسے بدعتی کہا جائے گا جیسا کہ عبداللہ بن مسعود نے صبح کی نماز سے پہلے حلقے بنا کر کنکریوں پر سو، سو مرتبہ تسبیح وتہلیل وتکبیر پڑھنے والوں پر سخت ناراضگی فرمائی اور انھیں گمراہ قرار دیا۔ دیکھیے اسی بلوغ المرام کی حدیث (۱۳۵۳) کی تشریح میں دارمی کی صحیح حدیث۔

اسی طرح جنازے سے فارغ ہو کر اہل حدیث ہوں یا حنفی کوئی بھی ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا نہیں کرتا صرف بدعتی حضرات ایسا کرتے ہیں، وجہ صرف یہ ہے کہ اس وقت اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے نماز سے باہر اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا صرف بارش کے لیے ثابت ہے۔ آپ سے فرض نماز کے بعد بہت سے اذکار اور دعائیں صحیح احادیث میں آئی ہیں مثلاً تین دفعہ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ تینتیس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اس کے علاوہ آیۃ الکرسی، معوذتین اور دوسری دعائیں اور اذکار رسول اللہ ﷺ اور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے کرتے تھے، مگر آپ نے فرض نماز کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر ہاتھ اٹھا کر کوئی دعا کی ہو کسی حدیث میں نہیں آیا، اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے، حقیقت یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد جماعت ختم ہوگئی اب ہر شخص آزاد ہے، اسے دوبارہ امام کے ساتھ ہاتھ اٹھانے کا پابند بنانا اور امام کو مقتدیوں کے ساتھ ہاتھ اٹھانے کا پابند بنانا دین میں خواہ مخواہ کی زبردستی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((لَمْ يَنْقُلْ أَحَدٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلَّى بِالنَّاسِ يَدْعُوْ بَعْدَ الْخُرُوْجِ مِنَ الصَّلَاةِ هُوَ وَ الْمَأْمُوْمُوْنَ جَمِيْعًا لَا فِي الْفَجْرِ وَ لَا فِي الْعَصْرِ وَلَا فِيْ غَيْرِهِمَا مِنَ الصَّلَوَاتِ بَلْ قَدْ ثَبَتَ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَسْتَقْبِلُ أَصْحَابَهُ وَ يَذْكُرُ اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ عَقِيْبَ الْخُرُوْجِ مِنَ الصَّلَوَاتِ))

[الفتاوی الکبری ص: ۳۹۱، ج: ۲]

"کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل نہیں کیا کہ آپ جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو نماز سے فارغ ہو کر آپ اور مقتدی اکٹھے ہو کر دعا کرتے ہوں نہ فجر میں، نہ عصر میں اور نہ کسی اور نماز میں، بلکہ آپ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نمازوں سے فارغ ہو کر اپنے صحابہ کی طرف منہ کر لیتے اور اللہ کا ذکر کرتے اور انھیں اللہ کے ذکر کی تعلیم دیتے۔"

ایک جگہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

((وَ أَمَّا دُعَاءُ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُوْمِيْنَ جَمِيْعًا عَقِيْبَ الصَّلٰوةِ فَهُوَ

بِدْعَةٌ لَّمْ يَكُنْ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

[الفتاوى الكبرىٰ ص: ۱۸٤، ج: ۱]

"نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا اکٹھے ہو کر دعا کرنا بدعت ہے، یہ نبی ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا۔"

حنفی علماء نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے، دیوبند کے صدر المدرسین انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں:

وَ لْيُعْلَمْ أَنَّ الدُّعَاءَ وَالْمَعْمُوْلَ فِيْ زَمَانِنَا مِنَ الدُّعَاءِ بَعْدَالْفَرِيْضَةِ رَافِعِيْنَ أَيْدِيَهُمْ عَلَى الْهَيْئَةِ الْكَذَائِيَّةِ لَمْ تَكُنِ الْمُوَاظَبَةُ عَلَيْهِ فِيْ عَهْدِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَعَمْ الْأَدْعِيَةُ بَعْدَ الْفَرَائِضِ ثَابِتَةٌ كَثِيْرًا بِلَا رَفْعِ الْيَدَيْنِ وَ بِدُوْنِ الْاِجْتِمَاعِ وَ ثُبُوْتُهَا مُتَوَاتِرٌ۔

"جاننا چاہیے کہ ہمارے زمانے میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اس طریقے سے جو دعا کی جاتی ہے نبی ﷺ کے زمانے میں اس پر مواظبت نہیں تھی ہاں! فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھاتے اور اجتماع کے بغیر دعائیں کثرت سے ثابت ہیں اور ان کا ثبوت متواتر ہے۔"

اس مسئلہ کے متعلق ایک حنفی عالم کی کتاب اَلتَّحْقِيْقُ الْحَسَنُ فِيْ نَفْيِ الدُّعَاءِ الْاِجْتِمَاعِيِّ بَعْدَ الْفَرَائِضِ وَ السُّنَنِ بہت عمدہ ہے، مولانا عبدالرؤف سندھو نے مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ کی کتاب صلوٰۃ الرسول ﷺ کی تخریج کی ہے اور اس پر تعلیق لکھی ہے، اس میں ان تمام روایات پر تفصیلی گفتگو کی ہے جو نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق پیش کی جاتی ہیں۔

دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا

١٦/١٤٦٥۔ ((وَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَدَّ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ لَمْ يَرُدَّهُمَا حَتّٰى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ)) [أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَلَهُ شَوَاهِدُ، مِنْهَا: حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عِنْدَ أَبِيْ دَاوٗدَ وَ غَيْرِهِ، وَمَجْمُوْعُهَا يَقْضِي بِأَنَّهُ حَدِيْثٌ حَسَنٌ]

''عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب دعا میں اپنے ہاتھ اٹھاتے تو انھیں واپس نہیں لاتے تھے یہاں تک کہ انھیں اپنے چہرے پر پھیرتے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا اور اس کے کئی شواہد ہیں جن میں ایک ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو ابوداؤد وغیرہ میں ہے ان سب کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ حسن حدیث ہے)

تخریج:

[ضعيف۔ ترمذی، ابواب الدعوات باب ماجاء في رفع الأيدي عند الدعاء ، حديث ابن عباس ابوداؤد : ١٤٨٥]

فوائد:

ترمذی کی سند میں حماد بن عیسیٰ الجہنی ضعیف ہے (تقریب) اور ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت مصنف نے بطور شاہد کے پیش کی ہے وہ بھی ضعیف ہے، خود ابوداؤد رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ حدیث محمد بن کعب سے کئی سندوں کے ساتھ آئی ہے جو سب کمزور ہیں، یہ سند ان میں سب سے

اچھی ہے اور یہ بھی ضعیف ہے۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شواہد کے مجموعے کی بنا پر اس حدیث کے حسن ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے، مگر شیخ ناصر الدین البانی نے اسے ضعیف ہی قرار دیا ہے، بعض صحابہ سے بھی یہ عمل مروی ہے، چنانچہ الادب المفرد میں ہے:

((عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَ هُوَ وَهْبٌ قَالَ : رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ وَ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَدْعُوَانِ يُدِيرَانِ بِالرَّاحَتَيْنِ عَلَى الْوَجْهِ))

[الادب المفرد للامام البخاری، باب رفع الایدی فی الدعاء]

"ابونعیم (وھب) کہتے ہیں میں نے ابن عمر و ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کو دعا کرتے دیکھا وہ اپنی ہتھیلیاں چہرے پر پھیرتے تھے۔"

شیخ البانی نے ضعیف الادب المفرد میں اس اثر کو بھی ضعیف قرار دیا ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس کی سند میں محمد بن فلیح اور اس کے والد فلیح میں ضعف ہے۔

بعض اہل علم نے اس اثر کو حسن قرار دیا ہے۔ تقریب میں محمد بن فلیح کے متعلق لکھا ہے۔ ((صدوق يهم)) "سچا ہے غلطی کر جاتا ہے۔" اور فلیح کے متعلق لکھا ہے ((صدوق كثير الخطاء)) "سچا ہے بہت خطا والا ہے۔"

بہر حال بقول ابن حجر رحمہ اللہ یہ حدیثیں اور اثر اپنی اپنی جگہ ضعیف بھی ہوں تو مجموعے کو مد نظر رکھ کر اس عمل کو بالکل بے اصل اور بدعت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (واللہ اعلم!)

نبی ﷺ پر صلاۃ کی فضیلت

۱۷/۱۴۶۶۔ ((وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن لوگوں میں سے مجھ پر سب سے زیادہ حق رکھنے والا یا سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو ان میں سب سے زیادہ مجھ پر صلاۃ پڑھنے والا ہے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

تخریج:

[ضعیف۔ ترمذی : ۴۸۴۔ ابن حبان : ۹۱۱/۳] شیخ ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، دیکھیے ضعیف الترمذی (۷۳) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں موسیٰ بن یعقوب زمعی ہیں جن کے متعلق تقریب میں ہے صدوق سئی الحفظ، ان کے علاوہ عبداللہ بن کیسان ہیں ان کے متعلق تقریب میں لکھا ہے مقبول اور تقریب کے شروع میں لکھا ہے کہ مقبول اس وقت ہے جب اس کی متابعت موجود ہو ورنہ لین الحدیث ہے) یہ سند غریب ہے یعنی اس کی کوئی متابعت نہیں اس لیے یہ روایت ضعیف ہے۔

مفردات:

أَوْلٰی کا معنی أَحَقُّ بھی ہے اور أَقْرَبُ بھی یعنی میری شفاعت کا سب سے زیادہ حق دار ہے، یا قیامت کو سب سے زیادہ میرے قریب ہوگا۔

فوائد:

۱۔ مصنف نے نبی ﷺ پر صلاۃ کی فضیلت کے لیے اس روایت کا انتخاب فرمایا کیونکہ اس میں صلاۃ پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے، لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ نبی ﷺ پر صلاۃ کی فضیلت کے لیے قرآن مجید کی آیت اور کئی صحیح احادیث موجود ہیں، اس کے ہوتے ہوئے ضعیف روایت بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

(الف) سب سے بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر صلاۃ پڑھنے کا حکم دیا چنانچہ فرمایا:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

[الأحزاب : ٥٦/٣٣]

”یقیناً اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر صلاۃ بھیجتے ہیں اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! آپ پر صلاۃ بھیجو اور سلام بھیجو سلام بھیجنا۔“

اللہ تعالیٰ کے صلاۃ بھیجنے کا مطلب آپ کی تعریف کرنا، رحمت نازل کرنا اور مغفرت فرمانا ہے، فرشتوں کی صلاۃ کا مطلب دعا کرنا ہے۔

(ب) نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو مجھ پر ایک دفعہ صلاۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلاۃ بھیجتا ہے۔“

[مسلم، کتاب الصلاۃ، باب: ۱۷]

(ج) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے تو وہ مجھ پر صلاۃ نہ بھیجے۔

[صحیح الترمذی، ابواب الدعوات/ باب: ۱۱۰]

(۵) آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے تو وہ مجھ پر صلاۃ نہ پڑھے۔'' [صحیح الترمذی/ ابواب الدعوات، باب نمبر ۱۰]

(۶) جس مجلس میں اللہ کا ذکر اور رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ نہیں ہوگی وہ مجلس قیامت کے دن اس مجلس والوں کے لیے حسرت کا باعث ہوگی۔ [سلسلة الاحادیث الصحیحة للالبانی: ۷۲]

(۲) سب سے زیادہ صلاۃ بھیجنے والے اصحاب الحدیث ہیں:

ابن حبان نے فرمایا کہ اس امت میں اصحاب الحدیث سے زیادہ رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ بھیجنے والا کوئی نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اصحاب الحدیث کا مبارک شغل ہی حدیث کا پڑھنا پڑھانا اور تصنیف کے ذریعے بھی حدیث ہی کی خدمت کرنا ہے اور ان کی عادت ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا نام نامی آئے وہ صلاۃ پڑھتے اور لکھتے ہیں، اس لیے ان کی زبان اور ان کے قلم سے روزانہ سینکڑوں مرتبہ خود بخود صلاۃ ادا ہوتی رہتی ہے، دوسرے لوگوں کو یہ نعمت میسر نہیں۔ اگر فرق دیکھنا ہو تو فقہ یا اصول فقہ کی کوئی کتاب مثلاً: قدوری، ہدایہ، اصول شاشی وغیرہ اٹھا کر دیکھ لیں صفحوں کے صفحے گزر جائیں گے رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہی نہیں آئے گا اگر آئے گا بھی تو وہ صرف علیہ السلام لکھیں گے صلاۃ کی توفیق نہیں ہوگی۔ حدیث کے طالب علم اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔

سید الاستغفار

۱۸/ ۱۴۶۷۔ ((وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَيِّدُ الْإِسْتِغْفَارِ أَنْ

يَقُوْلَ الْعَبْدُ : اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِيْ، وَ أَنَا عَبْدُكَ وَ أَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَ أَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ» [أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ]

''شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بخشش مانگنے کی دعاؤں کی سردار دعا یہ ہے کہ بندہ یوں کہے:'' اے اللہ! تو ہی مجھے پالنے والا ہے، تیرے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں جتنی طاقت رکھتا ہوں، میں اس (گناہ) کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو میں نے کیا، میں تیری اس نعمت کا اقرار کرتا ہوں جو مجھ پر ہے، میں اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں سو تو مجھے بخش دے کیونکہ یقینی بات یہ ہے کہ گناہوں کو تیرے علاوہ کوئی نہیں بخش سکتا۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا)

تخریج:

[بخاری، ۶۳۰۶۔ وغیرہ دیکھیے، تحفۃ الاشراف : ۴/۱۴۵۔۴/۱۹۰]

فوائد:

۱۔ اس حدیث میں سید الاستغفار کی فضیلت بیان ہوئی ہے، صحیح بخاری کی اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جو شخص دن کو یہ کلمات ان پر یقین رکھتے ہوئے کہہ لے تو پھر اسی دن شام ہونے سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ اہل جنت سے ہے اور جو رات کو یہ کلمات ان پر یقین رکھتے ہوئے کہہ لے پھر صبح ہونے سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ اہل جنت سے ہے۔

② استغفار کی اہمیت:

اپنے گناہوں سے بخشش مانگنا اس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا:

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ [المومنون : ۱۱۸/۲۳]

"اور تو کہہ اے میرے رب! بخش دے اور رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر ہے۔"

اور ہر پیغمبر نے اپنے پروردگار سے بخشش کی دعا کی اور اپنی امت کو اس کا حکم دیا، آدم، نوح، ابراہیم، یونس علیہم السلام اور دوسرے پیغمبروں علیہم السلام کی استغفار کی دعائیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں روزانہ اللہ تعالیٰ سے سو دفعہ بخشش مانگتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔" [صحیح مسلم، الذکر والدعا، باب: ۱۲]

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے پہلے پچھلے گناہ معاف کر دیے تھے تو آپ کو استغفار کی کیا ضرورت تھی۔ صاحب سبل السلام اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ یہ بے کار سوال ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ کو بتایا کہ میں روزانہ ستر دفعہ بخشش مانگتا ہوں اور انھیں بھی استغفار کی تاکید فرمائی تو انھوں نے آپ کے فرمان پر یقین کیا اور اس پر عمل کیا، اس قسم کا اشکال یا سوال کسی نے پیش نہیں کیا، ہمیں بھی انھی کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ پھر بھی اگر کوئی اس سوال پر اصرار کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بخشش کے وعدے کے باوجود بخشش کی دعا کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے رزق کا وعدہ کیا ہے اور رزق دینے کی ضمانت اٹھائی ہے، پھر بھی ہم رزق کے لیے محنت کرتے ہیں اور اللہ سے دعا بھی کرتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ نے ہمیں رزق کی دعائیں سکھائی ہیں مثلاً:

﴿ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ [المائدة : ۱۱۴/۵]

"اور ہمیں رزق دے اور تو رزق دینے والوں میں سب سے بہتر ہے۔"

اور فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَ اَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ))

''اے اللہ! مجھے اپنے حلال کے ساتھ اپنے حرام سے کافی ہو جا اور اپنے فضل کے ساتھ اپنے سوا ہر ایک سے غنی کر دے۔''

③ سید الاستغفار کیوں؟:

استغفار کی دعاؤں کا سردار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بخشش مانگتے وقت جو آداب ملحوظ رکھنے چاہییں وہ سب سے زیادہ اس دعا میں موجود ہیں اور وہ ہیں اللہ تعالیٰ کی تعریف، اپنی بندگی اور تعلق کا واسطہ دینا، اپنے گناہوں کا اعتراف اور پروردگار کی نعمتوں کا اقرار کرنا اور بخشش مانگنا اور صرف اللہ کے در پر ہی پڑے رہنا صرف اسی سے خوف اور اسی کی امید رکھنا اور اسی سے دعا کرنا۔ اب یہ دعا ملاحظہ کیجیے:

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف، اس کی توحید اور صفات عالیہ کا اقرار ہے، یا اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تو ہی معبود ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا۔ اس کے بعد اپنے بندہ ہونے کا اقرار ہے اور اس بات کا اقرار ہے کہ یا اللہ! میں تیرے عہد پر جو ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ کے جواب میں کیا تھا اور تیرے وعدے پر (جو اسلام قبول کرنے کی صورت میں کیا ہے) قائم ہوں، جس قدر طاقت رکھتا ہوں، یعنی صحیح حق ادا کرنے سے عجز کا اعتراف کرتا ہوں، گویا پروردگار کے سامنے اس کی بندگی اور اس کے عہد پر حسب استطاعت قائم ہونے کے تعلق کے واسطے سے دعا کی جا رہی ہے، اس کے بعد اپنے گناہ کی شامت سے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے کہ اگر وہ پناہ نہ دے تو گناہ کے شر سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

اس کے بعد اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اور اس کے مقابلے میں اپنے گناہوں کا اقرار ہے اور آخرت میں اپنے گناہ کی بخشش کی دعا ہے اور اس کا اقرار ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا، اس دعا سے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا سلیقہ بھی سمجھ آتا ہے کہ اس کے دربار میں شرک و بدعت پر مشتمل واسطوں وسیلوں کی کوئی گنجائش نہیں۔

وہ کلمات جو رسول اللہ ﷺ صبح و شام نہیں چھوڑا کرتے تھے

١٤٦٨/١٩۔ ((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ حِيْنَ يُمْسِيْ وَحِيْنَ يُصْبِحُ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَأَهْلِيْ وَمَالِيْ، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ، وَآمِنْ رَوْعَاتِيْ، وَاحْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَمِيْنِيْ، وَعَنْ شِمَالِيْ، وَمِنْ فَوْقِيْ، وَأَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ))
[أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ]

"ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب شام ہوتی یا صبح ہوتی تو یہ کلمات نہیں چھوڑا کرتے تھے: "اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین، اپنی دنیا، اپنے اہل اور اپنے مال میں عافیت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میرے چھپانے کی چیزوں پر پردہ ڈال دے اور میری گھبراہٹوں کو امن عطا فرما اور میرے آگے، میرے پیچھے، میرے دائیں، میرے بائیں اور میرے اوپر سے میری حفاظت فرما اور میں تیری عظمت کی پناہ پکڑتا ہوں کہ مجھے میرے نیچے

سے اچانک ہلاک کر دیا جائے۔" (اسے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور حاکم نے صحیح کہا)

تخریج:

[صحیح] نسائی : ۸/ ۲۸۲۔ مختصراً ابن ماجہ : ۳۸۷۱۔ اور دیکھیے صحیح ابن ماجہ : ۲/ ۳۳۲۔ حاکم : ۱/ ۵۱۷۔ دیکھیے تحفۃ الاشراف : ۵/ ۳۲۷۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ دعا مختصر ذکر فرمائی ہے، پوری دعا اس طرح ہے:

((اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ اَللّٰھُمَّ أَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِیْ دِیْنِیْ۔ الخ))

"اے اللہ! میں تجھ سے دنیا و آخرت میں معافی اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ الخ"

بہتر ہے کہ مکمل دعا پڑھی جائے۔

فوائد:

عافیت کا معنی سلامت رہنا ہے، دین میں عافیت یہ ہے کہ آدمی عقیدے اور عمل کی گمراہی سے محفوظ رہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل کرتا رہے اور ان کی نافرمانی سے بچتا رہے۔ دنیا میں عافیت یہ ہے کہ دنیا کی مصیبتوں، پریشانیوں اور دنیا کی بے جا ہوس سے محفوظ رہے۔ اہل میں عافیت یہ ہے کہ آپس کی نا اتفاقی، گھر والوں کی بیماری، فقر اور دوسری پریشانیوں سے محفوظ رہے۔ اسی طرح ان کی دنیا کے چکر میں پھنس کر سارا وقت برباد کر دینے سے محفوظ رہے۔ مال میں عافیت سے مراد ان آفات سے محفوظ رہنا ہے جو مال کی وجہ سے پیش آتی ہیں۔ عورات (چھپانے کی چیزوں) سے مراد اپنی ذات اور اہل و عیال سے تعلق رکھنے والی وہ تمام چیزیں ہیں، جنھیں آدمی چھپانا چاہتا ہے خواہ ان کا تعلق جسم سے ہو، دین سے ہو، دنیا سے ہو یا آخرت سے۔ اسی طرح گھبراہٹوں سے بھی ان

تمام چیزوں سے تعلق رکھنے والی گھبراہٹیں مراد ہیں۔

اپنے تمام اطراف سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی دعا اس لیے کی ہے کہ بندہ ہر وقت قدرتی آفات ومصائب کا نشانہ ہے اور ہر وقت دشمنی رکھنے والے انسانوں اور شیطانوں کے درمیان گھرا ہوا ہے، اگر اللہ تعالیٰ حفاظت نہ کرے تو اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

نیچے کی طرف سے اچانک ہلاکت سے خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی عظمت کی پناہ مانگی کیونکہ اچانک گرفت میں سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملتا، اس کی مثال زمین میں دھنس جانا، غرق ہو جانا اور بارود وغیرہ کی زد میں آ جانا ہے۔

مختلف مصائب سے پناہ کی دعا

۱۴۶۹/۲۰۔ ((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ أَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ، وَ فُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ، وَ جَمِيْعِ سَخَطِكَ)) [أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

’’ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: ’’اے اللہ! یقیناً میں تیری پناہ چاہتا ہوں تیری نعمت کے زوال اور تیری عافیت کے پھر جانے سے اور تیرے اچانک انتقام سے اور تیری ہر قسم کی ناراضگی سے۔‘‘ (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم، الذکر : ۹۶۔ دیکھیے تحفة الاشراف : ۴۶۵/۵]

مفردات:

فَجاءَۃ دو طرح پڑھ سکتے ہیں فاء کے فتحہ، جیم کے سکون اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ فَجْأَۃٌ بروزن فَعْلَۃ اور فاء کے ضمہ، جیم کے فتحہ، اس کے بعد الف پھر ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ فُجَاءَۃٌ بروزن فُعَالَۃٌ اچانک۔

فوائد:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پناہ سے کیا مراد ہے؟ انسان پر جب کوئی ایسی مصیبت آجائے جسے وہ خود دور نہ کر سکتا ہو تو وہ کوئی ایسا سہارا تلاش کرتا ہے جو اسے اس مصیبت سے بچا سکے۔ مثلاً اگر کوئی کتا اسے کاٹنے کو دوڑے اور اس کے پاس اس سے بچنے کا کوئی سامان مثلاً لاٹھی وغیرہ نہ ہو تو وہ اس کے مالک سے کہتا ہے کہ اپنے کتے سے مجھے بچاؤ۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آفات و مصائب آتے ہیں ان میں سے جن چیزوں کے ہٹانے کی طاقت کسی مخلوق میں موجود ہے اس سے پناہ مانگنے میں کوئی حرج نہیں۔ جس طرح کتے کی مثال اوپر گزر چکی ہے اور جس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مکہ سے ہجرت کی تو ابن الدغنہ انہیں اپنی پناہ میں لے کر مکہ واپس لے آیا تھا۔ (بخاری کتاب الکفالۃ رباب:۴) اور جس طرح نبی اکرم ﷺ نے طائف سے واپسی پر مطعم بن عدی وغیرہ سے پناہ اور حفاظت کی درخواست کی تھی۔ (ابن ہشام (۴۱۹/۱) زاد المعاد: ۲/۴۶، ۴۷) الرحیق وغیرہ) اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو، تا کہ وہ اللہ کا کلام سنے۔ (توبہ:۶) البتہ وہ چیزیں جو کسی مخلوق کے اختیار میں ہی نہیں ہیں ان سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی بچا سکتا ہے، اس لیے ان سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ مانگی جا سکتی ہے، رسول اللہ ﷺ سے پناہ مانگنے کی بہت سی دعائیں مروی ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ نے دو حدیثوں کا انتخاب فرمایا ہے:

زوال نعمت:

سب سے پہلے اس چیز سے اللہ کی پناہ مانگی کہ اس کی نعمت آدمی سے چھن جائے، قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی کے بغیر کسی سے اپنی نعمت سلب نہیں کرتے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ﴾ [الرعد: ۱۳/۱۱]

''یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا اس چیز کو جو کسی قوم کے ساتھ ہے یہاں تک کہ وہ اس چیز کو بدل دیں جو ان کی جانوں کے ساتھ ہے۔''

گویا اس دعا میں نعمتوں کے زوال کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی ہے کہ پروردگار اپنی نافرمانی سے مجھے بچا کر رکھنا ایسا نہ ہو کہ نافرمانی کے نتیجے میں تیری نعمت سے محروم ہو جاؤں۔

تحول عافیت:

عافیت سے مراد سلامتی ہے یعنی انسان کا بدن، اس کے اہل و مال اور اس کا دین ہر قسم کی آزمائش اور مصیبت سے محفوظ رہے، اس کے پھر جانے کا مطلب یہ ہے کہ عافیت کی نعمت آدمی سے چلی جائے اور وہ اس کی جگہ بیماریوں، پریشانیوں اور فتنوں کا شکار ہو جائے اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔

۴۔ جمیع سخطک:

اللہ کی ناراضگی کی چند خاص چیزوں کے ذکر کے بعد اس کی ہر قسم کی ناراضگی سے پناہ طلب فرمائی، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی کسی ایسی بات پر سخت ناراض ہو گیا ہو جس کا اسے خیال ہی نہ ہو۔

قرض اور دشمن کے غلبے سے پناہ کی دعا

١٤٧٠/٢١۔ ((وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ)) [رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ]

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے: "اے اللہ! یقیناً میں قرض کے غالب آ جانے سے اور دشمن کے غالب آ جانے سے اور دشمنوں کے میرے نقصان پر خوش ہونے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔" (اسے نسائی نے روایت کیا اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

تخریج:

[صحیح۔ نسائی: ٢٦٨،٢٦٥/٨۔ حاکم: ٥٣١/١۔ دیکھیے تحفة الاشراف: ٣٥٤/٦۔ مزید دیکھیے، سلسلة الاحادیث الصحیحة: ١٥٤١]

فوائد:

١۔ یہ حدیث اس بات کے منافی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرض لے لیا کرتے تھے بلکہ جب آپ فوت ہوئے تو آپ کی زرہ تیس صاع جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔ (بخاری، الجہاد/٨٩) کیونکہ یہ قرض کا غالب آ جانا نہیں بلکہ آپ اسے ادا کر سکتے تھے، غالب آنے سے مراد یہ ہے کہ ایسا قرض چڑھ جائے جسے اتارنا آدمی کی طاقت سے باہر ہو، اس لیے ایسا قرض لینا جسے آدمی ادا کرنے کی طاقت سے ہی باہر ہو جائز نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ أَدَاءَ هَا أَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ وَ مَنْ أَخَذَ يُرِيْدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللّٰهُ)) [بخاری، الاستقراض : ۲]

''جو شخص لوگوں کے مال اس نیت سے لے کہ انھیں ادا کر دے گا اللہ تعالیٰ انھیں اس کی طرف سے ادا کر دے گا اور جو شخص انھیں ضائع کرنے کی نیت سے لے گا اللہ تعالیٰ اسے ضائع کرے گا۔'' [بخاری، الاستقراض : ۲]

حقیقت یہ ہے کہ قرض خصوصاً جس کا ادا کرنا بس سے باہر ہو سراسر رنج و غم ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ مَأْثَم اور مَغْرَم (گناہ اور قرض) سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا آپ قرض سے کس قدر کثرت سے پناہ طلب کرتے ہیں تو فرمایا:

((إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَ وَعَدَ فَأَخْلَفَ))

''یعنی آدمی جب مقروض ہوتا ہے تو بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔'' [بخاری، الاذان : ۸۳۲]

دشمن کا غلبہ:

دشمن کے غلبے سے پناہ مانگیں کیونکہ اس سے بڑی ذلت کوئی نہیں، دشمن غالب آ گیا تو نہ جان محفوظ، نہ مال، نہ عزت و آبرو، نہ عقیدہ اسلام غرض یہ سب سے بڑی ذلت ہے، جو انسان پر مسلط ہوتی ہے آج فلسطین، اریٹریا، کشمیر، سنکیانگ، فلپائن، بوسنیا، چیچنیا، کوسوا، کمبوڈیا اور دنیا کے دوسرے خطوں میں کفار مسلمانوں پر غالب ہیں اور مسلمانوں پر بدترین ذلت مسلط ہے، اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو عزت اور غلبہ عطا فرمائے اور انھیں دشمنوں کے غلبہ سے نجات عطا فرمائے۔ (آمین!)

شماتة اعداء:

کسی نقصان پر دل کو اتنی تکلیف شاید ہی ہوتی ہے جتنی اس بات پر ہوتی ہے کہ ہمارا دشمن ہمارے اس نقصان پر خوش ہے۔ اس لیے ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ ﴾ ''دشمنوں کو میری وجہ سے خوشی کا موقع نہ دے۔''

اسم اعظم

۲۲/۱۴۷۱۔ ((وَ عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ سَأَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطَى، وَ إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ)) [أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ، وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ]

''بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اے اللہ! یقیناً میں تجھ سے اس واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ میں یقین سے اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ بلاشبہ صرف تو ہی اللہ ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، تو ایک ہے، بے نیاز ہے، جس نے نہ کسی کو جنا نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی کوئی اس کا ہم سر ہے۔'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً اس نے اللہ سے اس کے نام کے ساتھ دعا کی ہے کہ جب اس کے ساتھ اس

سے سوال کیا جائے تو وہ دیتا ہے اور جب اس کے ساتھ اس سے دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔" (اسے چاروں نے روایت کیا اور اسے ابن حبان نے صحیح کہا)

تخریج:

[صحیح] ابوداؤد : ۱۴۹۳۔ ترمذی : ۳۴۷۵۔ نسائی ابن ماجه : ۳۸۵۷۔ ابن حبان : ۸۹۲/۳ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجه : ۳۱۱۱]

مفردات: **اَلْاَحَدُ** ہر لحاظ سے ایک، رب ہونے میں، الٰہ ہونے میں، اپنی ذات میں اور اپنی تمام صفات میں، اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا بھی اس کی صفات کمال میں سے ایک بنیادی صفت ہے۔ **اَلصَّمَدُ** اس سردار کو کہتے ہیں جس کی طرف ضرورتوں کے لیے قصد کیا جائے، وہ ذات جس میں یہ صفت پوری طرح پائی جاتی ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، کیونکہ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں سب سے بے نیاز ہے۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ، اس نے کسی کو نہیں جنا، کوئی اس کی اولاد نہیں، جیسا کہ یہودی عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، کیونکہ اگر اس کی اولاد ہو یا اس کے نور سے نور جدا ہونے لگے تو وہ نہ ایک رہتا ہے نہ بے مثل، پھر کئی معبودوں کا ہونا لازم آتا ہے۔

نہ وہ کسی کی اولاد ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو پیدا ہونے سے پہلے اس کا نہ ہونا لازم آتا ہے حالانکہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

كُفُوًا برابر کا جوڑ، ہم سر، اللہ تعالیٰ کا کوئی ہم سر نہیں کوئی اس کا جوڑا نہیں۔

فوائد:

۱۔ اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے اس کے ذاتی نام "اللہ" کے ساتھ دعا کی گئی ہے جس میں تمام صفات خود بخود

آجاتی ہیں، اس کے ساتھ صفات میں سے ان صفات کے واسطے سے دعا کی گئی ہے، جو اللہ کی توحید پر دلالت کرنے میں سب سے اونچا درجہ رکھتی ہیں، اس میں پہلی صفت ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ﴾ دوسری ﴿ اَلْاَحَدُ ﴾ تیسری ﴿ اَلصَّمَدُ ﴾ چوتھی ﴿ لَمْ یَلِدْ ﴾ پانچویں ﴿ لَمْ یُوْلَدْ ﴾ چھٹی ﴿ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ﴾، ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ﴾ کلمہ توحید ہے جو افضل الذکر ہے، اس کے بعد والی تمام صفات سورۂ اخلاص میں سے لی گئی ہیں، جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "وہ قرآن کے تہائی کے برابر ہے۔" [مسلم، صلاۃ المسافرین: ۸۱۱]

اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء کے واسطے سے دعا کرنے کا حکم دیا ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ [اعراف: ۱۸۰] اس دعا میں اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور صفاتی اسماء کے واسطے سے دعا کی گئی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ ساتھ اس دعا میں اس چیز کا واسطہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے، الخ۔ یہ شہادت خود ایک صالح ترین عمل ہے اور اپنے صالح عمل کے واسطے سے دعا کرنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے ثابت ہے، جس طرح سورۂ فاتحہ میں ہے: ﴿ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ اپنی عبادت کو دعا کے لیے بطور واسطہ پیش کیا پھر مدد کی درخواست کی، غار میں پھنس جانے والے تینوں آدمیوں نے بھی اپنے اپنے خالص اعمال کے واسطے سے دعا کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ [بخاری]

۳۔ اس دعا میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں اگر قبروں کی پوجا کرنے والے اور مخلوق کو مصیبت میں پکارنے والے ان صفات پر غور کر لیں تو کبھی مخلوق سے سوال نہ کریں کیونکہ وہ تو خود محتاج ہیں صرف ایک ہستی ہے جو کسی کی محتاج نہیں۔

۴۔ اللہ کا وہ نام جس کے ساتھ سوال کیا جائے تو وہ دیتا ہے اور دعا کی جائے تو قبول کرتا ہے کون سا

ہے؟ بعض احادیث میں اسے اسم اعظم بھی کہا گیا ہے، علماء کا اس میں اختلاف ہے، اسے واضح طور پر اس لیے بیان نہیں کیا گیا تاکہ لوگ اس کی تلاش میں اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کے واسطے سے دعا کریں اور زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں جیسا کہ لیلۃ القدر، جمعہ کے دن کی اور ہر رات میں قبولیت کی گھڑی بھی مبہم رکھی گئی۔

۵۔ اکثر علماء کا خیال ہے وہ اسم "اللہ" ہے کیونکہ اس میں تمام صفات آجاتی ہیں سیوطی نے علماء کے چالیس کے قریب اقوال ایک رسالے میں جمع کیے ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اسم اعظم کے متعلق سند کے لحاظ سے یہ حدیث سب سے راجح ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمیں اپنی دعائیں اس عظیم الشان کلمہ کے ساتھ آراستہ کرنی چاہییں تاکہ انھیں قبولیت کا شرف حاصل ہو جائے۔

صبح وشام کے وقت دعا

٢٣/١٤٧٢۔ ((وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ إِذَا أَصْبَحَ يَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا، وَ بِكَ أَمْسَيْنَا، وَ بِكَ نَحْيَا، وَ بِكَ نَمُوْتُ وَ إِلَيْكَ النُّشُوْرُ، وَ إِذَا أَمْسَى قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: وَ إِلَيْكَ الْمَصِيْرُ)) [أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ]

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح ہوتی تو یہ کہتے: "اے اللہ! تیرے (نام) ہی کے ساتھ ہم نے صبح کی اور تیرے (نام) ہی کے ساتھ ہم نے شام کی

اور تیرے (نام) ہی کے ساتھ ہم زندہ ہیں اور تیرے (نام) ہی کے ساتھ ہم مریں گے اور تیری ہی طرف اٹھ کر جانا ہے۔'' اور جب شام ہوتی تو اسی طرح کہتے مگر آپ ((وَ إِلَيْكَ النُّشُوْرُ)) کی جگہ یہ فرماتے: ((وَ إِلَيْكَ الْمَصِيْرُ)) ''تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔'' (اسے چاروں نے روایت کیا ہے)

تخریج:

[صحیح] ترمذی : ۳۳۹۱۔ ابن ماجہ : ۳۸۶۸۔ نسائی فی عمل الیوم واللیلۃ : ۸۔ صحیح الترمذی : ۲۷۰۰۔ تحفۃ الاشراف : ۴۰۹/۹۔ ۴۰۸/۹]
مصنف نے حدیث مختصر کر دی ہے، ترمذی میں صبح کی دعا کے وقت ((بِكَ أَصْبَحْنَا، وَ بِكَ أَمْسَيْنَا)) ہے اور شام کے وقت ((أَمْسَيْنَا، بِكَ أَصْبَحْنَا)) الخ ہے۔

فوائد:

۱۔ نیند اور بیداری کو بھی موت اور زندگی قرار دیا گیا ہے اس لیے صبح کے وقت کہا گیا ''تیری ہی طرف اٹھ کر جانا ہے۔'' اور شام کے وقت نیند کی مناسبت کے ساتھ کہا گیا ''تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔'' تاکہ اس نیند اور بیداری کے ساتھ اصل موت وحیات بھی ذہن میں رہے۔

۲۔ بِكَ أَصْبَحْنَا ''تیرے ہی ساتھ ہم نے صبح کی۔'' یہاں لفظ محذوف ہے، یعنی ''تیرے ہی نام کے ساتھ ہم نے صبح کی۔'' کیونکہ دوسری حدیث میں آیا ہے:

((اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَ أَحْيٰی)) [بخاری، الدعوات : ۸]

''اے اللہ! تیرے ہی نام کے ساتھ مرتا ہوں اور زندہ ہوں گا۔''

بعض حضرات نے یہ محذوف نکالا کہ بك اصبحنا یعنی ''تیری ''مدد'' کے ساتھ ہم نے صبح کی......

الخ“ یہ بھی معنوی لحاظ سے درست ہے، مگر دوسری حدیث میں آنے والا لفظ محذوف نکالنا زیادہ بہتر ہے۔

دین و دنیا میں بھلائی کی دعا:

١٤٧٣/٢٤ـ ((وَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

”انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ دعا یہ تھی ((رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً)) الخ۔ ”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“ (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری : ٦٣٨٩]

فوائد:

سب سے زیادہ یہ دعا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جامع ترین دعا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع دعاؤں کو پسند فرماتے تھے، عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَاءِ وَيَدَعُ مَا سِوَى ذٰلِكَ))

[أبو داؤد، الوتر : ٢٣، صحیح أبی داؤد : ١٣١٥]

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعاؤں میں سے جامع دعاؤں کو پسند فرماتے تھے اور جو اس کے علاوہ ہوتیں

انھیں چھوڑ دیتے۔"

دنیا اور آخرت کی کوئی نعمت ایسی نہیں جو اس دعا میں نہ آ گئی ہو، ابن ابی حاتم نے ابونعیم کے طریق سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں ہمیں عبدالسلام ابوطالوت نے بیان کیا کہ میں انس رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا تو ثابت نے ان سے کہا کہ آپ کے بھائی آپ سے دعا کی درخواست کرتے ہیں، انھوں نے کہا:

((رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ))

پھر (اوپر کی حدیث والا) قصہ بیان کیا اور فرمایا: "تمھیں جب اللہ تعالیٰ یہ چیز یں دے دے تو اس نے ساری کی ساری خیر تمھیں عطا فرما دی۔" [فتح الباری حدیث ۶۳۸۹]

دنیا میں بھلائی سے اپنی اور اہل و عیال کی عافیت، کشادہ گھر، فرمانبردار اور نیک بیوی، نیک اولاد، فراخ رزق، علم نافع، عمل صالح، اچھی سواری، اللہ تعالیٰ پر راضی رہنا اور اس کے دیے پر قانع ہونے کی عادت غرض دنیا کی ہر نعمت مراد ہے۔

آخرت میں بھلائی سے مراد حساب میں آسانی، قیامت کی گھبراہٹوں سے امن، جنت کی نعمتیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں، نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا اور سب سے بڑھ کر اللہ عزوجل کا دیدار ہے۔

"اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔" اگرچہ یہ آخرت کے اندر بھلائی میں شامل ہے مگر خاص طور پر اس لیے ذکر کیا کہ ایسا نہ ہو کہ آگ کے کچھ عذاب کے بعد آخرت میں بھلائی ملے۔ آگ سے بچانے کی مدد دعا کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار ہمیں سارے گناہ اور تمام کوتاہیاں مکمل طور پر معاف کر کے آگ کے عذاب سے ہر طرح بچالے۔ اس کے ضمن میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ

دنیا میں ہی آگ میں لے جانے والی چیزوں مثلاً شرک و بدعت اور ارتکاب محارم وشبہات سے بچ کر رہے اور اگر کچھ خطا ہو جائے تو اپنے فضل سے سب کچھ معاف فرما کر جہنم سے کلیتاً محفوظ رکھے۔

ہر قسم کے گناہوں سے بخشش کی دعا

۱۴۷۴/۲۵۔ ((وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي خَطِيْئَتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي جِدِّي وَهَزْلِي، وَخَطَئِي وَعَمْدِي، وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِي، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ، وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ، وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)) [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

''ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: ''اے اللہ! مجھے بخش دے میری خطا اور میری جہالت اور میرے معاملے میں میرا حد سے گزرنا اور وہ جسے تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ اے اللہ! مجھے بخش دے میرے سنجیدگی سے کیے ہوئے اور مذاق سے کیے ہوئے اور میرے خطا سے ہونے والے اور میرے جان بوجھ کر کیے جانے والے گناہ اور یہ سب میرے ہاں موجود ہیں۔ اے اللہ! مجھے بخش دے جو میں نے پہلے کیے اور جو میں نے پیچھے کیے اور جو میں نے چھپا کر کیے اور جو میں نے ظاہر کیے اور جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، تو ہی پہلے کرنے والا اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے اور تو ہر

چیز پر قادر ہے۔'' (متفق علیہ)

تخریج:

[بخاری: ٦٣٩٨، ٦٣٩٩۔ مسلم: ٢٧١٩۔ تحفة الاشراف: ٤٦١/٢]

فوائد:

۱۔ یہ دعا استغفار کے لیے نہایت جامع ہے، مصنف نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ یہ پوری دعا رسول اللہ ﷺ کس موقع پر پڑھتے تھے مجھے نہیں ملا البتہ اس کے آخر سے اکثر حصہ یعنی اغفرلی ماقدمت الخ کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیا ہے کہ رات کی نماز میں پڑھا کرتے تھے اور مسلم میں علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نماز کے آخر میں پڑھتے تھے۔ پھر روایت میں اختلاف ہے کہ سلام سے پہلے پڑھتے تھے یا سلام کے بعد۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ تشہد اور سلام کے درمیان آخرت میں جو کلمات کہتے ان میں یہ دعا ہوتی اور مسلم ہی کی دوسری روایت میں ہے اور جب سلام پھیرتے تو کہتے: ((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ)) دونوں روایات میں جمع کرنے کی صورت میں اس روایت کا مطلب ان لفظوں کے ساتھ لائے ہیں: ((کَانَ اِذَا فَرَغَ مِنَ الصَّلاَۃِ وَسَلَّمَ)) یعنی جب نماز سے فارغ ہو جاتے اور سلام پھیر لیتے تو یہ کہتے، اس روایت سے ظاہر ہے کہ سلام کے بعد یہ دعا پڑھتے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ سلام سے پہلے بھی یہ دعا کرتے اور بعد میں بھی، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس قسم کے الفاظ آئے ہیں جیسا کہ میں نے اس کی شرح کرتے ہوئے وضاحت کی ہے۔ (فتح الباری)

۲۔ ((اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ)) تو ہی جسے چاہے اپنی توفیق وعنایت سے آگے بڑھا دیتا ہے اور جسے چاہے توفیق سے محروم رکھتا ہے تو وہ پیچھے رہ جاتا ہے۔

دین و دنیا کی بھلائی کے لیے دعا

١٤٧٥/٢٦۔ ((وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ لِي دِينِي الَّذِي هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِي، وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي، وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِي الَّتِي إِلَيْهَا مَعَادِي، وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ خَيْرٍ، وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ))[أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ]

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ! میرے لیے میرا دین درست کر دے جو میرے معاملے کو بچانے کا ذریعہ ہے اور میرے لیے میری دنیا درست کر دے جس میں میری گزران ہے اور میرے لیے میری آخرت درست کر دے جس کی طرف میرا لوٹ کر جانا ہے اور زندگی کو میرے لیے ہر بھلائی میں زیادہ ہونے کا ذریعہ بنا دے اور موت کو میرے لیے ہر شر سے چھٹکارے کا ذریعہ بنا دے۔" (اسے مسلم نے روایت کیا)

تخریج:

[مسلم : ٢٧٢٠۔ تحفۃ الاشراف : ٩/٤٤١]

فوائد:

١۔ یہ دعا دین و دنیا کی بھلائی کی جامع دعا ہے، اس میں موت کو ہر شر سے چھٹکارا بنا دینے کی دعا کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں موت کی دعا کی گئی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم

میں سے کوئی شخص کسی تکلیف کی وجہ سے جو اس پر آ رہی ہو موت کی دعا نہ کرے اگر ضروری کرنی ہے تو یوں کہے اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندگی کو میرے لیے بہتر جانے اور مجھے اس وقت فوت کر جب تو وفات کو میرے لیے بہتر جانے۔" [بخاری، الدعوات: ۳۰]

اس دعا کا مطلب صرف یہ ہے کہ موت کو میرے لیے ہر شر سے رہائی کا ذریعہ بنا ایسا نہ ہو کہ موت کے ساتھ دنیا کی مصیبتوں سے رہائی پا جانے کے بعد بھی کسی شر میں پھنسا رہوں مثلاً عذاب قبر، قیامت کی ہولناکی، گناہوں کی باز پرس اور جہنم کا عذاب وغیرہ جیسا کہ ایک شاعر کہہ گیا ہے

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

علم نافع کے لیے دعا

۱۴۷۶/۲۷۔ ((وَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَ عَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ، وَارْزُقْنِيْ عِلْمًا يَنْفَعُنِيْ)) [رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالْحَاكِمُ]

"اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے "یا اللہ! مجھے تو نے جو سکھایا ہے اس کے ساتھ مجھے نفع دے اور مجھے وہ سکھا جو مجھے نفع دے اور مجھے ایسا علم عطا کر جو مجھے نفع دے۔" (اسے نسائی اور حاکم نے روایت کیا)

تخریج:

[صحیح: (نسائی میں مل نہیں سکی، البتہ الترمذی کتاب الدعوات اور ابن ماجہ میں یہ حدیث موجود ہے

دیکھیے: [ترمذی: ۳۵۹۹] اور [ابن ماجہ: ۲۵۱، ۳۸۳۳] الشیخ الالبانی نے اسے صحیح کہا ہے اور دیکھیے حاکم (۵۱۰/۱)، حاکم نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔

زیادہ علم کی دعا

۲۸/۱۴۷۷۔ ((وَلِلتِّرْمِذِيِّ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوُهُ، وَ قَالَ فِيْ آخِرِهِ وَ زِدْنِيْ عِلْمًا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ، وَ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ)) [وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ]

"اور ترمذی کے لیے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کی مثل روایت ہے اور اس کے آخر میں مجھے علم میں زیادہ کر۔ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ہر حال میں، آگ والوں کے حال سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔" (اور اس کی سند حسن ہے)

تخریج:

ترمذی (الدعوات) میں یہ روایت اس طرح ہے:

((اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَ عَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ وَ زِدْنِيْ عِلْمًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ، وَ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ))

"شیخ البانی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔" (الحمد لله على كل حال الخ) کے علاوہ) [صحيح الترمذي: ۲۸۴۵]

فوائد:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں علم میں اضافے کے لیے دعا کا حکم دیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَقُلْ رَّبِّ

زِدْنِيْ عِلْمًا ﴾ ''اور تو کہہ اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر۔'' اس سے معلوم ہوا کہ علم میں اضافے کی دعا فرض ہے اور علم حاصل کرنے کی کوشش بھی فرض ہے، کیونکہ علم کے ساتھ ساتھ اسباب مہیا کرنا بھی ضروری ہے دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کی دعا کا اصل مقام میدان جنگ ہے اگرچہ اس کے علاوہ بھی دعا کرسکتا ہے، اسی طرح علم میں اضافے کی دعا کا اصل وقت وہ ہے جب آدمی علم کی منزل کی طرف گامزن ہو چکا ہو، یا اس فکر میں ہو۔

۲۔ علم نافع بھی ہوتا ہے اور نقصان دہ بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جادوگروں اور ہاروت، ماروت کی سکھائی ہوئی باتوں کے پیچھے چلنے والوں کے متعلق فرمایا:

﴿ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ﴾ [البقرۃ: ۲/ ۱۰۲]

''وہ ایسی چیز سیکھتے ہیں جو انھیں نقصان پہنچاتی ہے اور انھیں فائدہ نہیں دیتی۔''

اسی طرح ناول، افسانے اور گندی باتیں ہیں، اس لیے آدمی کو صرف وہ علم سیکھنا چاہیے اور اسی کی دعا کرنی چاہیے جو دنیا اور آخرت میں اس کے لیے نفع دینے والا ہو۔

۳۔ ایسا علم کہ آدمی کا عمل اس کے برعکس ہو قیامت کے دن اس کے خلاف بطور حجت پیش ہوگا، اسی طرح علم کی بات پوچھی جائے اور وہ چھپائے تو اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ (صحیح ابوداؤد، العلم/۹) اس لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ جو علم تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اس کے ساتھ مجھے نفع دے کہ اس پر عمل کروں اور لوگوں تک پہنچاؤں۔

تمام بھلائیوں کے حصول اور برائیوں سے پناہ کے لیے جامع دعا

۱۴۷۸/۲۹۔ ((وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهَا هٰذَا الدُّعَاءَ : اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَ آجِلِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، اَللّٰهُمَّ أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ، وَ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَاذَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْعَمَلٍ، وَ أَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ، وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ وَ أَسْأَلُكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ قَضَيْتَهُ لِيْ خَيْرًا)) [أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ]

''اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں یہ دعا سکھائی: ''اے اللہ! میں تجھ سے بھلائی میں سے ساری کی ساری بھلائی کا سوال کرتا ہوں، جو اس میں سے جلدی (ملنے) والی ہے اور جو دیر (سے ملنے) والی ہے، جو اس میں سے میں جانتا ہوں اور جو مجھے معلوم نہیں اور شر میں سے سارے کے سارے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو اس میں سے جلدی (آنے) والا ہے اور جو دیر (سے آنے) والا ہے جو اس میں سے میں جانتا ہوں اور جو مجھے معلوم نہیں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس چیز کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس کا سوال تجھ سے تیرے بندے اور تیرے نبی نے کیا ہے اور اس چیز کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس سے تیرے بندے اور تیرے نبی نے پناہ مانگی ہے۔ اے اللہ! یقیناً میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور اس قول و عمل کا (سوال کرتا ہوں) جو مجھے اس کے قریب کر دے اور آگ

سے تیری پناہ چاہتا ہوں اس قول و عمل سے (تیری پناہ چاہتا ہوں) جو اس کے قریب کر دے اور میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو ہر اس فیصلے کو جو تو نے کر دیا ہے میرے لیے بہتر بنا دے۔" (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

تخریج:

[صحیح۔ ابن ماجہ : ٣٨٤٦۔ ابن حبان : ٨٦٩/٣۔ تحفة الأشراف : ٤٤٢/١٢۔ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، الصحیحة : ١٥٤٢]

فوائد:

١۔ یہ بہت ہی جامع دعا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو سکھائی۔ ظاہر ہے ان تمام چیزوں کا نام لے کر اللہ سے درخواست کرنا بہت مشکل ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے مانگیں، اسی طرح جن چیزوں سے پناہ مانگی وہ بھی شمار میں مشکل سے ہی آ سکتی ہیں، کتنی زبردست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے وہ سب کچھ مانگ لیا جو اس کے نبی نے مانگا اور ان سب چیزوں کے شر سے پناہ مانگ لی جن سے آپ نے اللہ کی پناہ مانگی تھی۔

٢۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنے اہل و عیال کی بہتری کی فکر ہونی چاہیے اور انھیں اچھی سے اچھی دعائیں سکھانی چاہییں کیونکہ انھیں اگر کوئی چیز حاصل ہوگی تو اس کا فائدہ خود اسی کو ہوگا اور اگر انھیں کوئی شر پہنچا تو اس کا نقصان بھی اسی پر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کو محبوب دو کلمات

١٤٧٩/٣٠۔ ((وَأَخْرَجَ الشَّيْخَانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ

عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ))

''اور بخاری اور مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دو کلمے جو رحمان کو بہت پیارے، زبان پر بہت ہلکے، ترازو میں بہت بھاری ہیں '' یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ یعنی ''میں اللہ کا پاک ہونا بیان کرتا ہوں اور اس کی حمد کے ساتھ (اس کا پاک ہونا بیان کرتا ہوں) میں اللہ کا پاک ہونا بیان کرتا ہوں جو بہت بڑائی والا ہے۔''

تخریج:

[بخاری: ٦٤٠٦، ٦٦٨٢، ٧٥٦٣۔ مسلم: ٢٦٩٤۔ وغیرھما، دیکھیے تحفۃ الأشراف: ١٤٤٢/١]

مفردات:

كَلِمَتَانِ خبر مقدم ہے، حبیبتان، خفیفتان، اور ثقیلتان اس کی صفات ہیں، سبحان اللہ وبحمدہ الخ مبتداء مؤخر ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ مضاف، لفظ اللہ مضاف الیہ ہے، سبحان مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس کا فعل وجوبا محذوف ہوتا ہے یعنی أُسَبِّحُ سُبْحَانَ اللّٰهِ میں اللہ کا پاک ہونا بیان کرتا ہوں وبحمدہ کی ترکیب اہل علم نے کئی طرح کی ہے، ایک آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ فعل محذوف کے متعلق ہے، یعنی ((وبحمدہ اسبح)) اور میں اللہ کی حمد کے ساتھ ہی اس کی تسبیح کرتا ہوں۔

فوائد:

۱۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کو اس حدیث پر ختم کیا ہے، ان کے بعد کئی مصنفین نے اپنی کتب اس حدیث پر ختم کی ہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ان حضرات کی اتباع کی ہے۔

۲۔ اس حدیث سے ان کلمات کی فضیلت معلوم ہوئی، انھیں وردِ زبان رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت کے دن انسان کے اعمال واقوال تولے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ﴾ [الأنبياء : ۲۱/ ۴۷]

''ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے تو کسی جان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

عقلیت کے بعض دعوے داروں نے اس وجہ سے اعمال واقوال کے وزن کا انکار کر دیا کہ جو چیز اپنا ذاتی وجود نہ رکھتی ہو بلکہ دوسرے کے ساتھ قائم ہو اور ساتھ ہی ساتھ ختم ہوتی جاتی ہو اسے کس طرح تولا جا سکتا ہے، مگر اہل ایمان ہمیشہ اللہ کے فرمان پر ایمان رکھتے ہیں خواہ اس کی پوری کیفیت سمجھ میں آئے یا نہ آئے اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ ضرور اعمال واقوال کا وزن کرے گا، ان کی عقل کا فیصلہ یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو فرما رہے ہیں وہی بات درست ہے ہم نے چونکہ وہ چیزیں دیکھی نہیں اس لیے ہماری سمجھ سے بالا ہیں جب سامنے آئیں گی تو ان کی حقیقت بھی کھل جائے گی۔

بعض لوگوں نے یہ تاویل کی کہ نامہ ہائے اعمال کا وزن ہوگا، مگر یہ تاویل بھی یہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ اعمال کا وزن نہیں ہو سکتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بعد انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

اب تو اعمال واعراض کی پیمائش کے لیے دنیا میں ہی پیمانے وجود میں آ گئے ہیں حرارت، آواز، قوت اور دوسری اعراض کی پیمائش ہو رہی ہے، اب تو انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔

۳۔ مزید فوائد کے لیے دیکھیے حدیث نمبر (۱۳۵۶)۔

آیئے علم حاصل کریں
اگر آپ دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو
جامعة الدعوة الإسلامية
کے تحت
المعهد العالی للدعوة الاسلامیہ
مرکز طیبہ مریدکے میں تشریف لائیں
شرائط داخلہ
تعلیم میٹرک یا کم از کم مڈل اور ناظرہ قرآن مجید ہونی چاہیے۔
حافظ قرآن امیدوار کیلئے اردو لکھنے پڑھنے کی استعداد کافی ہے
داخلہ ۱۰ شوال سے شروع ہوتا ہے اور امتحان دے کر فارغ ہونیوالے
لڑکوں کیلئے یکم ستمبر سے بھی داخلہ ہوتا ہے۔
نوٹ: داخلہ انٹرویو کی بنیاد پر ہوگا
مدیر
جامعة الدعوة الإسلامية
مرکز طیبہ مریدکے
فون: (042)7990497